



قرآن کی عظمتیں

اور آل کے معجزے

فضیلۃ الشیخ / محمود بن احمد الدوسری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پروفیسر حافظ عبد الرحمن ناصر رحمۃ اللہ علیہ





قرآن کی عظمتیں اس کے معجزے

قرآن کی عظمتیں

اس کے معجزے

تحقیق و تخریج سے مرزا الیاس



فضيلة الشيخ

محمود بن احمد الدوسري

ترجمہ: پروفیسر حافظ عبد الرحمن ناصر



مُحَمَّدٌ قَدْ شَاعَتْ بِرَأْيِهِ دَارُ السَّلَامِ مَحْضُوطٌ فِيهِ

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الرياض 11416: فون: 4033962-4043432 00966 1

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa 4021659: فیکس

Website: www.dar-us-salam.com

1 طریقہ مکہ - الضیاء - الرياض فون: 4614483 00966 1 فیکس: 4644945

2 شارع البصين - الملز - الرياض فون: 4735220 فیکس: 4735221

3 حمزة فون: 6879254 00966 2 فیکس: 6336270

4 النمر فون: 8692900 00966 3 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 00971 6 امریکہ 001 713 7220419: فون

فیکس: 5632624 7220431: فیکس

لندن فون: 85394885 0044 20 6255925: فون 001 718

فیکس: 85394889 020 6251511: فیکس

www.KitaboSunnat.com

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوزروم)

36- لورنال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 0092 42 فیکس: 7354072

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

2 غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

3 نمون مارکیٹ اقبال ٹاؤن، لاہور فون: 7846714

کراچی شوزروم (D.C.H.S) Z-110, 111 مین طارق روڈ (بالقابل فزی پوسٹ شاپنگ مال) کراچی

فون: 4393936-21-0092 فیکس: 4393937

Email: darussalamkhi@darussalampk.com

8-F مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

اسلام آباد شوزروم

مضامین

| | |
|----|---|
| 14 | عرض ناشر |
| 17 | ابتدائیہ |
| 47 | مقدمہ |
| 48 | عظمت قرآن |
| 51 | عظمت قرآن کا موضوع اختیار کرنے کے اسباب |
| 52 | طریقہ بحث |

باب 1

قرآن کریم کا تعارف اور اس کی عظمت کے عقلی و نقلی دلائل

| | |
|----|---|
| 56 | قرآن کریم کا تعارف |
| 56 | ”قرآن“ کے اصطلاحی معنی |
| 57 | ”قرآن کریم“ کی تعریف میں مذکورہ قیود کی وضاحت |
| 58 | عظمت قرآن کے معنی اور مطلب |
| 60 | عظمت قرآن، کلام الہی کی روشنی میں |

- 60 ❀ اللہ تعالیٰ کا اپنی کتاب کی تعریف و توصیف کرنا
- 62 ❀ قرآن لے کر نازل ہونے والے فرشتے کی فضیلت
- 65 ❀ قرآن، تمام جہانوں کے رب نے نازل فرمایا ہے
- 66 ❀ قرآن بالکل واضح اور راست ہے، اس میں کوئی ابہام نہیں
- 68 ❀ جمادات کا قرآن سے متاثر ہونا
- 69 ❀ انسانوں اور جنوں کو ایک چیلنج
- 73 ❀ عظمتِ قرآن کے عملی مظاہر
- 74 ❀ قرآن کا بہترین زمانے میں نزول
- 76 ❀ قرآن کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور جامع ترین زبان میں نزول
- 79 ❀ فہم و تلاوت میں قرآن کریم کا آسان ہونا
- 82 ❀ اللہ تعالیٰ کا قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لینا
- 89 ❀ قرآنی تعلیمات کی عالمگیریت
- 96 ❀ قرآن کریم کا دیگر الہامی کتابوں کی تصدیق اور نگرانی کرنا
- 104 ❀ قرآن کی سابقہ کتابوں پر نگرانی کے دلائل و مظاہر
- 110 ❀ عظمتِ قرآن، مستشرقین کی نظر میں
- 111 ❀ فرانسیسی فلسفی ایکس لوزون
- 111 ❀ لوئی سیدیو
- 112 ❀ برطانوی وزیر اعظم گلڈسٹون
- 112 ❀ جرمن مستشرق ڈاکٹر شوہمس
- 113 ❀ فرانسیسی محقق کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری

| | |
|-----|------------------------------|
| 113 | جیمز مچنز |
| 113 | عیسائی عربی محقق نصری سلہب |
| 115 | امریکی ڈاکٹر سنڈنی فشر |
| 115 | مستشرق جارج سیل |
| 115 | کوہولڈ |
| 116 | ڈاکٹر لورافیشیا فاغلیری |
| 117 | موسیو بیرک |
| 117 | ہرشفیلڈ |
| 117 | لبنانی عیسائی ڈاکٹر جارج حنا |
| 118 | ولیم جفر ڈی بیگلراف |
| 118 | الجزائر کا فرانسیسی گورنر |
| 119 | فرانسیسی وزیر اعظم لاکوسٹ |
| 121 | قرآن کے اسماء و صفات کی عظمت |
| 122 | اسمائے قرآن کی عظمت |
| 145 | اوصاف قرآن کی عظمت |

باب 2

شریعت و قانون سازی، قصص و واقعات اور مقاصد جلیلہ
کے سلسلے میں قرآن کریم کی عظمت

| | |
|-----|---|
| 165 | عقائد و نظریات کی تصحیح و تطہیر |
| 171 | جنگی اور مشکل دور کرنا |
| 175 | انسان کے وقار اور حقوق کی پاسداری |
| 183 | خاندان کی تشکیل اور عورت سے انصاف کے تقاضے پورے کرنا |
| 192 | مکلف اور ذمہ دار فرد کو دنیا و آخرت میں کامیاب و بامراد بنانا |
| 199 | قرآنی شریعت اور قانون سازی کی عظمت |
| 205 | قرآنی شریعت اور قانون سازی کا امتیاز |
| 207 | قرآنی شریعت اور قانون سازی کی عظمت |
| 211 | قرآنی شریعت کا دوام |
| 215 | قرآنی قانون عدل و انصاف |
| 229 | قرآنی شریعت اور قانون عدل و انصاف کے تقاضے |
| 234 | غیر مسلم مخالفین کی گواہی |
| 237 | قرآنی قصص و واقعات کی عظمت |
| 239 | قرآنی قصص و واقعات کی عظمت کے آثار و مظاہر |
| 243 | قرآنی قصص کے مقاصد جلیلہ کی عظمت |

باب 3

قرآن کریم کی تاثیر اور اس کے ذریعے سے دعوت دینے کی اہمیت

- 293 ﴿قرآن کریم کے ساتھ دعوت دینے کا عملی نفاذ﴾
- 294 ﴿معجزہ قرآن عظیم اور دیگر انبیاء کے معجزات کے مابین اہم فرق﴾
- 296 ﴿سفر حج میں قرآنی آیات سنا کر دعوت اسلام دینا﴾
- 297 ﴿سفری صعوبتیں اور قرآن کے ذریعے دعوت﴾
- 298 ﴿بادشاہوں اور سرداروں کو قرآن کے ذریعے سے دعوت اسلام دینا﴾
- 300 ﴿دشمنوں کے قلوب پر قرآن کریم کا حیرت انگیز اثر﴾
- 303 ﴿خطبات میں لوگوں کو قرآنی آیات سنا کر نصیحت کرنا﴾
- 304 ﴿قرآن کریم سن کر دل کی دھڑکن تیز ہو جانا﴾
- 305 ﴿معروف نو مسلم سکالرز کے قبول اسلام میں قرآن کریم کا کردار﴾



قرآن کریم کی عظمت و رفعت کا تذکرہ

- 317 ﴿اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام﴾
- 319 ﴿عرب کے لیے بالخصوص اور پوری امت کے لیے بالعموم نعمت عظمیٰ﴾
- 323 ﴿راہ راست کی رہنمائی کرنے والا﴾
- 325 ﴿ایک بابرکت کتاب﴾
- 328 ﴿قرآن کریم ہر چیز کا بیان ہے﴾
- 330 ﴿انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان﴾

333 ❁ مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت

335 ❁ قرآن کریم نور ہے

337 ❁ قرآن کریم اپنے پیروکاروں کے لیے سرمایہٴ حیات ہے

باب 5

قرآن کریم کے فضائل و برکات کا تذکرہ

341 ❁ قرآن کریم کی سماعت کے فضائل

341 ❁ قرآن عظیم کی تلاوت سننا رحمتِ الہی کا سبب ہے

343 ❁ قرآن کریم کی سماعت انسانوں اور جنوں کی ہدایت کا ذریعہ ہے

346 ❁ قرآن کریم کی سماعت دل کے خشوع اور آنکھوں کی رقت کا سبب ہے

350 ❁ قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے کے فضائل

352 ❁ قرآن سیکھنے اور سکھانے والے فرشتوں اور رسولوں کے مشابہ ہیں

353 ❁ سب سے افضل لوگ قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے والے ہیں

356 ❁ قرآن سیکھنا اور سکھانا دنیا اور اس کے خزانوں سے بہتر ہے

359 ❁ جس نے ایک آیت بھی سکھائی وہ اس کے لیے صدقہ جاریہ ہے

360 ❁ اولاد کو قرآن کریم کی تعلیم سے آراستہ کرنے کا ثواب

364 ❁ تلاوتِ قرآن کریم کے فضائل

366 ❁ تلاوتِ قرآن نہایت نفع بخش تجارت ہے

369 ❁ تلاوتِ قرآن پر سکینت، رحمت اور فرشتوں کا نزول

- 375 تلاوت قرآن سراسر خیر ہی خیر ہے ❀
- 379 حفظ قرآن کریم کے فضائل ❀
- 381 حافظ قرآن کی عظمت و رفعت ❀
- 383 حافظ قرآن دنیا و آخرت میں مقدم ہے ❀
- 387 حافظ قرآن کے متنوع فضائل ❀
- 390 قرآن کریم پر عمل کرنے کے فضائل و برکات ❀
- 394 قرآن کریم پر عمل کرنے والے کے فضائل و مناقب ❀

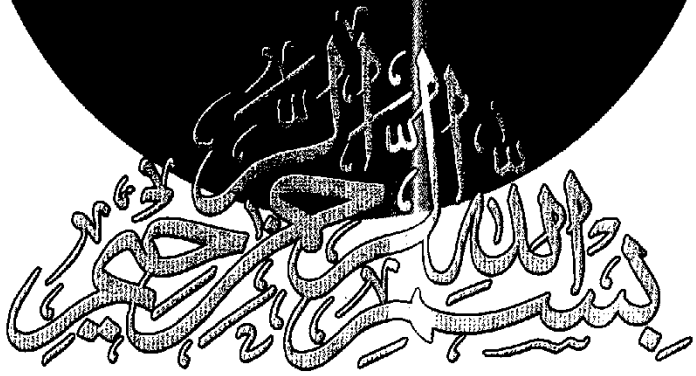


مسلمانوں پر قرآن کریم کے حقوق

- 401 قرآن کریم پر ایمان لانا ❀
- 404 قرآن کریم کی حفاظت کا اہتمام کرنا ❀
- 407 قرآن کریم کی تلاوت کرنا ❀
- 409 قرآن کریم کی آیات پر غور و فکر کرنا ❀
- 413 قرآن کریم پر عمل کرنا ❀
- 417 قرآن کریم کے آداب ❀
- 417 قلبی آداب ❀

- 420 ✽ ظاہری آداب ✽
- 422 ✽ قرآن کریم کے ساتھ برتاؤ کے متعلق عمومی آداب ✽
- 426 ✽ مصحف کے بارے میں آداب ✽
- 429 ✽ قرآن کریم کی دعوت اور اس کی تبلیغ ✽





اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا

عرضِ ناشر

قرآن نازل ہوا تو اس نے اپنی فصاحت و بلاغت پر اترانے اور ساری دنیا کو عجم قرار دینے والے عربوں کے نامور خطیبوں اور شاعروں کو بھی ہکا بکا کر دیا۔ قرآن کی اٹل سچائیاں، دلاویز استدلال، پاکیزہ دعوت اور اس کا حسن بیان دیکھ کر سبھی دنگ رہ گئے۔ بڑے سے بڑے کافر اور مشرک کا دل بھی اندر سے بول اٹھا کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ یقیناً یہ ایسی بزرگ و برتر نادیدہ ہستی کا کلام ہے جس نے اسے نازل فرما کر حقائق و معارف کے درتے کچے کھول دیے ہیں۔ قرآن کے محاسن و فضائل بے پایاں ہیں لیکن اس آخری آسمانی کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کی بلند پایہ دعوت اور بناوٹ سے پاک سادہ اور بے تکلف طرزِ مخاطب ہے جو رہ کر انسان کی عقل و شعور کو جھنجھوڑتا ہے اور اُس قادرِ مطلق کی بندگی کی طرف رہبری کرتا ہے جس نے ہمیں اور اس پوری کائنات کو پیدا فرمایا۔

قرآن ہمارے سامنے پھیلی ہوئی جانی بوجھی چیزوں کی طرف اشارے کرتا ہے اور ہمارے دل و دماغ سے پوچھتا ہے کہ تم کس کی بندگی کرو گے؟ بنے ہوئے مظاہر کو پوجو گے یا ان کے بنانے والے مقدس پروردگار کے آگے سر جھکاؤ گے؟ اگر تم اس فانی دنیا کی عارضی لذتوں میں گم رہنا چاہتے ہو تو معاملہ دوسرا ہے!..... لیکن اگر تم اپنے مالکِ حقیقی کی بندگی کرنے اور فلاح پانے کے آرزو مند ہو تو راستہ بالکل سیدھا اور صاف ہے اور وہ یہ ہے کہ میری بات مانو۔ میں اللہ کی کتاب ہوں، میں اللہ کا کلام ہوں میں ہُدٰی للمتقین ہوں۔ میں امامِ مبین ہوں، میں

پیغام ہدایت ہوں، میں رہنمائی کا نور ہوں، میں ایک اللہ کی عبادت اور اس کے آخری رسول ﷺ کی اطاعت کی دعوت دینے آیا ہوں، میں واضح کرنے آیا ہوں کہ سب انسانوں کا پروردگار ایک ہے۔ سب انسانوں کو اللہ رب العزت ہی کی بندگی کرنی اور نیکی کی زندگی بسر کرنی چاہیے۔ ایک دن یہ دنیا فنا ہو جائے گی۔ قیامت قائم ہوگی۔ جو شخص ذرہ برابر خیر کا کام کرے گا اُس کی جزا پائے گا اور جو ذرہ بھر شر کرے گا اُسے اس کی سزا ملے گی۔ آؤ، میری دکھائی ہوئی روشن راہ پر چلو۔ اس طرح تم اس دنیا میں بھی خوش رہو گے اور آخرت میں بھی عزت اور کامیابی کی مسند پر فائز ہو جاؤ گے۔

قرآن کریم کا یہ پیغام ہر آن گونجتا ہے۔ جو لوگ اس صدائے حق کا مثبت جواب دیتے ہیں اور راہ ہدایت کے راگیر ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اصل مقصد زندگی کی معرفت عطا فرما دیتا ہے۔ ایسے خوش بخت لوگ صرف اپنے ہی علم و آگہی پر قانع رہنا نہیں چاہتے بلکہ ان کا جوش ایمان اور ذوق تبلیغ قرآن کے پیغام کو اتنی قوت سے عام کرنا چاہتا ہے کہ شش جہات گونج اٹھیں۔ ایسی ہی ایک صداسعودی عرب کے جلیل القدر عالم محمود بن احمد الدوسری کے دل سے اٹھی ہے۔ موصوف قرآن کریم کے ایسے محب صادق ہیں کہ ہر انسان کے دل و دماغ میں قرآنی مقاصد اور مطالب کا نور بھر دینا چاہتے ہیں۔ ان کی اسی دلی تڑپ کی آئینہ دار ان کی زیر نظر تصنیف ”عظمت قرآن“ ہے۔ اسے توجہ اور یکسوئی سے پڑھیے۔ آپ محسوس کریں گے کہ اس کتاب کے ہر حرف کی رگوں میں علم و آگہی اور ایمان و یقین کی بجلیاں چمک رہی ہیں۔

اس گرانمایہ کتاب کے چھ باب ہیں۔ ان ابواب میں موصوف نے قرآن کی صداقت، جلالت، عظمت نصب العین اور پیغام کے بارے میں جو باتیں جس جامعیت سے کہہ دی ہیں، وہ بڑی بڑی کتابوں پر بھاری ہیں، مثلاً پہلے باب میں انھوں نے قرآن کی عظمت کے دلائل پیش کیے ہیں اور قرآن کا تعارف خود قرآن کریم ہی کی آیات مقدسہ سے کرایا ہے باب دوم

میں انھوں نے دلائل و براہین کی روشنی میں یہ حقیقت اُجاگر کر دی ہے کہ قرآن کریم قیامت تک زمانے اور زندگی کے ہر تقاضے کا جواب دینے کے جوہر سے آراستہ ہے۔ وہ طہارت و عبادت، معاشیات و معاشرت، سیاست و عدالت، صنعت و تجارت، اور قانون سازی کے سلسلے میں پوری رہنمائی فرماتا ہے اور اپنے سے باہر کسی غیر کے قانون کا ہر گز محتاج نہیں۔ انھوں نے آخر میں بے خبر انسانوں کو دعوت دی ہے کہ دائیں بائیں نہ پھرو۔ تذبذب کا راستہ ترک کر دو قرآن کی صدا پر سچے دل سے لبیک کہو، اس طرح دونوں جہانوں کی نعمتیں اور خوش بختیاں نصیب ہوں گی۔

اردو میں اس کتاب کا ترجمہ پروفیسر حافظ عبدالرحمن ناصر نے کیا ہے۔ ترجمہ بڑا شگفتہ اور با محاورہ ہے۔ اب کتاب کا عنوان ”قرآن کی عظمتیں اور اس کے معجزے“ قرار پایا ہے۔ کتاب کی تدوین، تزئین اور عمدہ طباعت کے لیے عزیز گرامی حافظ عبدالعظیم صاحب اسد نے بڑی محنت کی ہے۔ دارالسلام کے ریسرچ فیلو جناب احمد کامران اور مولانا محمد عثمان منیب نے اس کی تصحیح و ترتیب کا فرض بخوبی انجام دیا ہے۔ ریسرچ فیلو مولانا محمد فاروق اور قربان انجم نے پروف پڑھے ہیں۔ ممتاز صحافی اور محقق جناب محسن فارانی کی غلطیوں کی تہ تک پہنچ جانے والی نظریں اس کتاب کے پچ و خم میں بار بار دوڑتی رہیں۔ کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کے فرائض جناب زاہد سلیم چودھری، ہارون الرشید اور ابو مصعب نے ادا کیے ہیں۔ اب اس ساری سعی و محنت کا ماحصل پیش خدمت ہے۔ دُعا ہے کہ یہ کتاب خیالوں کا رخ موڑے، دلوں میں انقلاب برپا کرے اور ہر انسان کو قرآن کریم پڑھنے، سمجھنے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا خوگر بنا دے۔

خادم کتاب و سنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام، الریاض۔ لاہور

رجب 1427ھ / اگست 2006ء

ابتدائی

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الرُّسُلِ
وَحَاتَمِ النَّبِيِّينَ الَّذِي أَرْسَلَهُ اللَّهُ مُبَيَّنًا لِّكِتَابِهِ الْحَكِيمِ وَعَلَى آلِهِ
وَأَصْحَابِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ
الدِّينِ، أَمَّا بَعْدُ :

قرآن مجید کے مطالعے اور اس سے استفادے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ یہ ہے کیا؟ یعنی قرآن مجید کا تعارف بزبان قرآن حاصل کیا جائے۔ اس کے بعد یہ معلوم کیا جائے کہ اس کا منبع اور سرچشمہ کیا ہے، یعنی یہ کہاں سے آیا ہے اور اسے کس نے نازل فرمایا ہے؟ پھر یہ معلوم کیا جائے کہ یہ کیوں آیا ہے، یعنی اس کا مقصد نزول اور اس کی آمد کی غرض و غایت کیا ہے؟ تعارف ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ یہ انسانوں تک براہ راست اور بلا واسطہ پہنچا ہے یا کسی کے ذریعے سے پہنچا ہے؟ اگر بلا واسطہ پہنچا ہے تو اس واسطے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ جب تک ان باتوں اور قرآن کریم کا بنیادی تعارف حاصل نہیں ہوتا، اس سے صحیح استفادے اور اس کے اثرات، برکات اور ثمرات سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل جوہری خصوصیات ہی اس کا تعارف ہیں:

قرآن ایک یقینی، قطعی اور غیر مشتبہ کتاب ہے

قرآن کی سب سے اہم اور اساسی خصوصیت اور امتیاز اس کا یقینی اور غیر مشتبہ ہونا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۭ فِيْهِ ۚ﴾

”یہ کامل کتاب ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی (مطلق) کوئی بات نہیں۔“
دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَ الْوَعْدُ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

”یہ (قوانین و احکام) کی تفصیل و بیان ہے، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں (کیونکہ)
جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔“
نیز فرمایا:

﴿وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَا يٰتِيْهِ الْبٰطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط
تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝﴾

”یہ نہایت وقیع کتاب ہے۔ اس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے سے آ سکتی ہے
اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے، حکیم، ستودہ صفات کی طرف سے اتاری گئی ہے۔“
ایک اور جگہ فرمایا:

﴿كِتٰبٌ اٰحْكَمْتُ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝﴾

”(یہ) ایک عظیم کتاب ہے جس کی آیات مضبوط کی گئی ہیں، پھر ان کی تفصیل حکیم باخبر
ذات کی طرف سے کی گئی ہے۔“

قرآن محکم اور مفصل ہے

اس میں دین کے اصول اور کلیات بیان کیے گئے ہیں اور وہ علم جو انسان کی دنیوی اور اخروی کامیابی و کامرانی کے لیے ضروری ہے، وہ نہایت واضح اور مفصل طریقے سے صاف صاف بیان کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿أَفْخَيْرُ اللَّهِ ابْتِغَىٰ حَكْمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا﴾

”کیا پھر میں اللہ کے سوا کوئی (اور) حکم چاہوں، حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری ہے؟“

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾

”ہم نے ان کے پاس ایسی کتاب پہنچادی ہے جس کو ہم نے اپنے علم سے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ﴾

”یہ ایک محکم کتاب کی آیات ہیں۔“

قرآن حق و باطل کی امتیازی کسوٹی ہے

فرمان الہی ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾

”بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر امتیاز کرنے والی کتاب اتاری ہے تاکہ وہ جہان والوں کو آگاہ کر دے۔“^①

قرآن مجید میں کفر و ایمان، ہدایت و ضلالت، حق و باطل، جائز و ناجائز، صحیح و غلط، حلال اور حرام، یقین و ظن، توحید اور شرک میں قیامت تک کے لیے ایسا فاصلہ اور امتیاز قائم کر دیا گیا ہے کہ اس سلسلے میں کسی قسم کا کوئی ادنیٰ سا احتمال اور کمزور سے کمزور اشتباہ بھی باقی نہیں چھوڑا، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾

”تاکہ جسے ہلاک و تباہ ہونا ہے، وہ اتمامِ حجت کے بعد تباہ و برباد ہو اور زندہ رہنے والا اتمامِ حجت کے بعد زندہ رہے۔“^②

قرآن سابقہ کتابوں کا مصدق اور نگران ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّئًا عَلَيْهِ﴾

”اور ہم نے آپ کی طرف با مقصد کتاب اتاری ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کے مضامین کی نگران و نگہبان ہے۔“^③

قرآن نگران و نگہبان اس لیے ہے کہ (۱) دین کے اصول و کلیات تمام کتبِ سماوی اور آسمانی تعلیمات میں یکساں اور مشترک ہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا

وَصَيَّنَّا يَهَ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ط

”تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کی تاکید ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کی تھی، یہ کہ تم دین کو قائم کرو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔“ ﴿ط﴾

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّ هٰذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ط﴾

” (بلاشبہ تمہارا) دین، ایک ہی دین ہے۔“ ﴿ط﴾ یعنی تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے۔

(ب) قرآن سے پہلی کتب اور صحیفے اپنے اپنے وقت کے لیے تھے اور اس کا ایک حصہ تھے، چنانچہ فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾

”کیا آپ نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں فرمایا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا تھا، انہیں اللہ کی (پوری) کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے۔“ ﴿ط﴾

یہ صحیفے ایک خاص وقت تک محفوظ رہے مگر بعد ازاں محفوظ نہ رہ سکے اور تحریف و تغیر کا شکار ہو گئے۔

(ج) قرآن دائمی صحیفہ اور آخری کتاب ہے، اس میں دین کے تمام اصول و ضوابط کامل شکل میں پوری طرح آ گئے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنََكُمْ وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط﴾

”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دستورِ زندگی مکمل کر دیا اور اپنی نعمت (شریعت) تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور ضابطہٴ حیات پسند کر لیا۔“^①

اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود لی ہے، ارشادِ باری ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نُزَلِّلُ الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

”بے شک (یہ) ذکر (قرآن) ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“^②

قرآن مجید وہ آئینہ ہے جس میں مختلف عقائد، افکار و خیالات، متفرق اخلاق و اعمال اور سیرت و کردار کے لوگ اپنا اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں اور اس کسوٹی و میزان پر اپنی جانچ پڑتال کر سکتے ہیں۔ اس میں کہیں اشارتاً کہیں صراحتاً، کہیں سابقہ اقوام و افراد کے حالات کے پیرائے میں اور کہیں براہِ راست قرآن کے مخاطب افراد کا تذکرہ موجود ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝﴾

”بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا ہی تذکرہ ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟“^③

امام ابو عبد اللہ محمد بن نصر مروزی (202-294ھ) نے اپنی کتاب ”قیام اللیل“ میں عظیم تابعی اور حلم و بردباری میں ضرب المثل سردار احنف بن قیس کا ایک عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ بیان کیا ہے جس سے اس آیت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور سلف کے زاویہٴ نگاہ اور تدبیر قرآن کے اسلوب پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت احنف بن قیس ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ انھیں یہ آیت سنائی دی:

﴿لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝﴾

”بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے، اس میں تمہارا ہی تذکرہ ہے،

کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟“ ﴿۱﴾

یہ آیت سن کر وہ چونک پڑے اور فرمایا: ذرا قرآن مجید لاؤ، میں اس میں اپنا تذکرہ تلاش کروں اور دیکھوں کہ میں کس درجے میں ہوں، کن لوگوں کے ساتھ ہوں اور مجھے کن سے مماثلت یا مشابہت ہے؟ قرآن مجید میں کچھ لوگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے:

﴿يَبِينُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾

”وہ (لوگ جو) اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کر کے رات گزارتے ہیں۔“ ﴿۲﴾

پھر انھوں نے قرآن میں ان لوگوں کا تذکرہ پڑھا جو راتوں کو اپنے بستروں سے الگ ہو کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی سامنے آئے جو راتوں کو تھوڑا سا سوتے ہیں اور سحری تک اپنے اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینے والوں اور کبیرہ گناہوں، فواحش و منکرات سے بچنے والوں کا تذکرہ پڑھ کر کہنے لگے: ”میرا تو ان لوگوں میں شمار نہیں ہے۔“

پھر ورق گردانی کی تو قرآن میں کلمے کا انکار اور تکبر کرنے والوں اور اللہ وحدہ لا شریک کے ذکر سے ناخوش اور بتوں کی یاد سے خوش ہونے والوں، بے نمازوں، کھانا نہ کھلانے والوں اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا ذکر پڑھ کر فرمانے لگے: ”اے اللہ! ان لوگوں سے تیری پناہ! میں ان لوگوں سے بری ہوں۔“

اب وہ اپنے تذکرے کی تلاش میں قرآن پڑھتے پڑھتے ان آیات پر رک گئے:

﴿وَاٰخِرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

”اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ملے جلے عمل کیے،

کچھ اچھے اور کچھ برے۔ امید ہے اللہ ان پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“ ❶

اس موقع پر ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا: ”ہاں! ہاں! بے شک یہی میرا تذکرہ ہے۔“ ❷

قرآن مجید ایک معجز (عاجز کر دینے والی) کتاب ہے:

قرآن کریم نے اپنے معجز ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ان لوگوں کو دعوتِ مقابلہ دی ہے جو اس کے کتابِ الہی ہونے کا انکار یا اس میں شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِّیْنَ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِسُیْلٍ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِسُیْلَہٗ وَلَوْ کَانَ بَعْضُہُمْ لِبَعْضٍ ظَہِیْرًا ۝﴾

”(اے نبی!) فرما دیجیے: اگر سارے انسان اور سارے جن مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تب بھی اس طرح کا نہیں لاسکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔“ ❸

پھر اس میں تخفیف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَفْتَرٰہُ ۚ قُلْ فَاتُّوْا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلَہٗ مُفْتَرِیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاَعْلَمُوْا اَنْہٗا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ﴾

”کیا وہ کہتے ہیں: اس نے قرآن گھڑ لیا ہے؟ فرما دیجیے: اگر تم سچے ہو تو دس سورتیں

❶ التوبة 102:9.

❷ تفصیل کے لیے دیکھیے مختصر قیام اللیل 64-66.

❸ بنی اسرائیل 88:17.

اس جیسی (گھڑی ہوئی) لے آؤ، اور اللہ کے سوا جن جن کو بلا سکتے ہو بلا لو، پھر اگر یہ تمہاری بات نہ مانیں تو یقین کر لو کہ یہ (قرآن) صرف اللہ کا علم لے کر اتر رہا ہے۔“^۱

مزید تخفیف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَكْبَرْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝﴾

”کیا یہ لوگ کہتے ہیں: اس نے اسے (یونہی) جھوٹا ٹوٹ بنا لیا ہے؟ فرمادیجئے: اگر تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلا لو۔“^۲

رسول اللہ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء اور رسل گزرے ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے معجزات سے نوازا تھا جو ان کی نبوت و رسالت کی دلیل بن سکتے تھے۔ چونکہ ان کی نبوت و رسالت ایک محدود وقت اور ایک مخصوص قوم کے لیے ہوتی تھی، اس لیے ان کے معجزات ان کے ہاتھوں ظاہر ہوتے اور ان کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے تھے۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت چونکہ عالمگیر اور دائمی ہے، یعنی جب تک یہ دنیا قائم ہے، آپ کی رسالت برقرار رہے گی، اس لیے آپ کو ایسا معجزہ دیا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيَ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيْهِ»

”ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا جس کی بنا پر لوگ ایمان لا سکتے تھے اور جو معجزہ مجھے دیا گیا ہے، وہ ایک ایسی وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف کی ہے۔“^۳

• ہود 11:13، 14۔ • یونس 10:38۔

• صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحي.....، حدیث: 4981۔

اس لیے جب آپ سے معجزات کا مطالبہ کیا گیا تو یہ ارشادِ باری تعالیٰ نازل ہوا:
 ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً
 وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝﴾

”کیا (یہ بطور نشانی) ان کے لیے کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر (کامل) کتاب اتاری
 ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے رحمت اور
 یاد دہانی (نصیحت) ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔“

اہل کتاب اور مشرکین کو قرآن کا مثل لانے کا چیلنج دیا گیا، پھر یہ چیلنج دس سورتوں تک محدود
 کر دیا، پھر صرف ایک ہی سورت کا مثیل لانے کا چیلنج دیا۔ حق یہ ہے کہ کوئی کلام یا کتاب قرآن
 یا اس کی کسی سورت کی مثل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اعجاز کے تمام پہلوؤں اور
 اس کی تمام خصوصیات کی حامل نہ ہو۔ قرآن صرف اپنے الفاظ و تراکیب، فصاحت و بلاغت ہی
 کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے بلکہ یہ جس طرح اپنے الفاظ و تراکیب اور فصاحت و بلاغت میں
 لاثانی، بے مثل اور معجزہ ہے، اسی طرح اپنے معانی و مضامین، اپنے بلند پایہ حقائق و معارف، اپنی
 غیبی معلومات، حقائق ابدی اور اپنی پیش کی ہوئی دینی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور مدنی و اجتماعی
 تعلیمات میں بھی سراسر معجزہ ہے حتیٰ کہ اپنے اثرات و نتائج، انقلاب انگیزی اور پیش گوئیوں میں
 بھی لا جواب ہے۔ اگر صرف الفاظ اور تراکیب میں، جو اس کے اعجاز کا محض ایک پہلو ہے، اس کا
 کوئی مقابلہ نہیں کر سکا تو اس کے اعجاز کے تمام پہلوؤں کا مقابلہ بھلا کس کے بس کی بات ہے!

اعجازِ قرآن کے چند گوشے:

(۱) قرآن مجید کا سب سے بڑا اور بنیادی اعجاز اس کا ایک مکمل دستورِ حیات اور نظامِ زندگی

پیش کرنا ہے۔ قرآن حکیم نے ایمان و عقائد، افکار و نظریات، اقتصاد و معیشت، امارت و مشاورت، نظامت و عدالت، معاشرت و معاملات، علم و عمل، غرضیکہ دین و دنیا کے ہر گوشے کے بارے میں ایسا آخری ہدایت نامہ اور نظامِ عمل پیش کیا ہے کہ اس سے زیادہ محکم و استوار، جامع، واضح اور نافع ہدایت نامہ دنیا میں آج تک پیش نہیں کیا جاسکا۔ اس سے پہلے کے ادیان اور الہامی کتب بھی چونکہ اپنے وقت کے ساتھ محدود و مخصوص تھیں، اس لیے وہ بھی اس کے مقابلے میں ناقص ہیں۔ اس نے انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی، جسمانی و روحانی، معاشی و معاشرتی، تہذیبی و تمدنی، عدالتی و تجارتی، سیاسی و عمرانی اور حکمرانی و فرمانروائی، غرض زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں ایسے احوال و کلیات پیش کیے ہیں کہ اب ان میں کسی قسم کی کمی بیشی، ترمیم و تنسیخ اور تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں بلکہ قرآن کے جملہ محاسن اور کمالات کا استقصا اور استیعاب بھی حد امکان سے باہر ہے۔

قرآن کے حقائق و معارف

قرآن کا دوسرا عظیم اعجازی پہلو اس کے بے پایاں علوم و معارف اور حقائق و دقائق ہیں۔ انسان کا علم جس قدر ترقی کرتا جائے گا اور اس کی آنکھوں سے جتنے پردے اُٹھتے جائیں گے، قرآنی علوم و معارف اسی قدر نکھر کر سامنے آتے جائیں گے۔ مشہور فرانسیسی محقق مورلیس بوکائے کی کتاب (The Bible, The Quran and Science) کے عنوان سے چھپی ہے۔ اس کا عربی ترجمہ دراسة الكتب المقدسة في ضوء المعارف الحديثة کے عنوان سے اور اردو ترجمہ ”بائبل، قرآن اور سائنس“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ محقق موصوف نے اس کتاب کے باب اول میں لکھا ہے: ”ان سائنسی خیالات نے، جو قرآن کے ساتھ زیادہ مماثلت رکھتے ہیں، مجھے ہکا بکا کر دیا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک ایسی تحریر میں، جو تیرہ صدیوں سے بھی پہلے

ظاہر ہوئی اور جس میں انتہائی مختلف النوع مضامین بیان ہوئے ہیں، میرے لیے یہ ممکن ہوگا کہ میں اس میں سے ایسے بیانات ڈھونڈ نکالوں گا جو جدید سائنسی معلومات سے کلی طور پر ہم آہنگ ہوں گے۔“ اور کتاب کے آخر میں لکھا ہے: ”حضرت محمد ﷺ کے زمانے کی معلومات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ناقابل تصور معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے بہت سے وہ بیانات جو سائنس سے متعلق ہیں، کسی بشر کا کلام ہو سکتے ہیں، لہذا یہ بات مکمل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو وحی آسمانی کا اظہار سمجھا جائے۔“

یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن مجید میں ان حقائق و اشیاء کا تذکرہ ہوا ہے جن کا تعلق تاریخ، جغرافیہ، طبیعیات، فلکیات، اجرام سماوی، علم الحیات، انسان کی تخلیق، اس کے جسم کی تکوین و ترکیب اور دوسرے ایسے علوم سے ہے جن کے بارے میں اس دورِ جدید میں حقائق و معارف کا نیا عالم منکشف ہوا ہے اور پرانے انسانی علوم کے زمین و آسمان بدل گئے ہیں، وہ قرآن کا اصل موضوع و مقصد نہیں ہیں۔ قرآن کا اصل مقصد انسان کو اللہ رب العزت کی بندگی کی دعوت دینا ہے، اس لیے قرآن مجید میں جدید علمی حقائق تلاش کرنا اور ان کو جدید تحقیقات اور نئے انکشافات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرنا ایک بالکل مختلف، نازک اور پرخطر کام ہے کیونکہ علم و تحقیق کے جو نتائج اس وقت ثابت شدہ حقائق نظر آتے ہیں، وہ آئندہ ادوار میں بدل سکتے ہیں یا ان کے ثبوت و قطعیت مشکوک و مجروح بھی ہو سکتے ہیں، اس لیے قرآنی حقائق و معارف کو کسی قدیم یا جدید نظریے سے تطبیق دینے کی ضرورت نہیں۔ علم و تحقیق کی تاریخ میں اس کا تجربہ کئی بار ہو چکا ہے کہ ایک دور کے مسلمات و حقائق دوسرے دور میں یکسر بدل گئے۔ کبھی زمین کو مرکز کائنات ٹھہرایا گیا اور کبھی آفتاب کو۔ زمین کبھی سطح ثابت ہوئی اور کبھی گول۔ سیاروں پر آبادی کبھی ناممکن قرار دی گئی اور کبھی ممکن۔ کبھی زمین متحرک ٹھہری اور کبھی ساکن، البتہ

۱۱ بائبل، قرآن اور سائنس: 192. ۱۲ بائبل، قرآن اور سائنس: 402.

یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ قرآن مجید میں ہرگز کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے خلاف واقعہ ثابت کیا جاسکے۔ قرآنی حقائق و معارف کی جدید سائنسی انکشافات سے تطبیق جدید علم و تحقیق سے مرعوبیت کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے۔

اعجازِ قرآن کا تیسرا پہلو

قرآن کریم کے بیان کردہ غیبی واقعات اس کے اعجاز کا تیسرا پہلو ہیں۔ قرآن مجید میں انبیائے سابقین اور گزشتہ ام کے بارے میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، وہ بجائے خود قرآن کا ایک مستقل معجزہ ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ان کی اطلاعات کا سرچشمہ اور ماخذ، علم الہی کے فیض اور وحی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تمام واقعات وحی الہی کا کرشمہ ہیں۔ اعجاز کے اس پہلو کی طرف قرآن مجید بار بار توجہ دلاتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے واقعات کی بعض جزئیات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ
أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝﴾

”یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اور آپ اس وقت ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے (کہ قرعہ ڈال کر فیصلہ کر لیں) کہ کون مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔“

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ

مِنْ قَبْلِ هَذَا ۝

”یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس (وحی) سے پہلے نہ آپ یہ خبریں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔“^۱

قرآن مجید نے کفار کے اس الزام کی، کہ یہ واقعات آپ کی پرانی یا قلمی یادداشت ہیں، تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَالُوا أَأَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝
قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا
رَحِيمًا ۝﴾

”اور وہ کہتے ہیں (یہ قرآن) اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو اس نے لکھوار کھے ہیں جو صبح و شام اس کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ فرما دیجیے: اسے (قرآن کو) اسی نے اتارا ہے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بڑا بخشنے والا، انتہائی مہربان ہے۔“^۲

سورہ عنکبوت میں آپ کی ان چیزوں سے بیگانگی اور آپ کی ناخواندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ آپ اس ماحول سے قطعاً نا آشنا اور علم کے سامان و لوازم سے بالکل بیگانہ تھے، اس لیے شکوک و شبہات کا اظہار کرنے والوں کے لیے آپ کے علم کے ماخذ و مصدر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُّهُ بِمَبِينِكَ إِذَا لَأَرْثَابَ
الْمُبْطِلُونَ ۝﴾

”اور آپ اس (قرآن) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ

سے لکھ سکتے تھے۔ (اگر ایسا ہوتا) تو یہ باطل پرست ضرور شبہ کرتے۔^{48:29}

اس لیے یہ دعویٰ اور خیال کہ قرآن مجید کے واقعات تورات و انجیل سے ماخوذ ہیں، بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہے۔ یہ دعویٰ کرنے والے کتب قدیمہ اور قرآن مجید دونوں سے نا آشنا ہیں۔ قرآن مجید اور تورات و انجیل دنیا میں موجود ہیں، ان کا آپس میں تقابل آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے جس کے نتیجے میں اصل حقیقت فوراً اُجاگر ہو سکتی ہے۔

مورس بوکائے نے بائبل اور قرآن کے بہت سے موضوعات کا تقابل کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے: ”قرآن اور بائبل میں بڑے اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات اس دعوے کو غلط ثابت کر دیتے ہیں جس میں بغیر کسی شہادت یا ثبوت کے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے قرآن کا متن پیش کرنے کے لیے بائبل کی نقل کر ڈالی۔“^{49:2}

قرآن مجید کا چوتھا اعجازی پہلو www.kitaboSunnat.com

کتاب الہی کی پیش گوئیاں قرآنی اعجاز کا چوتھا پہلو ہیں۔ معجزہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خرقی عادت طریقے پر محض قدرت ربانی سے کسی رسول کی تصدیق کے لیے ظاہر ہو اور انسانی عقل اس کی ظاہری توجیہ و تعلیل سے قاصر ہو۔ جن حالات میں یہ پیش گوئیاں کی گئی ہیں اور جس طرح ان کا ظہور ہوا ہے وہ ایک معجزہ ہے، ان میں اعجاز کے دو پہلو ہیں:

(1) بظاہر ناموافق حالات میں ان بعید از عقل اور اہم واقعات کی خبر و اطلاع۔

(2) اس اطلاع کے عین مطابق ان کا ظہور اور وقوع۔

❖ ان سب پیش گوئیوں میں سب سے زیادہ صاف اور محیر العقول پیش گوئی رومیوں کا غلبہ ہے جسے سورہ روم کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے۔

❖ العنکبوت 48:29

❖ بائبل، قرآن اور سائنس: 402.

❁ اسی طرح موحد اور مطیع مسلمانوں کی حکومت و خلافت کی پیش گوئی سورہ نور، آیت: 55: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ میں۔

❁ دین کے غلبے کی پیش گوئی سورہ توبہ، آیت: 32، 33، سورہ فتح، آیت: 28، سورہ صف، آیت: 9، 8 میں۔

❁ فتح مکہ کی پیش گوئی سورہ فتح، آیت: 1-3 اور سورہ صف، آیت 13 میں۔

❁ صلح حدیبیہ اور غنائم کے حصول کی پیش گوئی، سورہ فتح، آیت: 18-20، میں۔

❁ قرآن مجید کے جمع و اشاعت اور تبیین کی پیش گوئی سورہ قیامہ میں۔

❁ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے قرب اور اشاعت اسلام کی پیش گوئی سورہ نصر میں کی گئی ہے۔

❁ اسی طرح اور بھی پیش گوئیاں ہیں جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔

قرآنی ہدایت کا انقلابی پہلو

رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید اور اس کی عملی تفسیر، یعنی اپنی سیرت مقدسہ اور کردار و اخلاق [كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ] ”آپ کا اخلاق قرآن ہی ہے۔“ کے ذریعے سے جو دینی، فکری، اعتقادی، روحانی، اخلاقی، نفسیاتی، معاشرتی، اجتماعی اور سیاسی انقلاب برپا فرمایا، پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہ پہلے ملتی ہے، نہ آپ کے بعد۔ یہ قرآن کا ایک معجزہ ہے۔ اس انقلاب کے زیر اثر جو افراد اور جماعتیں وجود میں آئیں ان میں سے ہر جلیل القدر صحابی خصوصاً عشرہ مبشرہ، حضرت ابو ہریرہ، عبادلہ اربعہ (عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) وغیرہ میں سے ہر ایک انفرادی طور پر بجائے خود علوم دین کا مستقل سرچشمہ ہے۔ انسانی تاریخ میں کسی وقت کسی جگہ اور کسی گروہ میں اتنے قلیل عرصے میں اس قدر وسیع انقلاب کا

مشاہدہ نہیں ہو سکا۔ اس میں اعجاز کا پہلو یہ ہے کہ یہ ہمہ گیر انقلاب ان تمام وسائل و ذرائع کے بغیر رونما ہوا جن سے دنیا آشنا ہے۔ قرآن مجید نے اعجاز کے اس پہلو کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ان میں بے مثل قلبی مؤدّت و محبت اور وحدت و یگانگت پیدا کی، اسی کے متعلق فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنُصْرِهِ وَإِلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ط لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ ط إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝﴾

”وہی تو ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنوں کے ذریعے سے آپ کو قوت بہم پہنچائی اور مسلمانوں کے دلوں کو جوڑ دیا (ان میں الفت پیدا کر دی) اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے تھے۔ لیکن اللہ نے ان کے مابین الفت پیدا کر دی۔ بلاشبہ وہ غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔“^۱

زمانہ جاہلیت اور دور اسلام کا فرق نمایاں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ كَرَّوْا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً ۖ فَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾

”اور تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت (احسان) کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔“^۲

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت

عرب قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے۔ یہ علم وفن سے کورے، ان پڑھ لوگ تھے مگر

۱. الأنفال 63، 62: 8. ۲. آل عمران 103: 3.

فصاحت و بلاغت ان کا پیدائشی وصف اور کمال تھا جس میں وہ اپنے آپ کو ساری دنیا سے ممتاز سمجھتے تھے بلکہ دوسروں کو اپنے مقابلے میں عجی (گوئے) قرار دیتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کو مقابلے کا چیلنج دیا۔ اگر قرآن کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ باصلاحیت عرب ہی تھے۔ عرب سرداروں نے قرآن اور صاحب قرآن کو مغلوب کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ وہ مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سمیت ہر متاع پر حملہ آور ہوئے لیکن یہ جرأت نہ کر سکے کہ قرآن کے مقابلے میں کوئی کلام پیش کریں۔ اس کے برعکس تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی خصوصی نجی مجالس و محافل میں اس کے بے مثل ہونے کا خود اعتراف کیا۔ ولید بن مغیرہ بن مخزوم کا ایک فرد تھا۔ اس نے کہا:

وَاللّٰہِ ! اِنَّ لِقَوْلِیْہِ حَلَاوَةً وَّ اِنَّ عَلَیْہِ لَطَلَاوَةً

”اللہ کی قسم! اس کے قول میں بڑی شیرینی اور بڑی رونق و شادابی ہے۔“

ایام حج کے موقع پر اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا: ایام حج میں عرب کے مختلف وفود آئیں گے، اس لیے محمد کے بارے میں کوئی مناسب بات طے کر لو، پھر تم میں سے کوئی اس بات کی مخالفت نہ کرے۔ لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کہیں، یہ کاہن ہے، یہ مجنون ہے، یہ شاعر ہے، یہ جادوگر ہے۔ مغیرہ نے ہر بات کو رد کر دیا۔ جب کوئی بات قابل قبول نہ ٹھہری تو لوگوں نے مغیرہ سے کہا: تم ہی کوئی بات بتا دو تو اس نے عاجز آ کر کہا: ”بس یہی کہو کہ وہ جادوگر ہے کیونکہ اس نے ایسا کلام پیش کیا ہے جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر بیوی غرضیکہ خاندان بھر میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔“^①

اس قسم کے واقعات عتبہ بن ربیعہ، نضر بن حارث وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔ مزید برآں

① المستدرک للحاکم، التفسیر، سورة المدثر: 507/2، حدیث: 3872 اور تفصیل کے لیے دیکھیے

السيرة النبوية لابن هشام: 271، 270/1.

اس چیلنج میں اعجاز کا ایک پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ پیش گوئی بھی موجود ہے کہ وہ قرآن کا یہ چیلنج قبول نہیں کر سکتے اور باہم مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جیسے سورہ بقرہ میں فرمایا:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۚ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَكِنْ تَفْعَلُوا فَأْزَنُوا النَّارَ﴾

”اور اگر تمہیں اس کلام کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو اس کی ہم پہلے ایک سورت ہی بنالاء، اور اللہ کے سوا جتنے تمہارے حمایتی ہیں ان کو بھی بلا لؤ اگر تم سچے ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور کر بھی نہ سکو گے تو تم آگ سے بچو۔“

اس چیلنج کے قبول کرنے کے محرکات اور دواعی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں لیکن آج تک کوئی شخص، کوئی گروہ اور کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکی اور نہ آئندہ کر سکے گی۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت کا اعجاز الفاظ، تراکیب، اسلوب، نظم، قصص اور امثال ہر اعتبار سے درخشاں ہے۔

حفاظتِ قرآن

قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے اور کتابیں ہمیشہ تحریف و تغیر کا نشانہ اور تلف و تباہی کا ہدف بنتے رہے کیونکہ وہ ایک خاص اور محدود مدت کے لیے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ و بقا کی ذمہ داری خود نہیں اٹھائی، اور یہ تاریخی طور پر ثابت شدہ ایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان لوگوں نے بھی کیا ہے جن کے پاس وہ صحیفے اور کتابیں آئی تھیں۔ عہد عتیق

البقرة: 23، 24.

تفصیل کے لیے دیکھیے التحریر والتبوير المعروف بتفسير ابن عاشور، المقدمة العاشرة في إعجاز القرآن.

(تورات) کے صحیفے برابر غارت گری اور آتش زدگی کا نشانہ بنتے رہے۔ یہودی مؤرخین کے اعتراف کے مطابق تخریب و تحریف کا یہ کام تین دفعہ ہوا:

(1) پہلی دفعہ جب بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ریاست یہودیہ پر 586 ق م میں حملہ کیا۔ بیت المقدس کو آگ لگا دی جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے تورات کی تختیاں اور آل موسیٰ و آل ہارون کے تبرکات محفوظ کر رکھے تھے۔ بعد میں انھیں حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے حافظے کی مدد سے دوبارہ لکھوایا، پھر ان میں اضافے ہوتے رہے۔

(2) دوسری دفعہ انطاکیہ کے بادشاہ انطوکوس (Antiochus iv) چہارم نے بیت المقدس پر 168 ق م میں حملہ کیا اور صحیفہ مقدسہ کو جلا دیا۔

(3) تیسری دفعہ رومن سپہ سالار ٹائٹس (Titus) نے بیت المقدس پر 70 ق م میں حملہ کیا اور اس کو ہیکل سلیمانی سمیت برباد کر ڈالا۔

عہد نامہ جدید (انجیل) کا معاملہ عہد عتیق سے بھی گزرا ہے۔ یہ انجیلیں مذہبی کونسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر و تبدل اور اصلاح و ترمیم کا نشانہ بنتی رہیں۔ یوں یہ آسانی کتابیں وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر و سوانح اور واقعات و حکایات کا مجموعہ بن گئی ہیں۔^① لیکن عہد قدیم اور عہد جدید (بائبل، کتاب مقدس) کی کتابوں کے برعکس قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے، اس کی حفاظت اور اسے ہر قسم کی تحریف و ترمیم اور کمی و بیشی سے پاک رکھنے کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

”ہم ہی نے ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“^②

① تفصیل کے لیے دیکھیے ”مختصر اظہار الحق“ کا ترجمہ از شیخ صفی الرحمن مبارکپوری، پہلا باب اور ”بائبل، قرآن اور سائنس“ کے بائبل سے متعلقہ ابواب۔ ② الححر 9:15.

نیز فرمایا: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط﴾

”باطل (جھوٹ) کا اس میں دخل ہی نہیں، نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔“

ان آیات میں یہ پیش گوئی کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم، اپنی اصل شکل میں ہمیشہ محفوظ رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹانے یا اس میں تحریف و ترمیم کرنے کی مذموم کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن کریم میں آج تک ایک نقطے کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ قرآن میں قلم لگانے اور کسی بھی نوعیت کا رد و بدل کرنے کی جس نے بھی جسارت کی، وہ بری طرح ناکام ہو گیا۔ آج بھی یہودی اور عیسائی اس ناپاک مقصد کے لیے سرگرداں ہیں لیکن نام نہاد سپر طاقت کی پشت پناہی کے باوجود منہ کی کھار ہے ہیں۔ ”حفاظت“ بہت وسیع المعنی لفظ ہے۔ اس میں قرآن مجید کے حفظ و بقا، نشر و اشاعت، قراءت و تلاوت اور اس کے معانی و مطاب، سب کی حفاظت کی ابدی ضمانت مضمر ہے۔

قرآن کا سرچشمہ

قرآن مجید کی مذکورہ بالا خصوصیات اور امتیازات اس بنا پر ہیں کہ اس کا سرچشمہ اور ماخذ علم الہی ہے اور اس کے نزول کا واسطہ و ذریعہ وحی ہے اور یہ وہ سرچشمہ ہے جو ہر قسم کے عیب و نقص، شک و شبہ، ریب و ارتباب، ظن و تخمین اور تعارض و اختلاف سے یکسر پاک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور ابدی ہے اور وہ خالق کائنات ہونے کے اعتبار سے انسان اور اس کی فطرت کا خالق ہے اور انسان کی ہر قسم کی ضروریات اور اس کے مسائل و مشکلات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝﴾

” (بھلا) جس نے پیدا کیا اسے معلوم نہیں، وہ تو از حد باریک بین اور بڑا باخبر ہے۔“ ❶

اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر حاوی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝﴾

” (اس نے) ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔“ ❷

اور فرمایا: ﴿لَا يَصِلُ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ۝﴾

”میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔“ ❸

اور فرمایا: ﴿عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۝﴾

”وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔“ ❹

﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾

”آسمانوں میں اور زمین میں ذرہ برابر کوئی چیز بھی اس سے چھپی نہیں رہ سکتی۔“ ❺

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے علم سے ماخوذ ہے، اس لیے وہ اس کی خصوصیات کا حامل اور اس کی صفات کا مظہر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝﴾

”اور ہم نے ان کے سامنے ایسی کتاب پیش کی ہے جسے ہم نے اپنے علم و آگہی سے

تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔“ ❻

انسانوں تک قرآن پہنچنے کا واسطہ:

انسانوں تک قرآن مجید بلا واسطہ نہیں پہنچا، اس لیے کہ ہر انسان اس کے تحمل اور قبول کی

صلاحیت و استعداد سے بہرہ مند نہیں ہے۔

❶ الملک 14:67. ❷ طہ 98:20. ❸ طہ 52:20.

❹ الحشر 22:59. ❺ سبا 3:34. ❻ الأعراف 52:7.

جیسا کہ فرمایا:

﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾

”اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کسے سوئے۔“^{۱۷}

بسا اوقات یہ صورت پیش آتی ہے کہ کسی علم و اطلاع کا اصل منبع اور سرچشمہ تو پورے طور پر صاف اور محفوظ ہوتا ہے لیکن دوسروں تک پہنچنے کا وسیلہ قابل وثوق اور لائق اعتماد نہیں ہوتا۔ اپنے اصل سرچشمے سے چیز صحیح اور محفوظ روانہ ہوتی ہے لیکن اپنے منتہی تک پہنچتے پہنچتے اس میں تبدل و تغیر ہو جاتا ہے۔

لیکن رسول اکرم ﷺ تک قرآن مجید پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ وحی الہی ہے۔ فرمان باری ہے:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ عَلَّمَكَ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝﴾

”وہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے، اسے ایک بڑی قوتوں والی شخصیت (جبریل) نے سکھایا ہے۔“^{۱۸}

نیز فرمایا:

﴿ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝﴾

”وہ بڑی قوت والا اور صاحب عرش کے ہاں بڑا درجہ رکھنے والا ہے۔ وہاں اس کا کہا مانا جاتا ہے اور وہ قابل اعتماد ہے۔“^{۱۹}

اور اس کی قراءت اور بیان کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجْعَلَ فِيهِ ۚ إِنَّ عَلَيْنَا جُمُعَةً وَقُرْآنَهُ ۝﴾

”اس (وحی) کو لینے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تا کہ آپ اسے جلد از جلد لے سکیں بلکہ اسے (آپ کے سینے میں) جمع کرنا اور آپ کو پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔“^{۲۰}

• الأنعام 124:6. • النعم 5:4, 53. • التکویر 21, 20:81. • القيمة 17, 16:75.

اس لیے انسانوں تک پہنچانے والا رسول بھی اسے تبدیل نہیں کر سکتا، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تَلْقَائِي لِنَفْسِي ۚ إِنْ أَتَّبِعْ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾

”فرمادیجیے: میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں۔ میں تو بس جو چیز میری طرف وحی کی جاتی ہے اُسی کی پیروی کرتا ہوں۔“

نزولِ قرآن کے مقاصد

جب اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو آباد کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس میں حضرت آدم و حوا علیہ السلام کو بھیجا تو فرمایا:

﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى ۖ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ۚ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا﴾

”تم دونوں اکٹھے (آدم و ابلیس) یہاں سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ راہِ راست سے پھرے گا نہ ناکام ہوگا (نہ شقاوت و بدبختی کا شکار ہوگا) اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا، اس کی گزر بسر تنگ ہوگی۔“

اس وعدۃ الہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے دینِ اسلام کو ضابطہٗ حیات اور دستورِ زندگی بنا کر بھیجنے کا آغاز فرمایا۔ اور اس ضابطہٗ حیات اور دستورِ زندگی کی تکمیل اپنے آخری صحیفہٗ ہدایت کے ذریعے سے کر دی جو خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے سے انسانوں تک پہنچا اور جو انسانوں کے لیے برہان، نور، موعظہ، شفاء، ہدایت اور رحمت ہے

بشرطیکہ وہ اس صحیفہ ہدایت کو اپنا دستور العمل بنالیں اور اپنی پوری زندگی کا ہر ہر گوشہ اس کے مطابق سنوار لیں جیسا کہ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۝
فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ
وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝﴾

”اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے آقا و مالک کی طرف سے ایک کھلی دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف واضح روشنی اتاری ہے، چنانچہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس (برہان و نور) کو مغبوطی سے تھام لیا تو اللہ انہیں اپنی رحمت سے سرفراز فرمائے گا اور اپنے فضل سے نوازے گا اور انہیں اپنی طرف پہنچنے کی سیدھی راہ پر چلائے گا۔“^۱

نیز فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ
وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

”اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے آقا و مالک کی طرف سے (قرآن کی) نصیحت آگئی ہے اور یہ (ان بیماریوں کے لیے) شفا ہے جو سینوں میں ہیں اور مومنوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔“^۲

نیز فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ الَّذِيْنَ آمَنُوا هُدًى وَ شِفَاءٌ ط﴾

”فرمادیجیے! یہ (کتاب) ان لوگوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے جو ایمان والے ہیں۔“^۳

انسان کی حقیقی زندگی اور شفا و تندرستی کا انحصار دل پر ہے کیونکہ

۱ النساء 4: 175، 10: 57، ۲ یونس 10: 57، ۳ حم السجدة 41: 44.

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْلَىٰ الْأَبْصَارَ وَلَكِنْ تَعْلَىٰ الْقُلُوبِ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝﴾

”تو حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں۔“^①

اور یہ وحی الہی جو قرآن کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے، آدمی کی روح اور زندگی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»

”خبردار! بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ صحیح اور صالح ہوتا ہے تو تمام بدن (کافعل) صالح اور درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگاڑ اور فساد سے دوچار ہوتا ہے تو سارا بدن بگاڑ کا شکار ہوتا ہے۔ خبردار! وہ ٹکڑا دل ہے۔“^②

کسی شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دل کے بگاڑ ہی سے بگڑتا ہے آدمی

جس نے اسے سنبھال لیا وہ سنبھل گیا

قرآن دل کی روح اور اصلاح قلب کا موثر ترین عامل ہے۔ جب دل زندہ و بیدار ہو جاتا ہے تو انسانی زندگی کے تمام گوشے قرآنی ہدایت کے نور سے منور ہو جاتے ہیں۔ اور انسان اللہ کے فضل و رحمت کا حقدار بن جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ

① الحج 46:22

② صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، حديث: 52، وصحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، حديث: 1599.

لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط

”اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح (قرآن) کی وحی کی۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب (قانون و شریعت) کیا ہے اور ایمان (کی حقیقت و تفصیلات) کیا ہیں لیکن ہم نے اس (وحی و روح) کو نور بنادیا۔ ہم اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں جسے چاہتے ہیں سیدھی راہ پر گامزن کر دیتے ہیں۔ اور بلاشبہ آپ سیدھی راہ دکھاتے ہیں۔ اللہ کی راہ جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔“

اور یہ قرآن ہی اس راہ کی دعوت دیتا ہے اور اسے بیان کرتا ہے جو تمام راہوں سے زیادہ سیدھی، سچی اور سدھار کا باعث ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾

”بلاشبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔“

قرآن مجید کی تفہیم کیونکر؟

قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے قیامت تک آخری صحیفہ ہدایت ہے جو ایسا دستور زندگی اور لائحہ عمل پیش کرتا ہے جسے اپنانے اور نظام حیات بنانے میں انسانوں کی دنیوی و اخروی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اس کے بغیر دنیا امن و سکون کا گہوارہ نہیں بن سکتی، نہ وہ حقیقی اور ابدی زندگی جو موت کے بعد حاصل ہوگی خوش بختی سے ہمکنار ہو سکتی ہے، اس لیے اس کا سمجھنا بے حد ضروری ہے تاکہ ہم اس کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ قرآن کے علم و فہم کے بغیر اس پر عمل ممکن نہیں ہے اور عمل کے بغیر قرآن کے برکات و ثمرات سے فیض یاب ہونے کی تمنا کرنا

دیوانے کا خواب ہے۔

آج کل کا انسان قرآن مجید کے فہم و علم اور اس پر عمل کرنے کا جس قدر محتاج ہے وہ محتاج وضاحت نہیں۔ قرآن کریم کا فہم و علم حاصل کر کے اور اس پر عمل پیرا ہو کر ہمارے اسلاف صحابہ اور تابعین نے جس قدر عروج و ترقی حاصل کر لی تھی اس کی تاریخِ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی، اسی لیے قرآن مجید بار بار غور و فکر اور تدبر و عقل کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝﴾

”یہ ایک عظیم بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر سوچ بچار کریں اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔“^①

نیز فرمایا: ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝﴾

”کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں؟“^②

مزید فرمایا: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝﴾

”بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں اتارا ہے تاکہ تم اسے سمجھو۔“^③

نیز فرمان ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝﴾

”اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) اتارا ہے تاکہ لوگوں کے لیے جو کچھ اتارا ہے

آپ اسے ان کے سامنے کھول کر بیان کر دیں اور وہ (خود بھی) اس پر غور و فکر کریں۔“^④

قرآن بلکہ کسی بھی کلام میں تدبر و تفکر اس کے معانی و مطالب سمجھ بغیر ممکن نہیں اور قرآن مجید، چونکہ ایک ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہے، اس لیے اس کا فہم اور تدبر و تفکر اس کے نزول کے ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ اور رسول اکرم ﷺ کا فریضہ منصبی یہی تھا کہ وہ تلاوت آیات کے ساتھ

ساتھ کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور کتاب و حکمت کی روشنی میں عقائد، اعمال اور اخلاق کی تطہیر و تزکیہ فرمائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ﴾

”وہ (اللہ، ملک، قدوس، عزیز اور حکیم ہی) ہے جس نے (اپنی ان صفات کے اظہار کے لیے) امیوں میں، انھی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے، انھیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔“^①

صحابہ کرام اہل زبان تھے، ان کے سامنے قرآن اتر رہا تھا لیکن اس کے باوجود آپ ان کو پڑھ کر سنا تے، اس کے معانی و مطالب اور حقائق و معارف سکھاتے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ سمجھاتے تھے اور فرمان الہی: ﴿لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾^② کے امتثال میں اس کی علمی و عملی توضیح و تبیین فرماتے تھے۔

امام ابو عبد الرحمن سلمی بیان کرتے ہیں: ہمیں قرآن کی تعلیم دینے والے صحابہ کرام، حضرت عثمان بن عفان اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بتایا کہ جب وہ دس آیات سیکھ لیتے تھے تو اس وقت تک ان سے آگے نہ بڑھتے جب تک کہ ان آیات کے علم و عمل کو نہ سیکھ لیتے۔ انھوں نے کہا: اسی طرح ہم نے پڑھا اور علم و عمل سیکھا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تھا تو وہ ہماری نظروں میں جلیل القدر آدمی ٹھہرتا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے صرف سورہ بقرہ کے حفظ کرنے پر آٹھ برس صرف کر دیے تھے۔^③ ظاہر ہے یہ آٹھ برس محض الفاظ یاد کرنے پر صرف نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ قرآن کی حکمت

① الجمعۃ 2:62. ② النحل 44:16. ③ مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ: 331/13.

اس کے حقائق و معارف جاننے اور ان پر عمل پیرا ہونے پر صرف ہوئے تھے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر قرآن اتارا، آپ کی زبان پر اسے جاری کیا اور پڑھایا اور اس کے معانی و مطالب کی تعلیم دی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝﴾

”اس کا بیان اور توضیح بھی ہمارے ذمے ہے۔“

اسی لیے آپ پر حکمت اتاری، تنہا قرآن نہیں اتارا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَيْكَ مَا لَمْ تُكُنْ تُعَلِّمُ ۝﴾

”اور آپ پر اللہ نے کتاب و حکمت اتاری اور آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں

جانتے تھے۔“

اسی طرح صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن پڑھنا، اس کے معانی و مطالب سمجھنا اور اس پر عمل کرنا سیکھا اور ان تینوں چیزوں کی تعلیم اپنے تلامذہ تابعین عظام کو دی۔ علم و عمل اور تعلیم و تعلم کی یہ روایت تابعین سے تبع تابعین تک پہنچی۔ یوں یہ سلسلہ قرناً بعد قرن اور نسلاً بعد نسل آج تک قائم ہے اور جب تک سورج چمکے گا اور انسان کتم عدم کے پردے سے بساط ہستی پر جلوہ گر ہوتے رہیں گے، قرآن کریم کی تعلیم و تفہیم کا مقدس سلسلہ اسی طرح جاری و ساری رہے گا۔ فی الجملہ قرآن اپنی یگانہ عظمت و معجزات کے ثبوت کے لیے کسی کی گواہی کا محتاج نہیں لیکن انسان اپنے شرف کے حصول کے لیے قرآن کے مطالعے کا ہمیشہ محتاج رہے گا۔

حافظ عبدالعزیز علوی

(شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ۔ فیصل آباد)

رجب 1427ھ / اگست 2006ء

مقدمہ

وہ کتاب، جو ہر شک و شبہ سے بالا اور ہر نقص سے پاک ہے، قرآن عظیم ہے۔ یہ کتاب مقدس امت اسلامیہ کی روح ہے، اسی میں امت کی زندگی، عزت اور سرفرازی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا
الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾

”اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک روح (قرآن) کی وحی کی۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا، ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے ذریعے سے ہدایت دیتے ہیں۔“^۱

پس قرآن عظیم وہ روح ہے جو زندگی کی لہر پیدا کرتی اور دلوں کو بیدار اور متحرک کرتی ہے۔ یہ کوئی مفروضہ نہیں، ایک حقیقت واقعی ہے جس کا دنیا مشاہدہ کر چکی ہے، جبکہ قرآن کے بغیر امت اسلامیہ محض جسد بے روح ہے جس میں حرکت ہے نہ حرارت، کوئی وزن ہے نہ وقار!

عظمتِ قرآن

قرآن عظیم کے نزول سے کرۂ ارض پر ایک ایسا عظیم الشان انقلاب برپا ہوا کہ کاروانِ زندگی کے قدم ہدایت و سعادت کی راہ پر چل پڑے اور نفوسِ انسانی میں ایسی حرکت پیدا ہوئی کہ انھوں نے اللہ کی پکار پر لبیک کہا، تو اللہ نے ان کے اندر زندگی کی برقی روح پھونک دی اور انھیں عالمگیر انسانیت کے لیے مینارۂ نور بنادیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَتَّبِعُهُ فِي الْغَايِبِ ۖ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ فِي الْأُولَىٰ ۚ وَكَانَ فِي الْبَاطِنِ ۚ﴾
﴿مَثَلُ الْفَخْرِ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا﴾

”کیا ایک ایسا شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا، اور اس کے لیے ایک نور بنادیا کہ اس کی روشنی میں وہ لوگوں کے درمیان (بے کھٹکے) چلتا پھرتا ہے، بھلا اس آدمی جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے اور ان سے باہر نکلنے والا نہیں؟“^۱

یوں قرآن کریم رہتی دنیا تک بنی نوعِ انسان کے لیے روشنی اور رہبری کا ایک ایسا لازوال سرچشمہ ہے جس کے خاتمے کی کوئی جسارت نہیں کر سکتا۔ قرآن عظیم نورِ ہدایت کا ایک آفتاب ہے جسے جبریل امین علیہ السلام آسمان سے زمین پر لے کر آئے اور مخلوقات کے سردار، اشرف الرسل، خاتم النبیین محمد ﷺ کے سپرد کیا۔ آپ ﷺ نے اسے لوگوں تک پہنچایا اور اس کی ہمہ گیر مثالی تعلیمات عام کر دیں جس کے نتیجے میں ایسی درخشاں تہذیب وجود میں آئی جس پر تاریخِ انسانیت ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔

بظاہر یہ کہنے کو الفاظ و معانی کا مجموعہ ہے لیکن درحقیقت اس کی قوت بحرِ زخار کی موجوں کی

طرح بے پایاں ہے اور اس کے حروف حیاتِ آخرت کی خبر دیتے ہیں، اس کے وعدہ ہائے بشارت سے چہروں پر تازگی آ جاتی ہے اور اس کی وعیدوں سے زبانیں لڑکھڑا جاتی ہیں اور دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّذِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۚ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝﴾

”بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور ان مومنوں کو، جو نیک کام کرتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ یقیناً ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔“^①

قرآن عظیم ہمیشہ زندہ رہنے والا معجزہ ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول عظیم ﷺ کی صداقت کے ذریعے سے بالیدگی بخشی اور اسے جیتا جاگتا اور بولتا ہوا ناصح بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج دیا ہے کہ وہ قرآن جیسا کلام بنا کر دکھائیں لیکن کسی نے یہ چیلنج قبول نہیں کیا، بلکہ سب نے اپنی عاجزی اور در ماندگی کا برملا اظہار و اعتراف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے مقابلے میں ان کی بے بسی کو اس طرح بیان فرمایا:

﴿قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝﴾

”(اے پیغمبر!) اعلان کر دیجیے: اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو کبھی اس کی مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔“^②

① بنی اسرائیل 9: 10-17

② بنی اسرائیل 17: 88

پورا عالم قرآن کریم کی روشنی کا محتاج ہے تاکہ انسان کی اس عزت و کرامت کا تحفظ کیا جائے جو آج طاغوتی قوتوں کے ہاتھوں دنیائے انسانیت کی ارزاں ترین چیز بن گئی ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی دنیا قرآن کی محتاج ہے تاکہ یہ کتاب مقدس انسانوں کے باہمی معاملات طے کرنے میں حق و انصاف کی بنیاد بن جائے۔ خود مسلمان اس زمانے میں قرآن کریم کی رہنمائی کے کس قدر محتاج ہیں، اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ان کو آج جن مسائل و قضایا سے سابقہ پڑا ہے اور جس عالمگیر آشوب اور آزمائش سے وہ دوچار ہیں اس کا کامیاب مقابلہ وہ قرآن عظیم ہی کے ذریعے سے کر سکتے ہیں، اسی کے ذریعے سے وہ باہمی روابط و تعلقات کو مضبوط، اس کے احکام کو اپنی زندگی میں نافذ، اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد اور اپنے دنیوی معاملات کی اصلاح کر سکتے اور اسی کی بدولت اپنی آخرت سنوار سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے لیے جو سنت ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ قرآن کریم کی پیروی ہی ان کی نجات کا واحد ذریعہ بنے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَأَمَّا يَا تَبِيتُكُمْ مِثْلِي هُدًى ۖ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْلَى ۝﴾

”پھر جب تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے، تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا، اور جس نے میری یاد سے منہ موڑا، بلاشبہ اس کی زندگی تنگ ہوگی، اور روز قیامت ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔“

وہ خوش قسمت شخص جو علوم قرآن کی سند حاصل کرتا ہے اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم و تدریس اور اس کے اسرار و معانی کی معرفت حاصل کرنے پر بھرپور توجہ

دے تاکہ وہ اس قابل ہو جائے کہ اس پر قرآن کی عظمت و معنویت کے خزانے کھل جائیں، اس کے فضائل اور اس کے اعجاز کے دلائل و براہین اس پر واضح ہو جائیں۔ بالخصوص جب کوئی خود کو قرآن کریم پر غور و خوض کے لیے وقف کر دے تو ضروری ہے کہ تدریسی اسلوب میں بحث و مذاکرہ کیا جائے، اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر امت کے مقام و مرتبے کا تعین کتاب الہی یا رسول مرسل ہی کے شرف کے مطابق کیا جاتا ہے اور جب دو شرف (کتاب الہی اور پیغمبر اعظم ﷺ) جمع ہو جائیں تو پھر کیا کہنے، اس لیے قرآن پر غور و خوض بھی لازمی ہے اور پیغمبر کا اتباع بھی فرض عین ہے۔

عظمت قرآن کا موضوع اختیار کرنے کے اسباب

یہ موضوع اختیار کرنے کے کئی اسباب و امور میرے پیش نظر تھے۔ ان میں سے اہم امور

یہ ہیں:

✽ اللہ کی کتاب کی خدمت اور اس کی خیر خواہی، تاکہ اس کی عظمت و جلالت کی وجوہ پوری طرح آشکار ہو جائیں، اس کے خزانے ظاہر ہوں اور اس کے احکام واضح ہو جائیں۔ اس خدمت کے ذریعے سے شاید میں ان لوگوں کے لیے کچھ پیش رفت کا باعث بن سکوں جو قرآن سے متعلقہ علوم کے کسی نہ کسی شعبے میں کام کر رہے ہیں۔

✽ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کا بیان جو اس نے نبی ﷺ اور آپ کی امت پر کیا کہ انھیں اس کتاب مقدس (قرآن کریم) کے ساتھ خصوصیت سے نوازا جو تمام آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ عظمت و فضیلت والی ہے۔

✽ مسلمانوں کو غفلت سے بیدار کر کے ان میں قرآن کریم کی عظمت و جلالت کا شعور اجاگر کرنا تاکہ وہ اس کے دامن سے وابستہ ہو جائیں اور اس کے سیکھے سکھانے، اس کی تلاوت و حفظ، اس پر تدبر کرنے اور اس پر عمل کرنے میں پورے انہماک سے مصروف ہو جائیں۔

✽ اس بات کا گہرا یقین کہ اس موضوع کا حق ادا نہیں کیا گیا اور خاص طور پر ایسے بحث و مذاکرے کا اہتمام نہیں کیا گیا جو اس کے متفرق امور اور جزئیات کا احاطہ کر کے انھیں اپنے دامن میں سمیٹ لے۔

✽ عصر حاضر کی بہت بڑی اکثریت کا قرآن کی تعلیمات سے بے بہرہ ہونا، جن کے شب و روز اس انداز سے بسر ہو رہے ہیں کہ وہ لوگ عظمتِ قرآن کے احساس سے بہت دور ہیں، چنانچہ وہ قرآنی تعلیمات کے سب سے زیادہ محتاج ہیں تاکہ قرآن انھیں گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے اجالے میں لے آئے۔

✽ دشمنانِ قرآن کی ان گمراہ کن کوششوں کا جائزہ لینا جو اپنی دجل و تحریف سے معمور کتابوں اور ذرائعِ ابلاغ کی جدید فنی تکنیک کی مدد سے اپنے عقائدِ باطلہ، اخلاقِ فاسدہ اور اپنے ظالمانہ قوانین کو زیادہ سے زیادہ دلفریب اور پرکشش بنا کر پیش کر رہے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کی دولتِ ایمان کو غارت کرنے کے درپے ہیں۔

✽ اس کج فکری اور کوتاہ فہمی کی تصحیح جو قرآن کریم اور اس کی عظمت کے شایانِ شان نہیں، مزید برآں آیاتِ قرآنی اور احادیث و آثار کے فہم و ادراک میں غلطیوں کی نشان دہی کرنا ہے۔

طریقہ بحث

میں نے اس بحث میں جو طریق کار اختیار کیا ہے، اس کی وضاحت ضروری ہے تاکہ قارئینِ کرام کو اس کے مباحث سمجھنے میں آسانی ہو، اور وہ حسبِ ذیل ہے:

✽ قرآن کریم کی عظمت سے متعلقہ جس قدر مواد ہے، خواہ وہ قرآنی آیات کی شکل میں ہے یا احادیث و آثار کی صورت میں، یا اہل علم کے اقوال ہوں، میں نے ان سب سے حسبِ استطاعت بھرپور استفادہ کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ ان میں سے کوئی اہم بات اور

ضروری پہلو شامل ہونے سے رہ نہ جائے۔

جتنے بھی قدیم مصادر و مراجع ہیں، ان سے براہ راست استفادہ کیا ہے۔ جہاں قدیم مصادر سے حصول مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی وہاں جدید مصادر سے مدد لی گئی ہے، مزید برآں مصادر جدیدہ کا دائرہ ہم عصر علمی رسائل و مجلات، علمی مذاکروں اور کانفرنسوں تک وسیع کر دیا ہے۔ یوں ان ذرائع سے میسر آنے والی ہر علمی متاع سے استفادہ کیا ہے۔

قرآنی آیات کا مکمل حوالہ درج کیا ہے، یعنی سورت کا نام، پھر اس کا نمبر اور پھر آیت کا نمبر۔ احادیث و آثار کی تخریج اور اصل کتب حدیث کے حوالے کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ حتی الامکان صحیح اور حسن ہونے کے اعتبار سے حدیث کے اس درجے کی وضاحت کی ہے جو اہل علم نے متعین کیا ہے، تاہم درجہ صحت کی وضاحت صرف ان احادیث کے بارے میں کی ہے جو صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں شامل ہیں کیونکہ صحیحین کی بابت تو اتفاق ہے کہ ان میں درج تمام روایات صحیح ہیں، خواہ وہ متفق علیہ (دونوں میں) ہوں یا ان میں سے کسی ایک میں ہوں۔

”عظمت قرآن کریم“ کے موضوع پر میں نے جو یہ علمی تحقیق و توضیح کی ہے، اس کے بارے میں، میں یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا کہ یہ ہر لحاظ سے جامع و کامل ہے کیونکہ کمی، کوتاہی اور لغزش کا احتمال انسانی فطرت میں ہے۔ کمال صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے مگر میرے اطمینان کے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ میں نے اپنی استطاعت کے مطابق اس موضوع کا حق اسی طرح ادا کرنے کی کوشش کی ہے جس طرح قرآنی تعلیمات کا تقاضا ہے۔

میرا یہ خوش گوار فرض ہے کہ میں ہر اس شخص کا شکریہ ادا کروں جس نے اس کام میں میرا ہاتھ بٹایا ہے، میری طرف اپنا دست تعاون بڑھایا ہے اور اپنا قیمتی وقت میری معاونت میں صرف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بیش از بیش جزائے خیر عطا فرمائے۔

وما توفيقى إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب، والحمد لله الذى بنعمته تتم
الصلوات

محمود بن أحمد الدوسرى

الداعية بوزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد

بالمملكة العربية السعودية

الدمام - رقم البريد 2779 - 15-8-1426هـ



باب 1

قرآن کریم کا تعارف اور اس کی عظمت کے عقلی و نقلی دلائل



قرآن کریم کا تعارف

”قرآن“ کے اصطلاحی معنی

علماء نے قرآن کی جو اصطلاحی تعریف بیان کی ہے اس سے اس کے معنی واضح اور اس کا امتیاز نمایاں ہو جاتا ہے۔ وہ تعریف حسب ذیل ہے:

«كَلَامُ اللَّهِ، الْمُنَزَّلُ عَلَى نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ ﷺ، الْمُعْجِزُ بِلَفْظِهِ، الْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهِ، الْمَكْتُوبُ فِي الْمَصَاحِفِ، الْمَنْقُولُ بِالتَّوَاتُرِ»

”اللہ تعالیٰ کے پیغمبر محمد ﷺ پر نازل کردہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو الفاظ کے اعتبار سے معجز، یعنی اپنی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دینے والا ہے، اس کی تلاوت کے ذریعے سے عبادت کی جاتی ہے، وہ مصاحف میں تحریر شدہ اور تواتر کے ساتھ منقول ہے۔“^①

اس تعریف کے بیان سے علماء کا مقصد اُن حدود و قیود کا تعین ہے جن سے ایک طرف قرآن کا معنی اور مطلب واضح ہو جائے اور دوسری طرف کوئی اور کلام اس میں شامل نہ ہو سکے۔

① مباحث فی علوم القرآن، ص: 20

”قرآن کریم“ کی تعریف میں مذکورہ قیود کی وضاحت

✽ ”اللہ تعالیٰ کا کلام“: اس قید سے تمام انسانوں، جنوں اور ملائکہ وغیرہ کے کلام نکل جاتے ہیں۔

✽ ”نازل کردہ“: اس قید سے وہ کلام الہی نکل گیا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس سے اس نے کسی کو آگاہ نہیں کیا، نیز وہ کلام بھی خارج ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں پر اس لیے القا کیا کہ وہ اس کے مطابق کام کریں، نہ کہ اس سے کسی انسان کو آگاہ کریں۔ یوں اللہ کا کلام دو قسموں پر مشتمل ہے۔ ایک تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرف نازل کرتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ صرف اپنے پاس رکھتا ہے، کسی اور کو اس سے آگاہ نہیں کرتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي لَوْ كُنَّا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝﴾

”کہہ دیجیے: اگر میرے رب کی باتوں (کو لکھنے) کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم اس کے مانند (اور سمندر) مدد کو لے آئیں۔“^{۱۰}

✽ ”اللہ تعالیٰ کے پیغمبر محمد ﷺ پر“: اس قید سے وہ کلام نکل گیا جو نبی کریم ﷺ کے علاوہ دوسرے نبیوں پر نازل ہوا، جیسے: تورات، جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، انجیل، جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، زبور، جو حضرت داود علیہ السلام اُتری اور صحیفہ، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔

✽ ”الفاظ کے اعتبار سے مُعْجَز“: اس قید سے وہ کلام الہی نکل گیا جو معجز، یعنی عاجز کرنے

والا نہیں ہے، جیسے احادیث قدسیہ اور دیگر کتب سماویہ۔ ان کو ”قرآن“ نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان کی مثل لانے کا چیلنج نہیں دیا۔

❖ ”اس کی تلاوت کے ذریعے سے عبادت کی جاتی ہے“: اس قید سے بہ طریق آحاد نقل ہونے والی قراءتیں (شاڈہ) اور احادیث قدسیہ نکل گئیں، کیونکہ انھیں پڑھنا قرآن کی طرح عبادت نہیں ہے۔

❖ ”مصحف میں تحریر شدہ“: اس قید سے اللہ تعالیٰ کا وہ کلام نکل گیا جو مصحف میں درج نہیں ہے، جیسے تلاوت منسوخ ہونے والی آیات ہیں، ان کو قرآن نہیں کہا جاتا۔

❖ ”تواتر کے ساتھ منقول“: اس قید سے وہ کلام الہی نکل گیا جو تواتر سے منقول نہیں ہے، جیسے شاڈ قراءتیں جنہیں قرآن نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ وہ تواتر کے ذریعے سے نہیں بلکہ بطور آحاد منقول ہیں۔

عظمت قرآن کے معنی اور مطلب

لفظ ”عُظْمَ“ کی لغوی تحقیق اور آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں اس لفظ (ماڈے) کے استعمالات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ”عظمت قرآن“ سے مراد حسب ذیل امور ہیں:

❖ مضامین قرآن کی بلندی اور پر شکوہ، زوردار اور موثر انداز بیان

❖ قرآن کی پیش کردہ معتدل راہ عمل

❖ احکام قرآن کی وسعت

❖ قرآن کی قوت تاثیر

❖ قرآن کے اہداف و مقاصد کی راستی اور عظمت و برتری

❖ اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت جو وہ ہر اس چیز کے دل میں پیدا کرتا ہے جو قرآن کو سنتی یا

پڑھتی ہے، چاہے وہ انسان ہو یا جن، مومن ہو یا کافر، اس کا تعلق جمادات سے ہو یا وہ حیوان ہو۔

❁ وہ شرف و مرتبہ جو ہر اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اس پر ایمان لاتا اور اس کی دعوت پر لبیک کہتا ہے۔

❁ قرآن کے اعجاز و بلاغت کی وہ قوت جس نے کافروں کو اس کے مانند کوئی آیت بنا لانے سے عاجز و در ماندہ کر دیا۔



عظمتِ قرآن، کلام الہی کی روشنی میں

قرآن کریم وہ عظیم کتاب ہے جس کا تذکرہ پہلی کتابوں میں بھی موجود ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے۔ اس کی عظمت اور شان کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ ہر دور میں کفار اس کی عظمت کے قائل رہے ہیں۔ ذیل میں ہم قرآن کی عظمت کلام الہی کی روشنی میں پیش کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا اپنی کتاب کی تعریف و توصیف کرنا

اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں اپنی کتاب عزیز کی تعریف بیان کی ہے جو اس کتاب کی عظمت کی دلیل ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا ایک وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ ”عظیم“ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝﴾

”بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم دیا ہے۔“

ایک آیت میں اس کتاب کا ”محکم“ ہونا بیان فرمایا:

﴿الرَّسَدِ كِتَابٌ أَحْكَمْتُ إِلَيْهِ ثُمَّ فَضَّلْتُ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَيْرٍ ۝﴾

”الر“ (یہ) وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، بڑی حکمت والے، بہت خبر رکھنے والے (اللہ) کی طرف سے۔“^۱

اس کا ایک وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ کتاب پچھلی تمام الہامی کتابوں پر ”مُہِیْمِن“ یعنی نگران ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ﴾

”اور (اے نبی) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، یہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس پر نگہبان ہے۔“^۲

پس یہ کتاب، تمام سابقہ نازل شدہ کتابوں کے مقاصد کی ”مُہِیْمِن“ یعنی محافظ و نگران ہے اور ان میں درج شدہ باتوں کی معتبر گواہ ہے، ان کی صحیح باتوں کی تصدیق و اثبات کرتی ہے اور (لوگوں کی طرف سے تحریف کردہ یا بڑھائی ہوئی) غلط باتوں کی تصحیح کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی کتاب کا ایک وصف ”عَلَىٰ حَكِيمٍ“ بھی بیان فرمایا ہے یعنی وہ بہت بلند، برگزیدہ اور نہایت محکم کتاب ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَرَأَيْتُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا عَلَىٰ حَكِيمٌ ۝﴾

”اور بلاشبہ یہ (قرآن) ہمارے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) میں بہت بلند مرتبہ، نہایت حکمت والا ہے۔“^۳

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے قرآن اور اس کی حکمت کے بارے میں نہایت اعلیٰ درجے

کی گواہی ہے۔ بلاشبہ یہ عظمتِ قرآن کا ایک پہلو ہے کہ یہ کتاب اپنے مقام و محل اور شرف و منزلت کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ ہے، اس لیے وہ تمام سابقہ آسمانی کتب پر غالب و برتر ہے، نیز اس وجہ سے بھی کہ وہ روئے زمین پر بطور معجزہ برقرار ہے۔^①

اور ”حکیم“ کے معنی ہیں: نہایت محکم، یعنی ایک مضبوط نظم میں پروئی ہوئی کتاب جس میں کسی طرح اور کسی بھی اعتبار سے کوئی خلل نہیں۔ پس یہ کتاب بذات خود حکیم ہے اور دوسروں پر حاکم و غالب ہے ”حکیم“ کے دوسرے معنی ”حکمت والا“ بھی ہیں۔ پس قرآن کریم جن ادا و نواہی اور جن خبروں پر مشتمل ہے، ان میں کوئی حکم اور کوئی خبر حکمت اور عدل و میزان کے خلاف نہیں ہے۔^②

قرآن کریم کی تعریف میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین سورتوں میں اس کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ یہ ”کتاب مبارک“ یعنی بڑی برکت والی کتاب ہے۔^③

قرآن لے کر نازل ہونے والے فرشتے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کی بڑی شان بیان فرمائی ہے جو ہمارے رسول محمد ﷺ پر قرآن لے کر نازل ہوتا تھا۔ وہ فرشتہ جبریل علیہ السلام ہیں جو وحی الہی کے امین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ان کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک آیت مبارکہ یہ ہے:

﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝﴾

”کہہ دیجیے: اس (قرآن) کو روح القدس (جبریل) نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے، تاکہ اللہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لیے

① التفسیر الکبیر: 167/27 ② تفسیر السعدی: 437/4

③ الأنعام 6: 155، 21: 50، ص 38: 29

ہدایت اور بشارت ہو۔“^①

آیت میں ”روح القدس“ سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ یہاں ”روح“ کے معنی فرشتہ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا﴾

”ہم نے مریم کی طرف اپنی روح بھیجی۔“^②

یعنی اپنے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ بھیجا (اور وہ جبریل امین علیہ السلام تھے)۔ ”القدس“ کے معنی ہیں، نزہت و طہارت (صفائی ستھرائی) یا پاکیزگی، اور یہاں مراد مقدس فرشتہ ہے۔^③

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَنذِرْ لِّلْمُزِيلِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۚ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ

مِنَ الْمُنذِرِينَ ۚ﴾

”اور (اے نبی) بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ روح الامین

(جبریل) اسے لے کر نازل ہوا آپ کے دل پر، تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے

ہوں۔“^④

جبریل علیہ السلام کو جو ”روح“ کہا گیا ہے، اس کی کئی وجوہ ہیں:

❁ اس لیے کہ وہ ایک پاک روح ہیں، لہذا ان کا ذکر اس وصف کے ساتھ بیان کرنے میں ان

کا اکرام و احترام بھی ہے اور ان کے بلند مرتبے کا اظہار و اعلان بھی!

❁ اس لیے کہ دین اسی (روح یا وحی الہی) کے ساتھ زندہ ہوتا ہے، جیسے جسم کی زندگی روح کی

وجہ سے ہے، اور جبریل ہی انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی لانے کے ذمے دار تھے۔

❁ النحل: 16، 102 ❁ مریم: 19، 17

❁ التحریر والتنویر: 1/578، 13: 229

❁ الشعراء: 26، 192-194

✽ اس لیے کہ روحانیت (باطنی پاکیزگی و لطافت) جبریل پر غالب ہے اور اسی طرح دوسرے تمام فرشتوں پر بھی غالب ہے، تاہم جبریل کی روحانیت، دوسرے فرشتوں کے مقابلے میں، اتم و اکمل ہے۔

✽ اس لیے کہ روح کا مسکن مردوں کی پشتیں اور ماؤں کے رحم ہیں۔^❶
 اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر حضرت جبریل علیہ السلام کو پانچ صفات سے متصف کیا ہے، فرمایا:
 ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝﴾

”بے شک یہ (قرآن) ایک معزز فرشتے (جبریل) کا (لایا ہوا) قول (کلامِ الہی) ہے جو بڑی قوت والا، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔ وہاں (آسمانوں میں) اس کی اطاعت کی جاتی ہے، وہ امین ہے۔“^❷
 یہ پانچ صفات حسب ذیل ہیں:

✽ وہ کریم (معزز) ہیں۔

✽ وہ صاحب قوت ہیں۔

✽ رب العالمین کے ہاں بلند مرتبہ ہیں۔

✽ آسمانوں میں ان کی بات مانی جاتی ہے۔

✽ وہ امین ہیں۔

یہ پانچوں صفات اس حقیقتِ کبریٰ کا ثبوت ہیں کہ قرآن عظیم کی سند بالکل صحیح ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر محمد ﷺ نے قرآن، جبریل علیہ السلام سے سنا جبکہ جبریل امین نے رب العالمین سے سنا، چنانچہ اس سند کے بلند اور عظیم ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

قرآن، تمام جہانوں کے رب نے نازل فرمایا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝﴾

”اور بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ اسے روح الامین (جبریل) لے کر نازل ہوا۔“^①

اللہ جلّ جلالہ نے قرآن کریم نازل فرمانے کی نسبت اپنی طرف صرف اسی آیت میں نہیں کی بلکہ پچاس یا اس سے بھی زیادہ آیتوں میں کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عنایت اور بے مثال مہربانی ہے۔ یہ تصور انسان کے جذبات میں ہلچل پیدا کرتا اور وجدان کو متحرک کرتا ہے، نیز قرآن کریم سنتے وقت اللہ کی جلالت و ہیبت طاری کر دیتا ہے۔

اس کے علاوہ اس میں اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ یہ قرآن بڑی حکمت والی اور باخبر ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اللہ کا کلام ہے۔ کلام کرنے والے کا حسنِ کمال، کلام کی سچائی کی دلیل ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی عظمت و رفعت کی شان بھی واضح ہوتی ہے کیونکہ اسے نازل فرمانے والا بڑی عظمتوں والا ہے، مزید برآں قرآن کے شرف، اس کی قدر و منزلت اور عظمت ہی کی وجہ سے امت مسلمہ کی شان بلند ہوتی ہے۔^②

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

① الشعراء 26: 192-193

② عناية الله وعناية رسوله بالقرآن الكريم، الأستاذ الدكتور، أبو سريح محمد، ص: 1۔ یہ دراصل ایک مقالہ ہے جو کلیۃ الشریعہ، جامعۃ الکویت کے زیرِ اہتمام ہونے والی کانفرنس، بنام ”قرآن کریم اور انسانیت کی سعادت پر اس کا اثر“ میں پیش کیا گیا تھا۔

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾

”بلاشبہ ہم نے قرآن کو قدر کی رات میں اتارا۔“

عظمت کی ضمیر ”نا“ (ہم) میں اور اسے نازل کرنے کی نسبت اپنی طرف کرنے میں قرآن کا عظیم شرف ہے۔

قرآن کی عظمت یہی ہے کہ وہ صرف اللہ وحدہ لا شریک کی طرف سے نازل ہوا ہے، کسی اور کی طرف سے نہیں۔ اس کے نزول کا مقصد لوگوں کو فائدہ پہنچانا اور راہ راست دکھانا ہے۔ پس قرآن کریم میں پانچ فضائل جمع ہو گئے ہیں:

✽ قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں میں سب سے افضل ہے۔

✽ جو رسول (جبریل) قرآن لے کر اترا، وہ سب رسولوں (پیغام رساں فرشتوں) سے افضل و اعلیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحی کا امین ہے۔

✽ یہ تمام مخلوقات میں افضل ترین شخصیت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

✽ یہ اس امت کے لیے نازل ہوا جو تمام امتوں سے افضل ہے اور اسے لوگوں کی راہ حق کی طرف رہبری کا فرض سونپا گیا ہے۔

✽ یہ اس زبان میں نازل ہوا جو تمام زبانوں میں افضل، سب سے زیادہ رفیع، فصیح اور وسیع ہے، اور وہ عربی زبان ہے۔

قرآن بالکل واضح اور راست ہے، اس میں کوئی ابہام نہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے، جس کی حمد بے حد ہے اور جس کی توصیف و ثنا کی کوئی انتہا نہیں، اپنی

﴿القدر 1:97﴾

﴿التحریر والتنویر 4، 2/3﴾

﴿تفسیر السعدی 485/3﴾

تعریف خود کی اور فرمایا کہ وہ قرآن عظیم نازل کرنے پر حمد و ثنا کا مستحق ہے۔ اس سے اس کا مقصد اس بات سے مطلع کرنا ہے کہ قرآن کریم کا نزول اس کی سب سے بڑی نعمت ہے، اس لیے کہ یہ قرآن کریم اس دین کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس سے انسانوں کو شرف و کمال حاصل ہوتا ہے اور اس چیز کی طرف بلاتا ہے جس میں ان کی دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو سکھایا کہ وہ قرآن کی عظیم الشان اور جلیل القدر نعمت عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کس طرح کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۖ قَيِّمًا﴾

”ساری حمد و ستائش اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہیں رکھی، ٹھیک اور سیدھی (بغیر کسی افراط و تفریط کے نازل فرمائی۔)“^۱

اہل لغت کا بیان ہے کہ معانی میں کجی بھی اسی طرح ہوتی ہے جس طرح خود اشیاء میں ٹیڑھ پن ہوتا ہے اور قرآن میں کجی کی نفی کئی اعتبار سے ہے:

✽ اس کی آیات میں کوئی تناقض اور ایک دوسری سے کوئی تضاد نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝﴾

”اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔“^۲

✽ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ توحید و نبوت اور احکام و مسائل ہیں، اور وہ سب کے سب حق اور سچ ہیں، ان میں سے کسی میں بھی قطعاً کوئی خلل نہیں۔^۳

۱ الکہف 2-1: 18 ۲ النساء 82: 4

۳ التفسیر الکبیر، للرازی: 64/21

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں صاف صاف بتا دیا ہے کہ اس میں کوئی تضاد و اختلاف ہے نہ کوئی ایسا عیب جو انسانی کلام میں ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ﴾

”قرآن عربی (زبان) میں ہے، کجی والا نہیں۔“^❶

یعنی اس کے الفاظ اور معانی میں کسی بھی اعتبار سے کوئی خلل ہے نہ کسی قسم کا نقص۔ ہر بات صاف، واضح اور دو ٹوک ہے اور یہ بے مثل خوبی اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن میں کمال درجے کا اعتدال اور توازن ہے۔^❷

جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم ہر کجی و ابہام سے پاک اور اعتدال و توازن کا موقع ہے تو اس سے قرآن کریم کی وہ عظمت، اونچی شان اور قدر و منزلت بھی عیاں ہو جاتی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں نصیب ہے۔

جمادات کا قرآن سے متاثر ہونا

قرآن کریم کی شان، اس کی عظمت و جلالت اور اس کی شدتِ تاثیر کا یہ عالم ہے کہ اگر اسے کسی پہاڑ پر نازل کیا جاتا جسے انسانوں کی طرح عقل و شعور حاصل ہوتا تو تم اس پہاڑ کو دیکھتے کہ وہ اپنی تمام تر صلابت اور سختی و مضبوطی کے باوجود اللہ کے ڈر سے کانپ اٹھتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۖ﴾

”(اے نبی!) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے

خوف سے دب جاتا (اور) پھٹ جاتا۔“^①

یعنی پہاڑ نصیحت قبول کر لیتا اور اللہ کے خوف کا اس پر اس قدر زبردست اثر ہوتا کہ اس کی چٹانیں چٹخ کر ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔

خشوع کا مطلب ہے: بے بسی سے جھک جانا، یعنی تم اس پہاڑ کو دیکھتے کہ وہ بلندی سے زمین پر آگرا ہے۔

تَصَدُّع کا مطلب ہے: پھٹ جانا، ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا، یعنی وہ متزلزل ہو جاتا اور اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے (ریزہ ریزہ) ہو جاتا۔^②

جب حالت یہ ہے کہ اگر پہاڑ بھی قرآن کو اس طرح سمجھ سکتا جس طرح تم سمجھ سکتے ہو تو وہ اپنے طول و عرض اور سختی و مضبوطی کے باوجود بلندی سے اتر کر نشیب میں آ جاتا اور اللہ کے ڈر سے ریزہ ریزہ ہو جاتا، پھر تم اللہ کے حکم کو سمجھتے ہو اور اس کی کتاب پر غور و تدبر کرتے ہو لیکن اس کے باوجود تم پر اللہ کا خوف طاری ہوتا ہے نہ اس کے حضور جھکنے کا کوئی داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ اے انسانو! کیا تمہارا یہ طرز عمل تمہارے شایان شان ہے؟^③

اس آیت کا مقصود قرآن کریم کی عظمت کا اظہار اور اس کے جلیل القدر نصاب پر غور و فکر کی ترغیب دینا ہے، اس لیے کہ اس کے بارے میں کوئی شخص کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا حق اس وقت ہی ادا ہو سکتا ہے جب اس کی کتاب کی تعظیم اور اس شخص کو سرزنش کی جائے جو قرآن عظیم کا احترام نہیں کرتا۔

انسانوں اور جنوں کو ایک چیلنج

قرآن کی عظمت اور اس کی اونچی شان کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور

① الحشر 21:59

② التحریر والتنویر: 104/28 ③ تفسیر ابن کثیر: 4/343

جنوں کو یہ چیلنج کیا ہے کہ وہ قرآن جیسی کوئی کتاب، یا اس جیسی دس سورتیں، اور دس سورتیں نہ سہی تو صرف ایک سورت ہی بنا کر دکھادیں۔ اس سلسلے میں ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝﴾

”(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے: اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی نظیر لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ (اس سلسلے میں) وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔“^{۱۰}

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيْنَ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۝ قَالُوا لَا يَسْتَحْجِبُونَ لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنبَاءَ أَنزَلِ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ۝﴾

”کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟ (اے پیغمبر!) کہہ دیجیے: (اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو) تم بھی اس جیسی دس سورتیں گھڑ لاؤ اور اللہ کے سوا تم جنھیں (اپنی مدد کے لیے) بلا سکتے ہو انھیں بھی بلاؤ، پھر اگر وہ تمھیں جواب نہ دے پائیں تو جان لو کہ یقیناً یہ (قرآن) اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ (بات بھی سچ ہے) کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر (اے لوگو!) اب بتاؤ کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟“^{۱۱}

اس روشن دلیل کے باوجود وہ راہ راست پر آئے نہ انھیں ایسے افراد میسر آئے جو اس جیسا کلام پیش کر سکیں۔ تب وہ اپنی اسی روش پر آگئے جس سے انھیں روکا گیا تھا۔ وہ کہنے لگے: یہ کلام محمد (ﷺ) نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر محسوس طریقے سے مہلت دی، پھر انھیں ذلت و رسوائی کی انتہا پر پہنچا دیا اور انھیں چیلنج کیا کہ وہ زیادہ نہ سہی قرآن جیسی ایک سورت ہی بنالائیں لیکن وہ اس سے بھی عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَعْظَمْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝﴾

”کیا وہ کافر کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر اسلام) نے اسے گھڑ لیا ہے؟ (اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تم (اپنے اس قول میں) سچے ہو تو تم اس جیسی ایک سورت ہی بنالادو اور (اس میں مدد کے لیے) اللہ کے سوا جنھیں بلا سکتے ہو بلالو۔“^①

جب کافر مبہوت اور لاجواب ہو گئے لیکن پھر بھی سچائی کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تو وہ اس شخص کی طرح ہو گئے جسے شیطان نے مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔ کبھی تو وہ استہزا کے طور پر کہتے:

﴿لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝﴾

”اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس طرح (کا کلام) کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو اگلے لوگوں ہی کی داستانیں ہیں۔“^②

کچھ اور لوگ ہنسی مذاق کرتے ہوئے کہتے:

﴿إِنِّي يَقْرَأُ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ ط﴾

”تو اس کے علاوہ کوئی (اور) قرآن لے آ، یا اسے (کچھ) بدل دے۔“^③

پس یہ قرآن عظیم محض چند ایسے الفاظ و عبادات کا مجموعہ نہیں ہے کہ انسان اور جن اس کی نقل اتارنے کی جسارت کر سکیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے

① یونس 38:10 ② الأنفال 31:8

③ یونس 15:10، دیکھیے: عناية الله وعناية رسوله بالقرآن الكريم، ص: 11-14

ساری مخلوق کو چیلنج کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ
بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝﴾

”کہہ دیجیے: اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل
نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔“

یہ قرآن کے شرف و مجد اور اس کی عظمت کا واضح اظہار ہے۔ یہ آیت اور اس کی ہم معنی
دیگر آیات ”آيَاتِ تَحَدَّى“ یعنی چیلنج کرنے والی آیات کہلاتی ہیں کہ ساری مخلوق مل کر بھی
اس قرآن کے مانند بلکہ اس کی کسی ایک سورت کی مثال بھی پیش کرنے سے عاجز ہے۔ پس
قرآن کی عظمت اور اس کی اونچی شان نے انسانوں اور جنوں میں سے کسی کو اس قابل نہیں چھوڑا
کہ وہ اس کی نظیر پیش کرنے کا تصور بھی کر سکے، چاہے وہ اس سلسلے میں ایک دوسرے کے مددگار
بھی بن جائیں۔



عظمتِ قرآن کے عملی مظاہر

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو طرح طرح کی بے شمار نعمتیں دی ہیں۔ ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت قرآن کریم ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے بندوں پر خصوصیت سے نازل فرمایا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت کا ذکر تخلیق انسان اور دوسری بہت سی نعمتوں سے پہلے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿الْزَّكٰوٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝﴾

”رحمن۔ اسی نے قرآن سکھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اسے بولنا سکھایا۔“^۱

قرآن کریم پر غور و فکر کرنے والا جانتا ہے کہ بہت سی آیات اور سورتوں میں، بالخصوص مکی سورتوں کے آغاز و اختتام پر، قرآن کی عظمت پر کثرت سے گفتگو کی گئی ہے۔ اسی طرح قرآن کی قسم، بالخصوص اپنے حق میں قرآن کی اپنی قسم، سورتوں کی ابتدا اور ان کے آخر میں قرآن کریم کی عظمت کا اظہار، قرآن کی تنزیل میں اسمائے حسنیٰ کا امتزاج، قرآن کے اسماء و اوصاف کی کثرت، اس کا بہترین زمانے میں، سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور وسیع ترین زبان میں نزول،

اسے سارے جہان کے لیے سمجھنا آسان ہونا، اس کا تمام کتب الہیہ کا محافظ و نگران ہونا، اس کا تمام انسانوں کے لیے نازل ہونا، زمانے اور زندگی کے الٹ پھیر اور لیل و نہار کی گردشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کا اس کی حفاظت کا ذمہ لینا۔ یہ ساری باتیں قرآن کی رفعت اور عظمت و جلالت کی روشن دلیل ہیں۔ قرآن عظیم کی عظمت کے مظاہر و دلائل پر گفتگو حسب ذیل امور کے تحت ہو سکتی ہے۔

قرآن کا بہترین زمانے میں نزول

زمان و مکان کی بذات خود کوئی حیثیت نہیں۔ ان کی حیثیت و اہمیت ان میں نازل ہونے والی چیزوں اور ان میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی وجہ سے ہوتی ہے۔ قرآن عظیم کی عظمت کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سب سے بہترین زمانے یعنی رمضان المبارک میں نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۝﴾

”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی واضح اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی دلیلیں ہیں۔“^①

قرآن کریم کو اس مبارک مہینے کی بھی اس رات میں نازل فرمایا گیا جو بہت بابرکت رات ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَّكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝﴾

”بلاشبہ ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں نازل کیا، بے شک ہم ڈرانے والے ہیں۔ اسی (رات) میں ہر حکمت والے معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔“^۱

یہ برکتوں والی رات کون سی ہے؟ یہ شرف و مجد اور بلند رتبے والی رات وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۚ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۚ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۚ﴾

”بے شک ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔“^۲

لیلۃ القدر کا نام لیلۃ القدر اسی لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا غیر معمولی شرف و مجد اور زبردست فضیلت ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس کا شرف و مجد محض زمانے کی وجہ سے نہیں ہے، اس لیے کہ زمانہ تو اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہے، اس لیے یہ ناممکن ہے کہ فی نفسہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے بہتر یا برتر ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس رات کی بے مثال فضیلت اس لیے ہے کہ اس میں بہت سے ایسے اہم امور سرانجام پائے جو نہایت عظیم الشان اور بہت عالی مرتبت تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ دین کا درجہ دنیا کے منصب و مقام سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے اور خود دین میں منصب و مقام کے اعتبار سے جو متاع سب سے اعلیٰ اور اشرف ہے وہ قرآن عظیم ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اثبات ہوا ہے، اسی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ساری کتابوں میں حق و باطل کے درمیان فرق ظاہر ہوا ہے اور اسی سے اہل سعادت کے درجات بلند ہونے اور اہل شقاوت کے مواخذہ و احتساب کا پتہ چلتا ہے۔ اس اعتبار سے بلاشبہ قرآن سے بڑھ کر کوئی

چیز عظیم القدر نہیں ہے۔ ذکر میں کوئی چیز اس سے اعلیٰ ہے نہ منصب و مقام میں عظیم تر! ^۱

قرآن کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور جامع ترین زبان میں نزول

اللہ عزوجل نے اپنی نازل کردہ کتابوں میں سے آخری کتاب قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کرنا پسند فرمایا۔ اللہ عزوجل کا اس عظیم زبان کو پسند کرنا اس بات کا مظہر ہے کہ یہ زبان لچک دار اور وسیع ہونے، اشتقاق کے ذخیرے اور صرف و نحو کے قواعد مرتب ہونے کے اعتبار سے دیگر زبانوں سے ممتاز ہے۔ علاوہ ازیں یہ مفرد الفاظ، صیغوں اور اوزان میں بڑی وسعت اور قدر رکھتی ہے۔ ^۲

اس لیے ہر وہ شخص جو عالمی زبانوں میں مہارت رکھتا ہے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ عربی زبان تمام زبانوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور سب سے زیادہ وسیع و فصیح ہے۔ اس کے تھوڑے سے الفاظ میں بہت زیادہ مفہیم ادا ہو جاتے ہیں۔ اس کے الفاظ کا درو بست نہایت خوب صورت ہے اور توضیح و بیان میں کوئی دوسری زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

عربی کا یہ اعزاز و امتیاز عظمت قرآن پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا نزول سب سے بہترین اور سب سے ترقی یافتہ زبان میں ہوا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں قرآن کے عربی زبان میں اترنے کی تعریف و تحسین فرمائی ہے، جیسے فرمایا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝﴾

”بے شک ہم نے اسے عربی (زبان کا) قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو۔“ ^۳

^۱ التفسیر الکبیر، للرازی: 203/27-204

^۲ کتاب لغة القرآن مکاتبتها والأخطار التي تهددها، الدكتور إبراهيم بن محمد أبو عبادہ،

ص: 11-12

^۳ الزخرف 43:3

اور فرمایا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝﴾

”بے شک ہم نے اسے عربی قرآن نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔“^①

اگر کوئی سوال کرے کہ قرآن عظیم عربی زبان میں کیوں نازل ہوا، دوسری زبانوں میں سے کسی ایک میں کیوں نازل نہ ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ قرآن کو ایسی کتاب بنایا جائے جس کے مخاطب ہر زمانے کے تمام لوگ ہوں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عربی زبان کا انتخاب فرمایا جو انسانی زبانوں میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ زبان ہے۔ اس کی فصاحت کے دلائل حسب ذیل ہیں:

✽ مادے کے اعتبار سے یہ زبان سب سے زیادہ فراواں اور حروفِ جمعی کے اعتبار سے سب سے کم تر ہے، نیز لہجے میں فصیح تر اور متکلم کے مدعا و مقصود کی وضاحت میں آسان تر ہے۔ علاوہ ازیں ایک ایک معنی ادا کرنے کے لیے اس میں کئی کئی الفاظ ہیں۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ خوبی بھی رکھی ہے کہ یہ تھوڑے سے الفاظ میں وسیع تر مفاہیم و معانی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ پس اس کے اسالیب کی بنیاد ایجاز و اختصار اور جامعیت پر استوار ہے۔ اسی لیے اس کی مثالیں جس طرح عرب کے فصیح البیان لوگوں کے کلام میں ملتی ہیں، دوسری زبانوں کے فصحاء کے کلام میں نظر نہیں آتیں۔

✽ عرب پیدائشی طور پر بڑے ذہین و فطین ہیں، ان کی ذکاوت و فطانت ہی کی بنیاد پر ان کے کلام کے اسالیب بھی استوار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں مجاز، استعارہ، تمثیل،

① یوسف 2:12، نیز یہ مضمون ان آیات میں بھی مذکور ہے: الرعد 37:13، النحل 103:16، طہ 113:20،

الشعراء 192:26-195، الزمر 27:39-28، حم السجدة 41:3، الشوریٰ 42:4،

کنایہ، تعریض، استعمال میں اشتراک و تسامح، مبالغہ آمیز تراکیب، امثال، تلمیح و تلحیح، اثبات و انکار میں استفہام کا استعمال اور اس قسم کے دیگر فنون کی کثرت ہے۔

قرآن ایسے نادر اسلوب میں نازل ہوا جس نے فصحاء عرب کو ہکا بکا کر دیا۔ قرآن نے منکرین کے بڑے سے بڑے قادر الکلام لوگوں کو چیلنج دیا کہ وہ اس کے مقابلے کی کوئی چیز بنا کر دکھائیں، لیکن وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کے آگے عاجز و در ماندہ رہ گئے، خواہ وہ قرآن پر ایمان لے آنے والے تھے، جیسے لبید بن ربیعہ، کعب بن زہیر اور نابغہ جعدی رضی اللہ عنہما بغض اور عناد کے طور پر اپنے کفر پر مصر رہنے والے، جیسے ولید بن مغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ قرآن مجید اپنے اعجاز کے اعتبار سے کثیر المعانی ہے۔ معانی کی یہ کثرت بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کے کلام میں نہیں ملتی۔ یہ بات واضح ہے کہ قرآن کریم شریعت و قانون اور تعلیم و تادیب کی کتاب ہے، اس کے باوجود اس کے کم سے کم الفاظ میں معانی و مقاصد کی جو وسعت و کثرت ہے، وہ حیطہ بیان سے باہر ہے۔^①

اور جب عربی زبان کو علم لسانیات کی سطح پر جانچا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ کوئی بھی زبان الفاظ و قواعد کے اعتبار سے بلیغ زبان کی شرطوں کو اس سے زیادہ پوری کرنے والی نہیں ہے۔

ہم پر لازم ہے کہ ہم اسے اس پیمانے سے بھی دیکھیں جس میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ پیمانہ ہے انسانی نطق و گویائی میں اظہار ضروریات کا، یعنی وہ زبان اظہار مدعا میں کہاں تک کامیاب ہے؟ اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان انسانی ضرورتوں کے بیان و اظہار میں نہایت احسن طریقے سے مکمل طور پر اپنا کردار ادا کرتی ہے اور کسی ایک چیز کو بھی مہمل نہیں چھوڑتی جیسا کہ اکثر دوسری زبانوں کی ابجدیات میں دیکھا اور محسوس کیا جاتا ہے۔ عربی کی امتیازی خوبی یہ بھی ہے کہ اگر اس زبان میں کسی حرف کے دو مخارج ہیں تو ان دونوں مخارج میں یا

کسی مخرج کے دو حروف ہیں تو ان دونوں حرفوں میں کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض خوبیاں اگرچہ دوسری زبانوں میں بھی پائی جاتی ہیں، لیکن عربی زبان میں یہ تمام خوبیاں جس طرح جمع ہو گئی ہیں اس کی نظیر کسی اور زبان میں نہیں ملتی۔^❶

ابن فارس رحمہ اللہ کا قول ہے:

”کوئی مترجم اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ قرآن کو کسی بھی زبان میں صحیح طریقے سے منتقل کر دے، جیسے کہ انجیل سریانی زبان سے حبشی اور رومی زبان میں اور تورات وزبور اور دیگر کتب الہیہ عربی زبان میں منتقل کی گئیں، اس لیے کہ اہل عجم اتنی فصاحت و بلاغت نہیں رکھتے جتنی فصاحت و بلاغت عربوں کے ہاں ہے۔“^❷

فہم و تلاوت میں قرآن کریم کا آسان ہونا

قرآن عظیم کی عظمت کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم گیر انسانیت کے لیے اس کا پڑھنا اور سمجھنا نہایت آسان رکھا ہے تاکہ اس کے مطالب و معانی جاننے اور اس کا علم حاصل کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کے پاس اللہ کے حضور پیش کرنے کے لیے کوئی حجت نہ رہے۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝﴾

”اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟“^❸

❶ اشنتات مجتمعات فی اللغة والأدب، عباس محمود العقاد، ص: 11-12

❷ الصحابی، ص: 26

❸ القمر 54: 17

اور فرمایا:

﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لَّدَا ۝﴾

”یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان (عربی) میں بہت آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔“^۱

اس تیسیر (آسان رکھنے) میں مسلمانوں کے لیے یاد دہانی اور رغبت ہے تاکہ وہ اس کے پڑھنے پڑھانے پر زیادہ توجہ دیں اور کافروں کے لیے اشارہ ہے کہ شاید وہ اعراض و گریز سے باز آجائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدْكِرٍ﴾ ”پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟“ سے واضح ہوتا ہے۔

تیسیر کے معنی ہیں کسی چیز میں آسانی پیدا کرنا، چاہے فعل کے ذریعے سے ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ﴾

”اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے۔“^۲
 یا قول کے ذریعے سے ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝﴾

”بس (اے نبی!) ہم نے تو اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔“^۳

قرآن کے آسان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ زبان میں اترا ہے اور اس پیغمبر ﷺ کی زبان مبارک سے ملا ہے جو رسولوں میں سب سے افضل ہیں۔ اس کے آسان ہونے کا مطلب اس کے معانی و مقاصد کا فہم آسان ہونا ہے، یعنی سننے والا کسی دقت اور

ابہام کے بغیر اس کے وہ مطالب آسانی سے سمجھ لیتا ہے جو متکلم کی مراد ہیں، جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ کانوں میں بے کھٹکے اور بغیر اجازت داخل ہو جاتا ہے۔ یہ آسانی الفاظ میں بھی پائی جاتی ہے اور معانی میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔

الفاظ کی آسانی یہ ہے کہ وہ تراکیب و کلمات کی فصاحت کے اعلیٰ درجوں میں ہیں، یعنی کلام کی فصاحت اور الفاظ کا دروبست ایسا رواں ہے کہ زبانی طور پر انھیں یاد کرنا کوئی مشکل نہیں۔ مفہوم و معانی کی آسانی یہ ہے کہ وہ واضح بھی ہیں اور وافر بھی اور قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے اس میں تدبر کرنے والا جب بھی دوبارہ غور کرے تو معانی کی نت نئی گرہیں اس پر کھلتی چلی جائیں۔^①

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ﴾ کی تفسیر میں قرآن کریم کے آسان ہونے کی کئی توجیہات بیان کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

ہم نے قرآن حفظ کرنا آسان کر دیا ہے، چنانچہ انسانی تاریخ کا یہ فقید المثل واقعہ ہے کہ قرآن کریم کے سوا، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کسی اور کتاب کو حفظ نہیں کیا جاسکا (قرآن کریم کے کروڑوں حفاظ ہیں لیکن کسی اور کتاب کا کہیں کوئی حافظ نہیں)۔
ہم نے قرآن سے نصیحت پذیری کا عمل آسان کر دیا ہے کیونکہ اس میں ہر قسم کی حکمت و دانائی جمع کر دی گئی ہے۔

ہم نے اس میں یہ خلقتی وصف رکھا ہے کہ یہ دلوں کو متاثر کرتا ہے اور اس کا سننا باعث فرحت و انبساط ہے۔ جو اسے نہیں سمجھتا وہ بھی کچھ نہ کچھ مطلب پالیتا ہے، اسے سمجھنے اور سننے سے کسی پر اکتاہٹ طاری نہیں ہوتی اور وہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے اس کا علم ہے، اس لیے میں اسے نہیں سنتا، بلکہ ہر لمحے اس کے علم و سرور میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔^②

① التحریر والتنویر: 25/344، 27/180-181

② التفسیر الکبیر: 29/38-39

ان وضاحتوں سے یہ تو واضح ہے کہ قرآن کریم بالکل حق اور سچ ہے اور اسے سمجھنا نہایت آسان ہے، لیکن اصل مشکل یہ ہے کہ اس روشن کلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے کہاں ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لینا

اللہ تعالیٰ نے عظمت قرآن کے سلسلے میں قرآن کریم کی حفاظت کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔
حفاظت کی تین صورتیں ہیں: (1) نزول قرآن سے پہلے (2) نزول قرآن کے دوران میں
(3) نزول قرآن کے بعد۔

① نزول سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں کیا ہے۔ ان میں سے ایک آیت مبارکہ یہ ہے:

﴿كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۖ فَمِنْ شَاءِ ذَكَرَهُ ۖ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۖ رُّفُوعَةٍ ۖ مُّطَهَّرَةٍ ۖ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۖ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۖ﴾

”ہرگز نہیں! بے شک یہ (صحیفہ) تو ایک نصیحت ہے، چنانچہ جو چاہے اسے یاد کرے۔
(یہ) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے جو بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں۔ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو معزز اور نیکوکار ہیں۔“^{۱۰}

② نزول قرآن کے دوران میں اس کی حفاظت کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان میں موجود ہے:

﴿وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾

”اور ہم نے اس (قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿عَلِمُ الْغَيْبُ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۚ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِن خَلْفِهِ رَصَدًا ۝﴾

” (وہی) عالم الغیب ہے، وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا، سوائے کسی رسول کے جسے وہ پسند کرے، پھر بے شک وہ اس (رسول) کے آگے اور پیچھے نگہبان لگا دیتا ہے۔“^①

③ نزول کے بعد حفاظت کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ کیا ہے، جیسے فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نُزِّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

”بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“^②

یہ اللہ ہی کی حفاظت کا نتیجہ ہے کہ قرآن اپنی اصلی شکل میں باقی ہے، جیسے بلند و بالا، ناقابل عبور پہاڑ ہو۔ وہ غالب و مقتدر ہے جس کی حفاظت گاہ میں کوئی داخل ہونے کی جسارت نہیں کر سکا۔ ہر وہ کوشش جو اسے بدلنے کے لیے کی گئی اس طرح ناکام و نامراد ہوئی کہ اس کا ایک حرف بھی تبدیل نہیں کیا جاسکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالدِّكْرِ لَنَّا جَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّهُ لَكَيْشٌ عَزِيزٌ ۚ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِن خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝﴾

”بے شک جن لوگوں نے ذکر (قرآن) کو نہ مانا جب وہ ان کے پاس آیا (تو وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے) حالانکہ بلاشبہ یہ تو ایک بہت بلند مرتبہ کتاب ہے۔ باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ بڑی حکمت والی

① الحن 27-26:72

② الحجر 9:15، نیز یہ مضمون ان آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔ الزخرف 31:43-34

الواقعة 80-75:56، البروج 22-21:85

اور قابل تعریف ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔“^①

پس قرآن عظیم ام الکتاب میں درج اور لوح محفوظ میں بحفاظت موجود ہے۔ وہ آسمانوں میں بھی ہر اس چیز سے محفوظ رہا جس سے اسے کسی نقصان کا اندیشہ ہوتا اور جو اس کی شان سے فروتر تھی۔ یہ سب کچھ سر اسر اللہ تعالیٰ کا کمال اور قرآن پر اس کی خصوصی عنایت و توجہ کے باعث ہے۔^②

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝﴾

”بلاشبہ یہ قرآن نہایت معزز ہے، ایک محفوظ کتاب میں، اسے بس پاک (فرشتے) ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔“^③

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صفت ”مَكْنُونٌ“ بیان فرمائی جو ”اِکْتِنَان“ سے مشتق ہے۔ اس کے معنی پردے میں ہونے کے ہیں، یعنی یہ کتاب لوگوں کی نظروں سے محجوب (چھپی ہوئی) ہے۔ اس لحاظ سے یہ عالم غیب کا ایک پوشیدہ معاملہ ہے جس کی کنہ اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مذکورہ بالا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم جو لوگوں تک پہنچا اور جسے انھوں نے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے سنا، یہ اللہ تعالیٰ کی اس مشیت کے مطابق ہے جس سے وہ لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتا تھا تا کہ اس کا یہ وصف مکمل ہو جائے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں کسی

① حم السجدة 41: 41-42، نیز دیکھیے: الأنعام 6: 105، الکہف 18: 27

② عنایة اللہ و عنایة رسوله بالقرآن الکریم، ص: 9-11

③ الواقعة 56: 77-79

انسان کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔^۱

✽ حفاظت کا اصل مقصد: اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم کی حفاظت فرمانا یہ معنی رکھتا ہے کہ قرآن کریم ناپید ہونے کے ہر اندیشے سے اور ہر قسم کی کمی بیشی سے محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قراءت کے تواتر اور اس کے متن کی تفہیم کو آسان بنادیا اور اسے تبدل و تغیر سے بچالیا۔ امت مسلمہ اسے نبی ﷺ کی حیات مبارکہ ہی سے حفظ کرتی چلی آرہی ہے۔ یوں ہر شہر میں اس کے حفاظ اتنی بڑی تعداد میں رہتے آئے ہیں کہ اس سے تواتر کی شرطیں پوری ہو جاتی ہیں۔

گزشتہ کتابوں میں تغیر کیوں راہ پا گیا؟ اور قرآن کریم اس سے کیوں محفوظ رہا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کے احبار (علماء) پر ڈالی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک سے پتہ چلتا ہے:

﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ﴾

”اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے نگران بنائے گئے تھے۔“^۲

جب کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا، چنانچہ فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

”بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“^۳

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی یہ ذمہ داری کیسی باریک بینی سے ادا

فرمائی، اس کی ایک مثال حسب ذیل ہے:

بعض لوگوں نے قرآن کریم میں ایسی چیز داخل کرنے کا قصد کیا جو قرآن میں نہیں ہے۔

۱ التحریر والتنویر: 304/27

۲ المائدة: 5: 44

۳ الحجر: 9: 10، دیکھیے: التحریر والتنویر: 13/17-18

اس تحریف کے لیے انھوں نے نہایت پر فریب طریقہ اختیار کیا۔ وہ یہ کہ چونکہ ہر مسلمان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت و توقیر ہے، اس لیے انھوں نے قرآنی آیت:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾

”محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت سخت اور آپس میں نہایت مہربان ہیں۔“^①

میں درود ”ﷺ“ کا اضافہ کر کے قرآن کریم کا نسخہ شائع کر دیا، یعنی اس طرح:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾

ان کی شاطرانہ فن کاری یہ ہے کہ درود و سلام کے الفاظ کا اضافہ کر کے مسلمانوں کے جذبات سے فائدہ اٹھائیں اور اس کے پردے میں تحریف قرآن کی مذموم جسارت کر لی جائے جو انھوں نے کر ڈالی۔

علمائے اسلام کے شدید احتجاج پر مذکورہ ناشرین قرآن نے اپنے قرآن کی تقسیم روک دی۔ علماء نے کہا: اس کی تقسیم روک دینا کافی نہیں ہے بلکہ اس مصحف کے تمام نسخے تلف کر دینے چاہئیں۔ انھوں نے زور دیا کہ تلف کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس میں ایک اضافہ ہے۔ ناشرین کہنے لگے: یہ اضافہ تو نہایت پسندیدہ اور محمود ہے۔ علماء نے ان کے اس موقف کو بھی مسترد کر دیا اور کہا: قرآن تو قیفی کتاب ہے یعنی اس کتاب مقدس کے الفاظ اور ترتیب وحی الہی پر مبنی ہے، اس لیے ہم اس میں ایک لفظ کی بھی کمی بیشی کیے بغیر اس کو ٹھیک اسی شکل میں پڑھیں گے اور شائع کریں گے جس شکل میں وہ نازل ہوا ہے۔^②

✽ قرآن کریم کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی تدبیر: ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم کے لیے ایسے حالات و اسباب مہیا کیے ہیں جو گزشتہ کتابوں کے زمانے سے مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھی کے ذریعے سے قرآن کریم کی حفاظت فرمائی۔ ان حالات و اسباب میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم یاد کرنے اور یاد رکھنے والوں کا ایک مضبوط طبقہ پیدا فرمادیا۔ اسلام سے پہلے عرب اتنے قوی حافظے کے مالک تھے کہ ہزاروں اشعار ان کی نوک زبان پر رہتے تھے، حالانکہ شعراء کا یہ کلام کسی دیوان کی شکل میں مرتب و مدون نہیں تھا اور اس کی ساری بنیاد صرف ان کا حافظہ تھا۔ ان عربوں نے اسی طرح قرآن کریم بھی اپنے دماغوں میں محفوظ کر لیا۔

② اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم حفظ کرنا آسان بنا دیا جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّكْذِرٍ ۝﴾

”اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟“

③ اس کے لیے ایک ایسا مستقل طبقہ مہیا فرمادیا جو حفظ و فہم قرآن اور اس بارامانت کو اٹھانے والا تھا۔ پس حفاظ کرام رسول اللہ ﷺ کے روبرو بھی قرآن کریم یاد کرتے تھے تاکہ وہ اسے پختہ طور پر حفظ کرنے میں ماہر ہو جائیں، اس کے بعد وہ اسے مدون کرتے تھے، اور اس کام کی نگرانی خود نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

④ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو فرشتوں کے ساتھ قرآن کی مراجعت کا موقع بھی فراہم کیا، چنانچہ نبی ﷺ قرآن کا نازل شدہ حصہ یاد فرماتے تھے اور سال میں ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام سے اس کی مراجعت (دور) کرتے تھے اور اپنی حیات مبارکہ کے آخری سال آپ نے

پورے قرآن کریم کا حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ مراجعہ (دور) کیا۔

⑤ قرآن کریم کی تدوین کے بعد بھی اس میں ایسی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی جس سے کوئی کھلمنڈ افادہ اٹھا سکے کیونکہ راسخ حفاظ کرام ہر اس نسخے کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیتے جو مصحف (قرآن کے قلمی نسخے) سے نقل کیا جاتا تھا۔ جب زمانہ آگے بڑھا اور پریس ایجاد ہوا تو قرآن کریم کی طباعت و اشاعت کے لیے چھاپے خانے قائم ہوئے جنہوں نے اجل علماء اور حفاظ کرام کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں۔ وہ اس کی طباعت سے پہلے بڑی محنت و جان فشانی سے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف بار بار باریک بینی سے دیکھتے ہیں تاکہ اس میں تحریف و تغیر تو کجا، کسی معمولی غلطی کا بھی کوئی امکان باقی نہ رہے۔

انہی اسباب و وسائل کی وجہ سے قرآن کریم کی حفاظت کا وہ عہد پورا ہوا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ازل ہی سے لوح محفوظ میں مقدر فرمادیا تھا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کی تکمیل فرمادی جس کا اعلان اس نے اس طرح فرمایا تھا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

”بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“^①
قرآن کریم کی یہ غیر معمولی حفاظت قرآن کریم کی حقانیت و عظمت کی بڑی مستند دلیل ہے۔^②

اس حفاظت قرآن کے دو نتیجے بالکل واضح ہیں:

✽ ایک یہ کہ اس میں تحریف کا مذموم شوق رکھنے والے یکسر مایوس ہو گئے۔ انہیں پختہ یقین ہو گیا کہ وہ اپنے اس مذموم مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔
✽ دوسرے، حفظ قرآن کی نعمت عظمیٰ اور اس کے احساس و شعور کی بدولت مسلمانوں میں یہ

اعتقاد پیدا ہوا کہ یہ مقدس کتاب مکمل طور پر قابلِ اعتماد اور ہر قسم کے شک و شبہ کی پرچھائیوں سے پاک ہے اور اس ایمان افروز حقیقت نے ہمارے دشمنوں کو آتش زیر پا کر رکھا ہے۔

قرآنی تعلیمات کی عالمگیریت

دشمنانِ اسلام کا ایک خیال فاسد یہ ہے کہ قرآنِ عظیم محض ایک تاریخ کی کتاب ہے۔ اس کے مخاطب صرف ایک محدود زمانے کے لوگ تھے، بعد ازاں اس کی حیثیت اور افادیت ختم ہو گئی اور اب موجودہ دور میں اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

ہم مسلمانوں کا یہ پختہ اعتقاد ہے کہ قرآنِ عظیم وہ ابدی کتاب ہے جس کا مخاطب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے ہر انسان کو بنایا ہے۔ پس یہ کتاب کسی زمانے کے ساتھ، کسی جگہ کے ساتھ، کسی قوم یا طبقے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام انس و جن کی رہبری اور بھلائی اس کا مقصود ہے۔ اس کا خطاب سب سے ہے۔ یہ سب کو ایسی باتوں کی دعوت دیتی ہے جن میں ان کے دین و دنیا کی سعادتیں مضمر ہیں۔ اس کے بیان کردہ صحیح عقائد، عبادات کے پر حکمت نظام، بلند مرتبت احکام اور اخلاقِ عالیہ ہی کے ذریعے سے ان کی زندگیاں درست اور شاہراہِ مستقیم پر گامزن ہو سکتی ہیں۔

کتاب و سنت کے نصوص اور اجماع امت کی رو سے یہ حقیقت آشکارا ہے کہ قرآن کریم کا نزول سارے عالم کے لیے ہوا ہے۔ وہ تمام آیات جو قرآن کی آفاقیت کی مظہر ہیں ان کا احاطہ دشوار ہے۔^①

① قرآن کی عالمگیریت پر دلالت کرنے والی بعض آیات ملاحظہ فرمائیں:

البقرة: 185، النساء: 174، 170، 79، 1، الأعراف: 158، یونس: 57، 104، 99، 108، يوسف: 104، بنی اسرائیل: 89، 106، 105، 94، 89، 107: 21، الحج: 73، 49، 27، 5، الفرقان: 56، 51، 50، 1، 25، الأحزاب: 46، 45، 33، سبا: 28، فاطر: 24، 35، ص: 87، 38، القلم: 68، التکویر: 27، 81

بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن کی عالمگیریت بیان کرنے والی آیات تین سو پچاس سے بھی زیادہ ہیں۔^①

یہاں ہم تین مقامات پر آنے والی ایک ہی آیت بیان کرتے ہیں جو بڑی وضاحت سے ثابت کرتی ہیں کہ قرآن کریم سارے جہانوں کے لیے نصیحت ہے:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝﴾

”یہ تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔“^②

اس آیت کے الفاظ اور اس کے انداز بیان پر غور کرنے والا فوراً سمجھ جائے گا کہ قرآن سارے عالم کی رہنمائی کے لیے آیا ہے۔ بعض علمائے تفسیر نے اس آیت سے حسب ذیل امور اخذ کیے ہیں:

❖ یہ آیات صیغہ حَصَر ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا﴾ کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔^③

پس یہ حَصَرِ صیغہ قرآن کریم کے متعلق ہر اس صفت کی نفی کر دیتا ہے جو قرآن کی عالمگیریت کے خلاف ہے اور قرآن کی عالمگیریت کو پوری وضاحت کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔

❖ یہ قرآن پورے عالم کو اس اعتبار سے نصیحت کرنے والا ہے کہ اس کے مخاطب تمام

انسان اور تمام جنات ہیں۔ پس وہ ان سب کو نصیحت کرتا اور ان کو وہ باتیں بتلاتا ہے

جن کے وہ سب محتاج ہیں، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی، حتیٰ کہ خاندانی سطح اور

ایوان حکومت میں فرمانروائی کی سطح پر بھی، زندگی کے ہر معاملے میں اور ہر سطح پر قرآن

پوری رہنمائی کرتا ہے۔

① دلالة أسماء سور القرآن الكريم من منظور حضارى، الدكتور محمد خليل جيجك،

ص: 132

② يوسف 12: 104، ص 38: 87، التکویر 81: 27

③ التحرير والتنوير: 17/ 125

اور ﴿لِلْعَالَمِينَ﴾ کا لفظ عام ہے جو تمام انسانوں اور جنوں کو شامل ہے، چاہے وہ نبی ﷺ کے زمانے کے ہوں یا آپ کے بعد قیامت تک آنے والے ہوں۔^①

﴿لِلْعَالَمِينَ﴾ جمع مُعَرَّف باللام (الف، لام کے ساتھ بطور معرفہ) ہے جو استغراق یعنی کُل کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ پس عربی زبان میں وہ جمع جو مُعَرَّف باللام ہو، بکثرت استعمال ہوتی ہے۔ اور ”عالم“ کا لفظ عَالَمِينَ کا واحد ہے، پس یہ لفظ عام ہے جو کائنات کی ہر چیز کا احاطہ کرتا ہے۔ لیکن جب اس کی جمع واو اور نون کے ساتھ بنائی جائے گی تو پھر یہ صرف ذی عقل کے لیے خاص ہو جائے گی، یعنی اس سے مراد صرف انسان اور جن ہوں گے۔

اس اعتبار سے ﴿لِلْعَالَمِينَ﴾ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن عظیم تمام ذی عقل انسانوں اور جنوں کے لیے نصیحت ہے، چاہے وہ کسی بھی جگہ کے ہوں یا کسی بھی زمانے کے ہوں، یا کسی بھی طبقے اور قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس میں کسی جگہ کی تخصیص ہے نہ زمانے کی، کسی طبقے کی تخصیص ہے نہ کسی قوم کی۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«لَفِظُ الْعَالَمِينَ يَتَنَاوَلُ جَمِيعَ الْمَخْلُوقَاتِ، فَذَلَّتِ الْآيَةُ عَلَى أَنَّهُ رَسُولٌ لِلْخَلْقِ عَامَّةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

”عالمین کا لفظ تمام مخلوقات کو شامل ہے۔ پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ قیامت تک آنے والی تمام مخلوق کے لیے رسول ہیں۔“^②

چند اور آیات، جو قرآن عظیم کی عالمگیریت کی صراحت کرتی ہیں، درج ذیل ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۝﴾

① تفسیر ابی حیان: 480/6 و تفسیر ابن عطیہ: 199/4 ② التفسیر الکبیر: 40/24

”وہ ذات بڑی ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بنے۔“^❶

اور فرمایا:

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ذَكَرْنَاهُ فَأَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۝﴾

”اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں ہر مثال (بار بار) پھیر پھیر کر بیان کی ہے، پھر بھی اکثر لوگ ناشکرے ہوئے بغیر نہیں رہتے۔“^❷

مزید فرمایا:

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝﴾

”اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثال بیان کی ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔“^❸

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝﴾

”اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔“^❹

مزید فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهِ ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝﴾

”بلاشبہ ہم نے لوگوں کے لیے آپ پر (یہ) کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ سو جس

❶ بنی اسرائیل 89:17

❷ الفرقان 1:25

❸ الانبیاء 21:107

❹ الزمر 27:39

نے ہدایت پائی تو اپنے ہی بھلے کے لیے اور جو گمراہ ہوا، تو بس اس کی گمراہی (کا وبال) اسی پر ہے، اور آپ ان کے ذمے دار نہیں۔“^۱

امام ابن قیم رحمہ اللہ آیت مبارکہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ کی آفاقت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت کی بابت دو قولوں میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر (رحمت عام کی بشارت) ہے۔ اس اعتبار سے اس عموم کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت: نبی ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی فیض رساں رسالت و نبوت سے سارے جہان والوں کو فائدہ پہنچا ہے۔

آپ پر ایمان لانے والوں کو اس اعتبار سے زبردست فائدہ ہوا کہ وہ آپ کی اتباع کی بدولت دین و دنیا کی سعادتوں کے مستحق قرار پائے۔

اسی طرح آپ سے برسرِ پیکار دشمنوں کو اس لحاظ سے فائدہ پہنچا کہ جو کفار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، ان کا جلدی مرجانا ان کے لیے خیر کا باعث ہوا، اس لیے کہ وہ جتنی زیادہ دیر زندہ رہتے، ان کے گناہوں میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جو آخرت میں ان کے لیے عذاب کی شدت میں اضافے ہی کا باعث بنتا۔ پس ان کا بحالتِ کفر لمبی عمر گزارنے کے مقابلے میں نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے ہاتھوں مرجانا ان کے حق میں بہتر رہا۔

اسی طرح جن کافروں نے آپ سے جنگ کے برعکس صلح و آشتی سے رہنا پسند کیا، وہ دنیا میں آپ سے معاہدہ کر کے آپ کے سائے اور ذمے داری میں رہے۔ اس عہد کی بدولت وہ لڑنے والے کافروں کے مقابلے میں نسبتاً بہتر رہے۔

حتیٰ کہ منافقین کو بھی نبی ﷺ کی عالمگیر رحمت سے فائدہ پہنچا۔ ان کے اظہارِ ایمان سے ان کی جان، مال اور اہل و عیال سب کچھ محفوظ ہو گیا اور وراثت وغیرہ میں ان پر مسلمانوں

والے احکام ہی لاگو ہوئے۔

یہ تو وہ لوگ تھے جو نبی ﷺ کے قریب تھے، یعنی براہ راست کسی نہ کسی طریقے سے آپ کے آس پاس تھے۔ یہ لوگ یا تو آپ کے پیروکار مومن تھے، یا آپ سے برسرِ پیکار۔ وہ آپ کے کھلم کھلا دشمن کافر تھے، یا صلح پسند کافر تھے جنہوں نے آپ سے جنگ کے بجائے معاہدہ صلح کر کے امن و عافیت کے ساتھ رہنا پسند کیا، یا پھر وہ منافق تھے جنہوں نے صرف زبان سے ایمان کا اظہار کیا تھا جبکہ وہ مخلص اور سچے مسلمان نہیں تھے۔ ان سب کو مذکورہ طریقے سے نبی ﷺ کی عالمگیر رحمت سے فائدہ پہنچا۔

رہ گئے وہ لوگ جن کا براہ راست آپ سے کوئی تعلق نہیں تھا، وہ دور دراز کے دوسرے علاقوں اور ملکوں کے رہنے والے تھے، ان کو آپ کی رسالت سے یہ فائدہ پہنچا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کی وجہ سے اہل زمین سے عذابِ عام اٹھا لیا۔ یوں ساری دنیا کو آپ کی رسالت سے فائدہ پہنچا۔

❖ دوسری صورت: نبی ﷺ ہر ایک کے لیے رحمت ہیں۔ مومنوں نے اس رحمت کو قبول کیا اور اس سے دنیا و آخرت میں فائدہ اٹھایا جبکہ کفار نے اس رحمت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے باوجود وہ رحمت سے خارج نہیں ہوئے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کہا جائے کہ ”اس مرض کی یہ دوا ہے۔“ اب اس مرض میں مبتلا مریض اگر یہ دوا استعمال نہیں کرے گا، تو کیا وہ دوا اس مرض کی دوا ہی نہیں رہے گی؟ وہ دوا تو بدستور اس مرض کی دوا رہے گی، چاہے کوئی مریض اسے استعمال کرے یا نہ کرے۔ استعمال کرے گا تو فائدہ اٹھائے گا، نہیں کرے گا تو یقیناً اس کا اپنا نقصان ہوگا، لیکن اس کے مسترد کرنے سے دوا کی تاثیر ختم نہیں ہوگی۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں ایسے کلمات اور ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں جن میں بلا تخصیص تمام انسانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس میں کسی قوم یا طبقے کی تخصیص ہے نہ زمان و مکان کی۔

یہ اس امر کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ قرآن کا نزول پورے عالم کے لیے اور اس کے احکام ابد تک کے لیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خطاب میں عموم ہے تخصیص نہیں، اطلاق ہے تنقید نہیں۔ اس میں تخصیص و تحدید اور تنقید بہت کم ہے جیسے محدود جگہوں، خاص زمانوں اور معین اشخاص کا ذکر۔ جب بھی قرآنی بیان میں کسی خاص صفت کے تذکرے کی ضرورت پیش آتی ہے، تو قرآن ان میں بھی صفات عام کا اسلوب پسند کرتا ہے جیسے مومنین، متقین، صالحین، صابرين، کافرین، منافقین، غافلین، ظالمین، کاذبین وغیرہ، جس میں کسی خاص قوم یا طبقے کا ذکر نہیں ہوتا، یعنی یہ نہیں ہوتا کہ جازی لوگوں، مکی لوگوں یا مدنی لوگوں کا یہ کردار ہے وغیرہ۔ اس طرح الفاظ کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے، لہذا قرآن نے یہ انداز بیان اختیار نہیں کیا۔

بطور مثال آیاتِ اَلْک، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی سے متعلقہ آیات، پر غور کریں جو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے ہی میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں بہتان تراشوں کا ذکر تو ہے لیکن اس میں کسی کے خاص نام، نسب یا قرابت وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔ قرآن کے اسی انداز بیان سے کہ وہ اکثر و بیشتر اپنے دلائل و اطلاقات میں خصوص کے بجائے عموم کو پسند کرتا ہے، علمائے اصول و فقہ نے ان آیات کے بارے میں جو کسی خاص سبب سے نازل ہوئیں، یہ قاعدہ وضع کیا ہے کہ (الْعَبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ) ”لفظوں کے عموم کا اعتبار ہوگا، نہ کہ خاص سبب کا“، یعنی الفاظ کے اعتبار سے مفہوم و معنی میں جس قدر وسعت ہوگی، وہ معتبر ہوگی، اسے کسی ایک واقعے کے ساتھ (جس کی وجہ سے اس کا نزول ہوا ہو) مخصوص نہیں کیا جائے گا۔

قرآن عظیم کی عالمگیریت اس امر سے بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں قصص و امثال کے سلسلے میں جو فوائد بیان ہوئے ہیں، وہ ﴿لِّلنَّاسِ﴾ ”لوگوں کے لیے“ کے الفاظ میں معرف باللام اور بصیغہ جمع بیان ہوئے ہیں جو گل کا مفہوم دیتے ہیں جیسا کہ ماہرین لغت عربی کے

ہاں معروف ہے۔^①

قرآن کریم کا دیگر الہامی کتابوں کی تصدیق اور نگرانی کرنا

❖ لغت میں ”مُصَدِّق“ کے معنی: لفظ ”مُصَدِّق“ تصدیق سے اسم فاعل ہے جس کے لغوی معانی حسب ذیل ہیں:

کسی چیز کی صداقت کا اعتراف کرنا ❖ کسی چیز کا اثبات و اقرار کرنا ❖ کسی چیز کی صداقت پر دلالت کرنا^②

❖ هَيِّمَنَّ کے لغوی معنی: هَيِّمَنَّ کے لغوی معانی حسب ذیل ہیں:

❖ غلبہ و تسلط ❖ نگرانی کرنا ❖ یاد کرنا ❖ گواہی دینا^③

قرآن عظیم کا یہ وصف کہ وہ کتب الہیہ کا مُہَيِّمَن اور مُصَدِّق ہے، اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ:

① ان کتابوں پر ”مُسَيِّطِر“ یعنی نگران ہے، ان معنوں میں کہ وہ ان پر حاکم اور ان کی بابت قاضی (فیصلہ کرنے والا) ہے۔ جب وہ کتابیں غلو اور باطل کی طرف مائل ہوتی ہیں، تو قرآن ان کا انحراف واضح کر کے اسے اس باطل سے دور کرتا ہے، مثلاً قرآن عیسائیوں کے اس زعم باطل کی تردید کرتا ہے جو انھوں نے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَا كِلَيْنِ الظَّالِمَاتِ أَنْظُرْ كَيْفَ تُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ

① دلالة أسماء سور القرآن الكريم من منظور حضاری، ص: 137-141

② لسان العرب: 10/195 مادة: صدق

③ المعجم الوسيط، ص: 105 مادة: هيمن

ثُمَّ انْظُرْ اَنِّي يُؤْفَكُونَ ﴿٥﴾

”مسح ابن مریم نہیں ہیں مگر ایک رسول ہی۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اور ان کی ماں صدیقہ (نہایت راست باز) تھی۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان کے لیے کیسی کیسی نشانیاں بیان کرتے ہیں، پھر دیکھو وہ کدھر الٹے پھیرے جاتے ہیں۔“

② ان کتابوں پر نگران ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن پچھلی کتابوں کی بیان کردہ خبروں کی تصحیح کرتا اور ان کے حقائق کو بے غبار کر کے پیش کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی بابت قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط﴾

”حالانکہ انھوں نے اسے قتل کیا، نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔“

اس میں عیسائیوں کے اس زعم باطل کا رد ہے کہ مسیح علیہ السلام سولی پر چڑھا کر قتل کر دیے گئے تھے۔ پس قرآن نے ان کتابوں کی نگرانی کی اور مذکورہ آیت میں وضاحت فرمادی کہ یہ خبر، جو عیسائیوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر تحریف شدہ انجیل میں شامل کر دی تھی، عیسائیوں کے باطل خیالات کا حصہ ہے۔ یہ ان باتوں میں سے نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں۔

③ قرآن کا ان کتابوں کا محافظ ہونا یہ مفہوم تقریباً سابقہ مفہوم کے ہم معنی ہے۔

④ قرآن ان پر گواہ ہے اس اعتبار سے کہ وہ ان کی صحیح باتوں کی گواہی دیتا اور ان کا اثبات کرتا ہے۔ یوں وہ ان کی اصل باتوں کو برقرار رکھتا اور ان میں بیان کردہ حقیقتوں کی گواہی دیتا ہے۔

⑤ قرآن پچھلی کتابوں پر امین ہے، یعنی قرآن ان کتابوں کی بابت جو کچھ بتاتا ہے یا قرآن

میں بیان کردہ جو باتیں ان کتابوں میں موجود ہیں، وہ صحیح اور برحق ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ ان کے ماننے والوں کے اوہام ہیں، وہ باطل ہیں جنہیں سچ نہیں سمجھا جاسکتا۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

«الْقُرْآنُ أَمِينٌ عَلَىٰ مَا قَبْلَهُ مِنَ الْكِتَابِ، فَمَا أَخْبَرَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ كِتَابِهِمْ، فَإِنْ كَانَ فِي الْقُرْآنِ فَصْدُوقُوا، وَإِلَّا فَكَذُّبُوا»

”قرآن پچھلی کتابوں پر امین ہے، پس اہل کتاب اپنی کتابوں میں سے جو کچھ بیان کریں، دیکھو، اگر وہ قرآن میں ہے تو اُسے مان لو، ورنہ جھٹلا دو۔“^①

⑥ قرآن پچھلی کتابوں کے سچ ہونے کا اعتراف کرتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو اس نے اپنے رسولوں پر اتاری تھیں، علاوہ ازیں وہ ان صحیح عقائد کو بھی اور ان اصول و کلیات کو بھی، جن کی بابت ارباب دانش میں کوئی اختلاف نہیں، تسلیم کرتا ہے جیسے خیر و رشد اور نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، انصاف کا قیام اور احقاقِ حق وغیرہ۔

⑦ قرآن پچھلی کتابوں کی حق باتوں کی تائید کرتا ہے، ان معنوں میں کہ ان کتابوں میں جو صحیح عقائد اور خبریں بیان ہوئی ہیں، قرآن ان سے اختلاف نہیں کرتا۔

⑧ قرآن ان کی سچائی پر دلالت کرتا ہے، یعنی وہ بتاتا ہے کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور ان کی بیان کردہ صحیح خبریں برحق ہیں، مثال کے طور پر کتب سابقہ میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوش خبری بھی دی گئی ہے۔ پس قرآن عظیم ان کتابوں میں مذکورہ باتوں کی تصدیق کرتا اور ان اوصاف کو تسلیم کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کتابیں ان باتوں کے بیان کرنے کی حد تک یقیناً صحیح ہیں اور ان کا اللہ کی طرف سے

نازل شدہ ہونا بھی مسلم ہے۔^❶

گزشتہ الفاظ کے معانی پر غور کرنے والا فوراً یہ محسوس کر لے گا کہ یہ سب قریب المعنی الفاظ ہیں، تاہم اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر نکات وہ ہیں جن کی بابت قرآن کی بہت سی نصوص وارد ہوئی ہیں اور ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔^❷

ان آیات یا ان میں سے بعض آیات سے غالی اسلام دشمن مستشرقین اور عیسائی پادریوں نے استدلال کیا ہے اور یہ گمان ظاہر کیا ہے کہ پچھلی کتابیں منسوخ نہیں ہوئیں اور وہ تحریف سے بھی پاک ہیں، اس لیے ان کتابوں پر عمل کرنا اور قرآن پر عمل کرنا یکساں بات ہے۔
اس موضوع پر ان میں سے بعض نے کتابیں اور رسائل بھی تحریر کیے ہیں۔^❸

❶ قرآن کے سابقہ کتب الہیہ کی تصدیق کرنے کا مفہوم: گزشتہ تفصیلات کی روشنی میں قرآن عظیم کی جانب سے سابقہ آسمانی کتب کی تصدیق کرنے کے کئی مفہوم ہیں:
❶ قرآن نے اس بات کا اثبات کیا کہ گزشتہ کتابیں وحی الہی ہی پر مبنی ہیں۔ اس طرح قرآن کریم نے وحی کے وقوع کے امکان کا اثبات کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَاللُّهُمِّنْ مِنْ بَعْدِهِ﴾

❶ التفسیر الموضوعی للآیات القرآنیة المتعلقة بالكتب السماویة، الدكتور عبدالعزيز الدردیر موسی، ص 392-393

❷ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چودہ مقامات پر بیان فرمائی ہے جو حسب ذیل ہیں:

البقرة: 41، 89-91، 97، آل عمران: 3، النساء: 47، المائدة: 5، 48، الأنعام: 6، 92، یونس: 37، 112، 111، طه: 133، الشعراء: 26، 196، فاطر: 35، 31، الأحقاف: 46، 12، 30

❸ انہی میں سے ایک رسالہ: ”أبحاث المجتہدین فی الخلاف بین النصاری والمسلمین“ ہے۔ اس رسالے کا مؤلف کولایعقوب گبریل ہے۔ یہ رسالہ 1901ء میں مصر سے چھپا تھا۔

”(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جس طرح ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی کی تھی۔“^①

یہ آیت اس امر کی تصدیق کر رہی ہے کہ نزول وحی اور رسولوں کے آنے کا سابقہ سلسلہ صحیح ہے۔ اس اعتبار سے قرآن اپنے سے پہلے آئی ہوئی وحی و رسالت کا مُصَدِّق یعنی تصدیق کرنے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تَزُولُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾

”اسی نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔“^②

② قرآن نے ان اوصاف کا اثبات کیا جو گزشتہ کتابوں میں موجود ہیں، جیسے ان میں آخری پیغمبر کے وصف کا ذکر ہے اور ان میں یہ خبر بھی ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک کتاب بھی آئے گی۔ پس قرآن کا ان اوصاف کے مطابق نازل ہونا، سابقہ کتابوں کی تصدیق ہے۔

③ قرآن عظیم نے دین کے ان اصول و مقاصد کے سلسلے میں جو شریعتوں اور رسولوں کے مختلف ہونے کے باوجود جدا گانہ نہیں ہوتے، سابقہ کتابوں سے موافقت کی ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے سابقہ کتابوں کے حسب ذیل اصولوں سے اتفاق کیا ہے:

✽ اس بات کی دعوت کہ اللہ تعالیٰ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا جائے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام نقائص سے پاک اور ان تمام کمالات سے متصف ہے جو اس مقدس ذات کے لائق ہیں۔

✽ اسی طرح تمام نازل شدہ کتابیں اصولی شرائع میں متفق ہیں، جیسے نماز، زکاۃ اور روزے رکھنا وغیرہ۔ قرآن نے بتلایا ہے کہ ان عبادات کا حکم پچھلی امتوں کو بھی دیا گیا تھا،

چنانچہ روزے کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“^۱

نماز اور زکاة کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَبِأُولَئِكَ إِحْسَانًا ۖ وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۖ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۖ﴾

”اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین، رشتے داروں، یتیموں اور مسکینوں سے نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا، اور نماز قائم کرنا، اور زکاة دینا۔“^۲

اس آیت مبارکہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ شریعتوں کے بنیادی اصول تمام ادیان میں ایک جیسے رہے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا ۖ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۖ﴾

”اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جو ہم نے (اے نبی) آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا تاکید حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ

اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ تم اس دین کو قائم رکھو اور تم اس میں فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ۔^①
البتہ آسمانی کتابوں میں شریعتوں کی عملی تفصیلات ہر زمانے کے مخصوص حالات کی روشنی میں
ایک دوسرے سے مختلف بیان ہوئی ہیں، ان میں ان کے پیروکاروں کی عملی ضروریات کا خیال
بھی رکھا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے:

﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا ط﴾

”ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ بنایا۔“^②

سابقہ آسمانی کتابیں اس معاملے میں بھی متفق ہیں کہ وہ سب کی سب فضائل والے اعمال
کی دعوت دیتی ہیں اور رذائل، یعنی برے اخلاق و عادات سے روکتی اور دلوں میں گناہوں سے
نفرت پیدا کرتی ہیں۔ پس اللہ کی ہر کتاب نے عدل و احسان، راست بازی، صبر، امانت، وعدہ
پورا کرنے، رحم و کرم اور اسی قسم کے دیگر فضائل و مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے جن کے ذریعے سے
ہر زمان و مکان میں انسانیت نے شرف و سعادت کی منزلیں طے کی ہیں اور اسی طرح اللہ کی ہر
کتاب نے ظلم، خیانت، کذب، بد عہدی، سنگ دلی، خود غرضی اور اسی قسم کی دوسری تمام بری
عادوں سے اجتناب کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ بری عادتیں انسانیت کو ہلاکت و بربادی کے گڑھوں
میں دھکیل دیتی ہیں۔

④ چونکہ قرآن کریم سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس میں
وہ فضائل بھی جمع فرمادیے جو پچھلی کتابوں میں بیان نہیں ہوئے، نیز اللہ تعالیٰ نے اس میں
پچھلی کتابوں کے اصول محفوظ فرمادیے اور اس کی تصدیق کر دی۔

پس یہ قرآن عظیم پچھلی رسالتوں اور ان نصیحتوں کا جامع و کامل خلاصہ ہے، جن کا اہتمام
انسانیت کے لیے اس کے آغاز ہی سے کیا گیا، اور یہ قرآن کی عظمت کی ایک اور دلیل ہے۔

❖ قرآن کریم سابقہ کتب الہیہ کا نگران ہے: جس طرح قرآن عظیم پچھلی کتابوں کا مُصَدِّق بن کر آیا، اسی طرح وہ ان کا محافظ و نگران بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت یوں فرمائی ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾

”اور (اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، یہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس پر نگہبان ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے قول ﴿مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن عظیم پچھلی کتابوں کا نگران اور محافظ ہے، اس لیے کہ قرآن ان کے صحیح ہونے کی گواہی دیتا ہے، ان کے اصولوں اور باقی رہنے والی فروعات کا اثبات کرتا ہے اور ان کے منسوخ احکام کی وضاحت کرتا ہے، یا اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن سابقہ کتابوں کا اس لیے امین ہے کہ یہ پچھلی کتابوں میں وارد جن باتوں کے بارے میں تصدیق کرے، وہ سچ ہیں، ان کی تصدیق کی جائے گی اور جن باتوں کے بارے میں کہے کہ وہ جھوٹی ہیں تو وہ یقیناً باطل ہیں، یا ان معنوں میں قرآن ان کا محافظ ہے کہ وہ ان میں بیان کردہ عقیدہ توحید اور دین کے تمام اصول و کلیات کی قیامت تک حفاظت کرنے والا ہے، یا قرآن کریم اس مفہوم میں نگران ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ مقدس کلام پچھلی کتابوں کی صداقت پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ بتلاتا ہے کہ وہ کتابیں اللہ کی طرف سے ہیں، اس لیے کہ یہ قرآن انہی کی بیان کردہ صفات کے مطابق آیا ہے۔

❖ نگرانی اور تصدیق کا باہمی تعلق: گزشتہ تفصیلات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نگرانی کا مطلب، تصدیق کے مفہوم کے مقابلے میں زیادہ جامع، کامل اور وسیع ہے۔ اس

لیے کہ نگرانی کا مفہوم صرف یہی نہیں کہ وہ سابقہ کتابوں کے بارے میں یہ گواہی دیتا ہے کہ ان میں نازل شدہ اصول صحیح ہیں اور ان کے اصول و شرائع کی تائید کرتا ہے بلکہ وہ اس سے بڑھ کر اس امر کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ اس میں فلاں حکم منسوخ ہے، فلاں بات تحریف شدہ ہے، یا اس میں فلاں فلاں کھوٹ مل گیا ہے یا فلاں بگاڑ پیدا کر دیا گیا ہے۔

پس قرآن اس مفہوم کے اعتبار سے سابقہ کتابوں کے صحیح معانی و مطالب کی نگرانی کرنے والا ہے جو ان کتابوں میں ہیں اور اس بات کا گواہ ہے کہ وہ کتابیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ اس طرح ہیمنت (نگراں ہونے) کا مفہوم، تصدیق کے ساتھ مل جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن ان کتابوں میں کی گئی تحریف اور باطل کی آمیزش کی گواہی بھی دیتا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے ہیمنت (نگراں ہونا) تصدیق کے مفہوم سے منفرد ہو جاتا ہے۔

قرآن کی سابقہ کتابوں پر نگرانی کے دلائل و مظاہر

قرآن عظیم کی اپنے سے پہلے نازل شدہ کتابوں کی نگرانی کے متعدد دلائل و مظاہر ہیں۔ ان میں سے چند اہم دلائل درج ذیل ہیں:

❖ قرآن کا سابقہ کتابوں میں تغیر و تبدل کا اعلان: اہل کتاب کے ناپاک ہاتھوں نے ان کتابوں میں تبدیلیاں کی ہیں اور کہیں کہیں انھوں نے فاسد تاویل کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ مذموم اقدام انھوں نے صرف اپنی نفسانی خواہشات، یا اہل اقتدار کی پیروی میں، یا اپنے دشمن اور مد مقابل سے جدل و بحث میں دھوکہ دے کر برتری حاصل کرنے کے لیے کیا۔

اسی طرح قرآن نے یہ بھی بتلایا کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھی اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے اس کی نسبت اللہ کی طرف کر دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قَوْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿١٠﴾

”چنانچہ ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لے لیں، چنانچہ ان کے ہاتھوں نے جو لکھا اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے، اور جو وہ کماتے ہیں اس کی وجہ سے (بھی) ان کے لیے ہلاکت ہے۔“^{۱۰}

✽ اہل کتاب کے حق کی مخالفت میں بیان کردہ بڑے بڑے مسائل کا تذکرہ: عقائد کے اعتبار سے بطور مثال قرآن عظیم نے اس عقیدے کی نفی کی ہے جو چاروں تحریف شدہ انجیلوں میں درج ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط﴾

”حالانکہ انھوں نے انھیں قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ انھیں شبے میں ڈال دیا گیا۔“^{۱۱}
اسی طرح قرآن نے ان کے عقیدہ تثلیث اور الوہیت مسیح کو کفر قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِيْ اِسْرَآءِيْلَ اَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ط اِنَّهُ مَن يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا فِيْهَا النَّارُ ط وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ مَّ وَمَا مِنَ الْإِلٰهِ إِلَّا إِلٰهٌ وَاحِدٌ ط وَإِن لَّمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٣﴾﴾

”یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا: بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ اور مسیح نے کہا: اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے۔ بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا: بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے۔ اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں ضرور دردناک عذاب ملے گا۔“

تحریف شدہ تورات اللہ تعالیٰ کی طرف بہت سے نقائص منسوب کرتی ہے جبکہ قرآن عظیم انھیں مسترد کرتا ہے، چنانچہ قرآن نے بتلایا کہ یہود نے اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کی اور نبی ﷺ کے ہم عصر یہودیوں نے آپ ﷺ کے سامنے اللہ کی طرف فقر و بخل کی اور ”غَلَّ يَدٌ“ (ہاتھوں کے بندھے ہونے) کی نسبت کی۔ قرآن نے ان سب لغو باتوں کو باطل قرار دیا اور فرمایا:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝﴾

”اور یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ ان کافروں کی بات کی ریس کرتے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے۔ اللہ انھیں ہلاک کرے، یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔“

نیز فرمایا:

﴿لَقَدْ سَبَّحَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ۚ م
سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ
الْحَرِيقِ ۝﴾

”اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔
یقیناً ان کی یہ بات ہم لکھ لیں گے اور وہ جو نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے (وہ بھی ان
کے اعمال نامے میں درج ہے) اور (قیامت کے دن) ہم ان سے کہیں گے: اب
جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔“^۱

اور فرمایا:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۚ بَلْ يَدَاهُ
مَبْسُوطَتَانِ ۖ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ط﴾

”اور یہودیوں نے کہا: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ بندھ گئے (خود) انہی کے ہاتھ، اور
لعنت پڑی ان پر ان کے اس قول کی وجہ سے، بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے
ہیں، وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔“^۲

❖ اہل کتاب کے چھپائے ہوئے مسائل کا بیان: عہد قدیم کے ابواب کا مطالعہ کرنے
والا دیکھتا ہے کہ یہ ابواب یوم آخرت، اس کی نعمتوں اور جہنم کے تذکرے سے خالی ہیں جبکہ
بنیادی طور پر یہودی بعث و نشور، حساب کتاب اور جنت و جہنم کا اسی طرح اقرار کرتے ہیں
جس طرح قرآن ان کے بارے میں خبر دیتا ہے، چنانچہ ان کا اقرار اس بات پر دلالت کرتا
ہے کہ یوم آخرت اور اس سے متعلقہ دیگر امور ان مسائل میں سے ہیں جنہیں اہل کتاب
نے چھپایا ہے۔^۳

❶ آل عمران 181:3 ❷ المائدة 64:5

❸ الأسفار المقدسة، علی عبدالواحد وافی، ص: 29

خاتم الرسل حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بشارتوں اور آپ کی صفات کو چھپانا یا انھیں حذف کر کے ان میں تحریف کرنا، یا فاسد تاویلیں کرنا بھی ایسے ہی چھپائے گئے مسائل میں سے ہے۔ ان تمام امور کے بارے میں قرآن کریم حق مبین لے کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝﴾

”اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جنہیں تم چھپاتے تھے، اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور (حقائق) واضح کرنے والی کتاب آ گئی ہے۔“

✽ قرآن کی سابقہ کتابوں پر عمل کرنے سے ممانعت: قرآن کریم کے مقابلے میں ان کتابوں کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ قرآن کریم نے اپنی جدید اور بابرکت شریعت سے تمام خلا پر کر دیے ہیں، جبکہ ان کتابوں میں باطل سرایت کر چکا ہے اور گناہ گار ہاتھ ان کے ساتھ اپنا گھناؤنا کھیل کھیل چکے ہیں، اس لیے اب کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کتابوں سے کوئی لگاؤ رکھے یا ان کی طرف مائل ہو۔

یہ بات اس امر کے منافی نہیں کہ قرآن کریم نے ان کتابوں کے بہت سے احکام برقرار رکھے ہیں اور انھیں منسوخ نہیں کیا کیونکہ قرآن کریم نے ان احکام کا نئے سرے سے حکم دیا اور ان کا اثبات کیا ہے، لہذا ان احکامات پر ہمارا عمل ان کتابوں کی پیروی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ قرآن کریم نے انھیں تسلیم کیا ہے اور ان کا حکم دیا ہے۔

ہر وہ آیت جو شریعتوں کے متحد ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ دین کے مقاصد اور عبادات

کے اصولوں اور بنیادوں پر محمول ہوگی اور وہ آیات جو شریعتوں کے اختلاف پر دلالت کرتی ہیں وہ فروعات اور عبادات کے ظواہر سے متعلقہ امور پر محمول ہوں گی۔ پہلے اور بعد میں آنے والے تمام احکام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔^❶

گزشتہ تفصیلات کی روشنی میں یہ حقیقت آشکار ہوگئی ہے کہ قرآن عظیم کا سابقہ کتابوں کی تصدیق اور نگرانی کرنا عظمتِ قرآن کے اہم مظاہر و دلائل میں سے ہے جس سے تمام انبیاء کی کتابوں پر قرآن کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔



عظمتِ قرآن، مستشرقین کی نظر میں

عظمتِ قرآن کے عظیم الشان دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کے دشمن قرآن پر ایمان نہ رکھنے کے باوجود اس کی عظمت کی گواہی دیتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے:

(الْحَقُّ مَا شَهِدْتُ بِهِ الْأَعْدَاءُ) ”حق وہ ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں“۔ یعنی جادو وہ جو سرچڑھ کے بولے۔ دورِ قدیم اور دورِ جدید کے بہت سے کافروں نے قرآن کریم سنا ہے اور جو کچھ انھوں نے سنا ہے اس پر بڑی حیرت ظاہر کی ہے۔ مختلف مواقع، جلسوں اور کانفرنسوں میں غیر مسلم سائنسدانوں سے ہونے والی گفتگو کے دوران میں غیر مسلم سائنسدانوں نے بڑی بحث و تحقیق کے بعد دریافت شدہ علمی حقائق تسلیم کیے، پھر جب انھیں بتایا گیا کہ جس نتیجے پر تم اس قدر بحث و تحقیق کے بعد پہنچے ہو، اسے قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی صراحتاً یا اشارتاً بیان کر دیا ہے تو وہ ہکا بکارہ گئے۔ وہ اس سلسلے میں اپنی حیرت مختلف تعبیروں میں بیان کرتے ہیں، تاہم ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بلاشبہ قرآن کریم کا انسانی کلام ہونا ناممکن ہے۔^۱

ذیل میں ہم ان ممتاز اسکالرز، محققین، مغرب کے مفکرین اور دنیا کے نادر روزگار دانشوروں کی گواہی کے احوال درج کرتے ہیں:

افرانسیسی فلسفی ایکس لوزون

ایکس کہتے ہیں: ”حضرت محمد (ﷺ) نے دنیا کے لیے ایسی کتاب چھوڑی ہے جو بلاغت کا حیرت انگیز نمونہ، اخلاقیات کی دستاویز اور نہایت مقدس کتاب ہے۔ جدید علمی انکشافات میں سے کوئی مسئلہ اور انکشاف ایسا نہیں جو اسلامی بنیادوں اور عقائد کے متضاد ہو۔ اس اعتبار سے قرآن کی تعلیمات اور طبعی و سائنسی قوانین کے درمیان مکمل یکسانیت اور ہم آہنگی موجود ہے۔“^①

لوئی سیدیو

اسلام نے مختلف مسلمان قوموں کے درمیان مشترکہ زبان اور متحد احساسات کے ذریعے بندھن استوار کرنے کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں ان کی توثیق کرتے ہوئے مسٹر سیدیو کہتے ہیں:

”قابل ذکر اہم بات یہ بھی ہے کہ براعظم ایشیا میں برصغیر ہند تک اور براعظم افریقہ میں سودان تک مختلف زبانیں بولنے والی قوموں کے مابین قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جسے سب سمجھتے ہیں اور اسی قرآن نے ان متضاد اور مختلف طبیعتوں والی قوموں کو زبان اور جذبات و احساسات کے رابطے کے ذریعے سے آپس میں جوڑ دیا ہے۔“^②

① بالقرآن أسلم هؤلاء، عبدالعزیز سید الغزاوی، ص: 63 ومجلة الجامعة الإسلامية بالمدينة،

عدد: 11، محرم 1391ھ ص: 47

② تاریخ العرب العام، ص: 458

برطانوی وزیراعظم گلیڈسٹون

گلیڈسٹون نے برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے بر ملا کہا: ”جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں قرآن کریم ہے، اس وقت تک ہم مسلمانوں پر اپنا تسلط قائم نہیں کر سکتے، لہذا ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ ہم قرآن کا وجود ختم کر دیں یا اس سے مسلمانوں کا تعلق قطع کر دیں۔“

اس خیال است و محال است وجنوں..... گلیڈسٹون اور اس جیسے دیگر اسلام دشمن دانشوروں کی قرآن دشمنی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ استعمار مٹ چکا ہے اور اس کا ستارہ ڈوب گیا ہے مگر قرآن کریم دنیا کے تمام ریڈیو اسٹیشنوں، بہت سے ٹیلی ویژن چینلوں اور مسلمانوں کے گھروں میں گونج رہا ہے جہاں شب و روز اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس پر تمام تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں۔¹

جرمن مستشرق ڈاکٹر شوہبس

ڈاکٹر شوہبس کہتے ہیں: ”میرے جیسے یورپی آدمی کے اعتراف حقیقت سے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ میں نے قرآن کریم کا بڑے غور سے مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اس میں ایسے بلند مرتبہ معانی، محکم نظم و ربط اور تعجب انگیز بلاغت پائی ہے جس کی نظیر مجھے زندگی بھر کبھی نظر نہیں آئی۔ اس کا ایک ہی جملہ بڑی بڑی کتابوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ وہ سب سے بڑا معجزہ ہے جو محمد ﷺ اپنے رب سے لے کر آئے ہیں۔“²

¹ عالمیہ القرآن الکریم، الدکتور و ہبة الزحیلی، ص: 14-15

² بالقرآن أسلم هؤلاء، ص: 49

فرانسیسی محقق کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری

کاؤنٹ ہنری رسول اللہ ﷺ کی ناخواندگی اور قرآنی اعجاز کے مابین پائے جانے والے تضاد پر اظہارِ تعجب کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”بلاشبہ عقل یہ بات تسلیم کرنے میں متردد ہے کہ ایک ان پڑھ انسان کے لبوں سے قرآنی آیات کا صدور و ظہور ہو، جبکہ سارا مشرق اعتراف کرتا ہے کہ لفظی اور معنوی لحاظ سے قرآنی آیات جیسا کلام لانا محال ہے۔ پوری بنی نوع انسان اس جیسا کلام لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔“^{۱۸}

جیمز مچمز

جیمز مچمز کہتے ہیں: ”بلاشبہ قرآن کریم دنیا بھر میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ قرآن حفظ کرنے میں سب سے آسان اور اپنے (قرآن کے) اوپر ایمان لانے والے شخص کی روزمرہ زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی کتاب ہے۔ یہ عہد نامہ قدیم (تورات اور دیگر صحائف) کی طرح طویل نہیں ہے۔ یہ ایسے نفیس اور بلند پایہ اسلوب میں لکھی گئی ہے جو شعر کی نسبت نثر کے زیادہ قریب ہے۔ اس کی خصوصیات میں سے ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اسے سننے سے دل ڈرتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں اور جذبہ ایمانی میں اضافہ ہوتا ہے۔“^{۱۹}

عیسائی عرب محقق نصری سلہب

نصری سلہب نبی اکرم ﷺ کا ذکر جمیل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”آپ پڑھ سکتے تھے نہ لکھ

۱۸ القرآن الکریم من منظور غربی، دکتور عماد الدین حلیل، ص: 18

۱۹ ایضاً، ص: 60

سکتے تھے۔ ناگہاں یہ ناخواندہ شخصیت انسانیت کو ایک اثر آفریں مکتوب کی طرف دعوت دینے لگی جس کے ساتھ ہی ابتدا سے گھٹنوں کے بل چلنے والی انسانیت بلوغت کو پہنچ گئی۔ یہ مکتوب وہ قرآن کریم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے لیے اپنے رسول پر نازل فرمایا۔^①

سلہب قرآن میں پائی جانے والی گراں مایہ بلاغت و فصاحت کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے اپنا سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہتے ہیں: ”حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم ایک قابل تعریف اور حلال جادو ہے..... بلاشبہ غیر عربی یا عربی زبان سے ناواقف آدمی کے لیے محال ہے کہ وہ قرآن کریم میں پائے جانے والے جمال کا ادراک کر سکے۔“

قرآن کریم کی عالمگیریت اور پوری انسانیت سے اس کے خطاب کے بارے میں وہ کہتے ہیں: ”قرآن کریم محض مسلمانوں ہی کو مخاطب نہیں کرتا اور صرف انہی کی ضروریات پوری نہیں کرتا بلکہ وہ علی الاطلاق تمام انسانوں سے ہم کلام ہوتا ہے اور ان سب کی ضروریات کی کفالت کا اہتمام کرتا ہے..... اگر لوگ قرآن کریم کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس کے احکام اور نصیحتوں کو اپنے اندر راسخ کر لیں اور ان کے مطابق عمل کریں تو انسانیت اس حالت سے بدرجہا بہتر اور برتر ہو جائے جس حالت میں وہ اب موجود ہے۔“^②

نصری سلہب اشعار میں قرآنی تاثیر کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”کل یا آج، جب بھی ہم عربی شاعری کی امتیازی خصوصیات سے..... یعنی بیروت، دمشق، قاہرہ، بغداد، تونس یا کسی اور عرب علاقے کے شعروادب کی امتیازی خصوصیات سے..... متاثر ہوتے اور ان پر جھومتے ہیں تو درحقیقت یہ خصوصیت اور فضیلت بھی قرآن ہی کا فیضان ہے۔“^③

① فی خطی محمد، ص: 94

② ایضاً، ص: 38

③ ایضاً، ص: 344

امریکی ڈاکٹر سڈنی فشر

ڈاکٹر سڈنی قرآن کریم کی توصیف کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”قرآن کریم ایک ایسی زندہ آواز ہے جو عربی آدمی کے دل کو تسکین اور ٹھنڈک بہم پہنچاتی ہے اور جب اسے قرآن محفوظ کن خوش الحانی سے سنایا جائے تو اس کی تسکین دوچند ہو جاتی ہے۔“^①

مستشرق جارج سیل

سیل کہتے ہیں: ”بے شک قرآن کا اسلوب بہت خوبصورت، دل نشین اور نہایت رواں دواں ہے۔ قرآن کا انداز بیان بہر پہلو شیریں، خوش گوار اور باوقار ہے۔ خاص طور پر جب قرآن اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت و جلالت بیان کرتا ہے تو اس کا حسن بیان دوبالا اور نہایت باوقار ہو جاتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے اسلوب و آہنگ کے ذریعے اپنی تلاوت سننے والوں کے قلوب و اذہان کو مسخر کر لیتا ہے، چاہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔“^②

کو بولڈ

مغربی محقق کو بولڈ کہتے ہیں: ”یہ قرآن کریم ہی ہے جس نے عربوں کو دنیا کی فتح پر آمادہ کیا اور انھیں ایسی زبردست سلطنت قائم کرنے کا موقع فراہم کیا جو وسعت، قوت، تعمیر و ترقی اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے سکندر اعظم اور روما کی سلطنت سے فائق تھی۔“

① القرآن الکَرِیم من منظور غربی، ص: 65 بحوالہ الشرق الأوسط فی العصر الإسلامی،

(عن العقاد، ما یقال عن الإسلام، ص: 54)

② أيضاً، ص: 61

کو بولڈ اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں: ”قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے عربوں میں ایک نئی روح پھونکی، ان کی صفوں کو اتحاد کی لڑی میں پرو دیا اور انھیں دنیا کی فتح پر آمادہ کیا، چنانچہ انھوں نے ساری دنیا پر دھاوا بول دیا اور اس پر اپنی حکومت قائم کر لی۔“⁵¹

ڈاکٹر لورائیسیا فاغلیری

محترمہ ڈاکٹر لورائیسیا کہتی ہیں: ”بلاشبہ اسلام کی سب سے بڑی عظمت کا مظہر قرآن کریم ہی ہے..... قرآن کریم کے اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہونے کی ایک ابدی دلیل اور برہان ہمیشہ درخشاں رہے گی، یعنی یہ حقیقت کہ قرآن کریم کی ہر نص اور تمام الفاظ اس کے نزول سے لے کر آج تک طویل صدیاں گزرنے کے باوجود غیر تحریف شدہ اور اپنی اصل حالت میں بالکل صاف شفاف موجود ہیں۔ اسلامی دنیا کے طول و عرض میں روزانہ پڑھی جانے والی یہ کتاب مومن آدمی کے دل میں اہل اسلام کے مختلف و متفرق قومیں ہونے کا احساس پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کے بالکل برعکس بار بار اس کی تلاوت کرنے والے کے اخلاق و اطوار روز بروز یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس کا دل تمام مومنوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ محبت کرنے والا بن گیا ہے..... حتیٰ کہ موجودہ دور میں جبکہ ایمان کی موجوں میں پہلے جیسا تلاطم نہیں رہا، ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں لوگ قرآن کریم کو بذریعہ حفظ زبانی طرز پر دوہرانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ صرف مصر ہی میں حفاظ قرآن کی تعداد پورے یورپ میں زبانی اناجیل پڑھنے کی قدرت رکھنے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔“⁵²

اپنی اس شہادت کو نتیجہ خیز بناتے ہوئے موصوفہ کہتی ہیں: ”بے شک اسلام کی مقبولیت اور

51: البحت عن الله، ص: 51

52: دفاع عن الإسلام، ص: 30-32

وسیع پھیلاؤ کو قوت سے روکا جاسکتا ہے نہ مسیحی مبلغین کی مسلسل کوششوں سے اسے لگام دی جاسکتی ہے۔ درحقیقت جو چیز اسلام کی اشاعت کا سبب بنی ہے وہ یہی کتاب ہے جو فی الواقع کلمہ برحق اور اللہ کی کتاب ہے۔ اسے مسلمانوں نے مغلوب و مفتوح قوموں کے آگے رکھا اور انھیں اسے قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دے دیا۔“^①

موسیو بیرک

موسیو بیرک نے انگلستانی پارلیمنٹ میں ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے کہا: ”بے شک تاریخ جن قوانین کو جانتی ہے ان میں سب سے زیادہ محکم، زیادہ قابل فہم اور زیادہ رحم والی تعلیمات قرآن کریم کی ہیں۔“^②

ہرشفیلڈ

مسٹر ہرشفیلڈ کہتے ہیں: ”قابل کرنے، فصاحت و بلاغت اور جملوں کی ترکیب کے لحاظ سے قرآن کریم کی کوئی نظیر نظر نہیں آتی اور اسلام کے ہر شعبہ زندگی میں مختلف علوم کے فروغ پانے کا کمال بھی قرآن ہی کا مرہون منت ہے۔“^③

لبنانی عیسائی ڈاکٹر جارج حنا

ڈاکٹر جارج حنا قرآن کریم کی توثیق کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”بے شک اس بات کا اقرار ضروری ہے کہ قرآن کریم یقیناً دین اور قانون کی کتاب ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر یہ فصیح اور

① دفاع عن الإسلام، ص: 59

② ایضاً، ص: 63

③ التریبۃ فی کتاب اللہ، محمود عبدالوہاب، ص: 52-53

بلغ عربی زبان کی کتاب ہے۔ عربی زبان کو فروغ دینے میں قرآن کریم کو بہت عظیم فضیلت حاصل ہے۔ ائمہ لغت خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی، وہ کسی کلمے کی بلاغت اور اس کا حسن بیان جاننے کے لیے عرصہ دراز سے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے چلے آ رہے ہیں۔

پس مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہے کہ لغت قرآن کی صحت، درستی اور اس میں غلطی و خطا کے احتمال کا نہ ہونا، قرآن کریم کے حتمی طور پر منزل من اللہ ہونے کی وجہ سے ہے تو مسیحی اہل لغت بھی اسے منزل من اللہ تسلیم کرنے سے قطع نظر اس کی لغت کے صحیح اور درست ہونے کے معترف ہیں..... جب بھی لغوی امور میں کوئی مشکل درپیش ہو تو وہ قرآن کریم کی صحیح لغت سے سند حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔“^۱

ولیم جیفر ڈی بیلگراف

وہ قرآن کریم کے زوال کی تمنا کرتے ہوئے کہتا ہے: ”جب قرآن کریم اور مکہ مکرمہ بلاد عرب سے پس پردہ چلے جائیں گے تو پھر ہمارے لیے اس بات کا امکان ہے کہ عربی لوگوں کو حضرت محمد ﷺ اور ان کی کتاب سے کٹ کر مغربی تہذیب و تمدن کے رستے پر درجہ بدرجہ گامزن دیکھیں۔“^۲

الجزائر کا فرانسیسی گورنر

الجزائر پر ناجائز قبضے کی صد سالہ تقریب کے موقع پر فرانسیسی گورنر نے کہا: ”جب تک الجزائری مسلمان قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور عربی زبان بولتے رہیں گے ہم ان پر غلبہ نہیں

۱ قصۃ الإنسان، ص: 79-80

۲ خصائص القرآن الکریم، ص: 217، عن جذور البلاء، عبد اللہ التل، ص: 201

پا سکتے، لہذا ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم قرآن کریم کا وجود منادیں، مسلمانوں کو قرآن سے محروم کر دیں اور ان کی زبانوں سے عربی نکال کر اس کا قلع قمع کر دیں۔^❶

افرانسیسی وزیراعظم لاکوسٹ

جب وہ الجزائر کے شہسوار مجاہدوں سے عاجز آ گیا تو اس نے کہا: ”میں کیا کر سکتا ہوں؟ قرآن کریم تو فرانس سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔“^❷

یہ قرآن کریم کے دشمنوں اور غیر مسلم دانشوروں کی قرآن عظیم کے متعلق چند شہادتیں ہیں جو ان کے باطن کی آواز ہے۔ یہ شہادتیں تین امور میں سے ایک سے خالی نہیں:

❶ بعض دانشور قرآن عظیم کو اپنے اور مسلمانوں کے مابین اور مسلمانوں کو نصرانی بنانے کی راہ میں سدِ سکندری سمجھتے ہیں، لہذا انھوں نے صاف صاف اپنی ناکامی کا اعلان اور اپنی شکست کا اعتراف کیا ہے۔

❷ بعض دانشوروں نے مسلمانوں کی قوت کا راز طشت از بام کیا ہے اور اپنی قوم کو تاکید کی ہے کہ مسلمانوں کو قرآن کریم سے دور رکھا جائے۔

❸ بعض اصحاب دانش نے انصاف سے کام لیا ہے اور قرآن عظیم کی فضیلت اور بلند مرتبے کا اعتراف کیا ہے۔

جب قرآن کریم سے جھگڑنے اور دشمنی رکھنے والے اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا تمام مسلمانوں کا بدرجہ اولیٰ یہ فرض نہیں کہ وہ اسے مضبوطی سے تھام لیں، اسے اپنے راستے کا مینار، اپنی زندگی کی بقا کا ذریعہ، اپنی عقلوں کی لگام، اپنے دلوں کی بہار، اپنی بیماریوں کا علاج

❶ قادة الغرب يقولون، جلال العالم، ص: 31 عن مجلة المنار، عدد: 9-11، 1962ء

❷ أيضا، ص: 51، عن جريدة الأيام، عدد: 7780 بتاريخ 6 كانون اول 1962ء

اور اپنے معاملات کی حفاظت کا وسیلہ بنالیں؟ ہم تمام مسلمانوں سے اسی امر کے خواستگار
اور امیدوار ہیں۔



قرآن کے اسماء و صفات کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب کو کئی رفیع الشان ناموں سے موسوم اور نہایت جلیل القدر صفات سے متصف کیا ہے۔ یہ اسماء اور صفات قرآن کے شرف اور اس کے مقام و منزلت کے اعتبار سے پورے قرآن کریم کے عین مطابق اور شایان شان ہیں کیونکہ اسماء و صفات کی کثرت موسوم اور موصوف کے شرف پر دلالت کرتی ہے، نیز یہ کثرت اس امر کی بھی دلیل ہے کہ تمام نفع بخش علوم اور دنیا و آخرت کی بھلائی والے فنون کی بنیاد یہی قرآن کریم ہے۔

چنانچہ ہم پر واجب ہے کہ جب ہم قرآن کریم کی تلاوت کریں اور اس کے معانی پر غور کریں تو ہم ان اسماء، صفات اور امتیازی علامات پر بھی نگاہ رکھیں اور جو آیات یہ علامات نمایاں کرتی ہیں ان کا دیر تک بغور مطالعہ کریں تاکہ ہم حتی المقدور ان اسماء و اوصاف کے مفہیم کی گہرائی تک پہنچ سکیں اگرچہ ان کی وسعت کا ادراک انسانی بصیرت کے ذریعے سے ناممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اس کے کلام کو جاننے والا کوئی نہیں۔ کتاب اللہ کی توصیف کرنے والوں نے جتنا بھی مبالغہ کیا ہے اور جن امور پر قرآن کریم مشتمل ہے، ان کے اوصاف کے بیان میں جس قدر بھی تنوع اور بوقلمونی پیدا کی ہے، رب کائنات کی قسم! اللہ تعالیٰ ان سب

سے فائق اور عظیم تر ہے۔

ذیل میں ہم قرآن عظیم کے چند خاص خاص اور اہم اسماء و صفات پیش کرتے ہیں:

اسمائے قرآن کی عظمت

﴿الْفُرْقَانُ﴾: اللہ تعالیٰ نے اپنی بابرکت کتاب کی چار آیات میں قرآن کریم کا نام ”الفرقان“

رکھا ہے۔ یہ آیات درج ذیل ہیں:

﴿اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لَیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۝﴾

”وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا، تاکہ

وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بنے۔“ ﴿۱﴾

﴿اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝﴾

”اور اسی نے فرقان (قرآن) نازل کیا۔“ ﴿۲﴾

﴿ارشاد ربانی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ

الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۝﴾

”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے

ہدایت ہے اور اس میں واضح ہدایت اور فرقان (حق کو باطل سے جدا کرنے والی

دلیلیں) ہیں۔“ ﴿۳﴾

ﷻ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَرَأْنَا قُرْآنَهُ لِيَتَفَرَّكَ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝﴾

”اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا اتارا تاکہ آپ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں، اور ہم نے اسے بتدریج ہی نازل کیا ہے۔“

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حضرت علی، ابن عباس، ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اور قتادہ اور شعبی رضی اللہ عنہما نے (فَرَقْنَاهُ) کو ”ز“ کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو یکبارگی نہیں بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے بتدریج نازل کیا ہے۔“

اور جمہور نے (فَرَقْنَاهُ) ”ز“ کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی ہم نے اس قرآن کو کھول کھول کر بیان کر دیا، اس کی وضاحت کر دی اور اس میں حق و باطل کے درمیان واضح تفریق کر دی ہے۔

مفسرین نے قرآن کریم کے نام ”فرقان“ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کئی اقوال بیان کیے ہیں:

ﷻ قرآن کریم کا نزول متفرق طور پر ہوا ہے، اس لیے اس کا نام فرقان رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم تقریباً 23 سال میں نازل فرمایا جبکہ باقی آسمانی کتب یکبارگی نازل ہوئیں۔ اس قول کی تائید (فَرَقْنَاهُ) ”ز“ کی تشدید والی قراءت کرتی ہے۔

ﷻ قرآن کریم کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ بلاشبہ یہ کتاب حق و باطل، حلال و حرام، مجمل اور مفصل، خیر و شر، ہدایت و گمراہی، رشد و بے راہ روی، خوش بختی و بد بختی، مومنین اور کفار، سچے اور جھوٹے، عدل و انصاف کرنے والوں اور ظالموں کے درمیان فرق اور امتیاز کرنے

والی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام بھی فاروق رکھا گیا۔

ابن عاشور رحمۃ اللہ علیہ فرقان کے ساتھ قرآن کا تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قرآن کریم کو ”فرقان“ کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ حق و باطل کے درمیان کثرت کے ساتھ فرق اور امتیاز کرنے میں قرآن کریم سابقہ آسمانی کتابوں سے ممتاز ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم اپنی ہدایت کو دلائل اور مثالوں سے تقویت دیتا ہے۔ توحید اور صفات الہیہ کے بیان پر مشتمل قرآن ہی حق و باطل کے مابین اس امتیاز کو سمجھنے کے لیے کافی ہے، اس لیے کہ آپ تورات و انجیل میں اس بیان کی نظیر نہیں پاسکیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾

”اس جیسی کوئی چیز نہیں۔“^①

قرآن کریم زندگی کے مختلف مناہج (نظاموں) اور انسانیت کے مختلف ادوار میں تفریق کرنے والا ہے۔ وہ ایسا واضح منہج (نظامِ حیات) اور اسلوب زندگی متعین کرتا ہے جو ایسے کسی منہج سے مطابقت نہیں رکھتا جسے انسانیت اس سے پہلے جانتی تھی۔ اس وسیع و عظیم مفہوم میں وہ ”فرقان“ ہے۔ وہ ایسا فرقان ہے جس کی بدولت مادی خرق عادت (خلافِ فطرت) واقعات کے دور کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور عقلی معجزات کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ مخصوص علاقے اور مقررہ مدت تک محدود رسالتوں کا دور ختم ہوتا ہے اور رسالت عامہ کا دور شروع ہوتا ہے۔^②

فرمایا:

﴿لَيَكُونَنَّ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾

”تا کہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بنے۔“^③

① الشوریٰ 11:42 - التحرير و التنوير: 71/1

② تفسير في ظلال القرآن 2547/5

③ الفرقان 1:25

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ”فرقان“ کا مطلب نجات ہے۔ یہ قول عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ کا ہے۔ ان کے نزدیک یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ مخلوق پر گمراہیوں کی تاریکی چھائی ہوئی ہے اور وہ قرآن کی روشنی ہی میں نجات پاسکتی ہے۔ مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو انہی معنوں پر محمول کیا ہے:

﴿وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ٥٠﴾

”اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان (حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا قانون) دیا تاکہ تم ہدایت پاؤ۔“^۱

”فرقان“ کی وجہ تسمیہ: قرآن کریم کو اس لیے ”فرقان“ کہا گیا ہے کہ یہ تقریباً 23 سال کے عرصے میں متفرق طور پر نازل ہوا، جبکہ باقی کتب الہیہ اپنے اپنے وقت میں یکبارگی نازل ہوئیں، یا قرآن کو اس لیے فرقان سے موسوم کیا گیا کہ یہ حق و باطل کے درمیان تفریق کرتا ہے، یا اس لیے کہ اس میں گمراہیوں کے اندھیروں سے نجات ہے۔ بہر حال خواہ کوئی بھی سبب ہو یہ معانی کا تنوع ہے جو صریح طور پر قرآن کریم کی عظمت، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی رفیع الشان منزلت اور نہایت بلند شان و شوکت پر دلالت کرتا ہے۔

﴿الْبُرْهَانُ﴾: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کی ایک آیت میں قرآن کریم کا نام ”البرہان“ یعنی ”دلیل“ رکھا ہے۔ وہ آیت مبارکہ یہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ﴾

”اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک دلیل آگئی ہے۔“^۲

یہ تمام اہل مذاہب، یہود و نصاریٰ اور مشرکین وغیرہ سے خطاب عام ہے۔ بے شک اللہ

۱ البقرة: 2: 53، التفسير الكبير للرازي 14/2

۲ النساء: 4: 174

نے اس قرآن عظیم کے ذریعے سے ان پر ایسی حجت قائم کر دی ہے جو ان کے منسوخ ادیان کے باطل ہونے کا ثبوت مہیا کرتی ہے جن پر وہ قائم ہیں۔ یہ حجت عقلی و نقلی دلائل اور آفاقی نشانیوں پر مشتمل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ط﴾

”جلد ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق (دنیا) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی دکھائیں گے حتیٰ کہ ان کے لیے واضح ہو جائے گا کہ بے شک یہ (قرآن) حق ہے۔“¹

تنہا قرآن عظیم ہی رسالت کے دعوے میں رسول کی سچائی کی برہان کے طور پر کافی ہے۔² پس قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے برہان ہے۔ اس کے ذریعے سے اللہ نے ان پر حجت قائم کر دی ہے۔ عقیدے اور زندگی کے بارے میں قرآن کریم کے موضوعات، معانی اور حقائق پر سب سے واضح اور قوی دلائل قرآن کریم ہی کے ذریعے سے ظاہر کیے گئے ہیں..... جو شخص بھی قرآن کریم کے سہل اور واضح دلائل دیکھتا ہے، اس کا دل اور عقل ان دلائل سے متاثر ہوتے ہیں، پھر وہ ان قرآنی دلائل کا موازنہ، ان دلائل، براہین اور قیاسات کے ساتھ کرتا ہے جنہیں انسانی عقلوں نے وجود بخشا اور موزوں قرار دیا۔ جو شخص بھی اس عمل سے گزرے گا وہ قرآنی برہان کے سہل اور واضح ہونے کا ادراک کر لے گا۔³

قرآن کریم کا نام ”برہان“ رکھنے سے اس کی عظمت اور رفیع الشان مقام نمایاں ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے اپنے بندوں پر ایسی حجت قائم کر دی ہے جو ان کے منسوخ ادیان کے باطل ہونے کا ثبوت ہے۔ یہ حجت استدلال کے معاملے میں متنوع ہے تاکہ انسانی عقل، فہم و فراست اور ثقافتوں کے مختلف ہونے کے باوجود لوگ اس حجت کو مکمل

1 حَمَّ السَّحْدَةِ 41: 53

2 فتح القدیر: 1/542 وأضواء البيان: 7/79-80 و تفسیر السعدی: 1/217

3 مفاتیح للتعامل مع القرآن، ص: 34

طور پر سمجھ لیں، اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت اور حکمت ہے۔

﴿الْحَقُّ﴾: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر قرآن کا نام ”الحق“ بھی بیان کیا ہے۔
 ﴿اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴾

﴿وَأِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ۝﴾

”اور بے شک یہ حق یقین ہے۔“^۱

”یعنی قرآن کریم کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق ہونے کی وجہ سے اس کے قریب کوئی شک پھٹکتا ہے نہ اس کے بارے میں دل میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے۔“^۲

﴿اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴾

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۝﴾

”بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے، پھر یکا یک وہ (باطل) ملیا میٹ ہو جاتا ہے۔“^۳

امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں: ہم قرآن کریم کے برحق دلائل ان کے باطل عقیدے پر دے مارتے ہیں۔^۴

(الْقَذْفُ) کا معنی ”پھینکنا“ ہے یعنی ہم حق کو باطل پر پھینکیں گے ﴿فَيَدْمَغُهُ﴾ تو وہ اسے ہلاک کر دے گا۔

(الْدَّمَغُ) کے حقیقی معنی ہیں: سر کو اس قدر زخمی کرنا کہ زخم دماغ کے اندرونی حصے تک پہنچ جائے۔

۱ الحاقة 51:69

۲ فتح القدیر للشوکانی 5/401

۳ الأنبياء 21:78

۴ تفسیر الواحدی 2/713

مجاہد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہاں ”الحق“ سے مراد قرآن کریم اور ”الباطل“ سے مراد شیطان ہے۔^❶

❶ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ طَقُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ط﴾

”اور اس (قرآن) کو آپ کی قوم نے جھٹلایا، حالانکہ وہ حق ہے۔ کہہ دیجیے: میں تم پر نگران نہیں ہوں۔“^❷

امام ثعالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”بہ“ میں پائی جانے والی ضمیر قرآن کی طرف ہے جس میں آیات کو پھیر پھیر کر لایا گیا ہے۔ یہ امام سدی کا قول ہے اور اس کا مفہوم واضح ہے۔“^❸

اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَهُوَ الْحَقُّ﴾ جملہ معترضہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت عیاں کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر نازل شدہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے۔^❹

﴿كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی قوم نے اس قرآن کریم کی اس ہدایت اور بیان کی تکذیب کی ہے جسے آپ لے کر آئے ہیں۔ ﴿قَوْمُكَ﴾ یعنی قریش ﴿وَهُوَ الْحَقُّ﴾ یعنی وہ ایسا حق ہے جس کے سوا کوئی حق نہیں ﴿طَقُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ﴾ یعنی میں تمہارا محافظ ہوں نہ تمہیں میرے سپرد کیا گیا ہے۔^❺

❺ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالْثَّارُ مَوْعِدُهَاۤ ؕ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ؕ

❶ تفسیر القرطبی: 295/11

❷ الأنعام: 66

❸ تفسیر الثعالی: 529/1

❹ أضواء البیان: 246/7

❺ تفسیر ابن کثیر: 315/3

إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١﴾

”اور ان گروہوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے، چنانچہ (اے نبی) آپ اس سے شک میں نہ پڑیں۔ بے شک یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔“^①

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص قرآن کا انکار کرتا ہے اور برحق شواہد اور دلائل کی بنا پر اس کی تصدیق نہیں کرتا ﴿فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِنْهُ﴾ تو آپ قرآن کریم کے معاملے میں اور اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کسی شک میں مبتلا نہ ہوں۔^②

”اس آیت میں عام لوگوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ قرآن کریم کے بارے میں شک کرنے سے معصوم اور محفوظ ہیں۔“^③

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ سے مراد ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے جس میں کسی شک و شبہ کا کوئی امکان نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ فِيهِ مِنَ رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

”الہم۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کتاب کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے۔“^④ نیز فرمایا:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ فِيهِ مِنَ رَّبِّكَ ۝﴾

”الہم۔ یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔“^⑤

① ہود 17:11

② تفسیر ابی السعود: 4/195

③ فتح القدیر للشوکانی: 2/488

④ السجدة 32:1-2 ⑤ البقرة 2:1-2

لفظ ”الْحَقُّ“ کو معرفہ لانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات پوری وضاحت سے بتادی جائے کہ حق صرف اور صرف قرآن ہی ہے۔ اس کے ماسوا حق کا کوئی وجود نہیں۔^①

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ کا مفہوم ہے کہ اکثر لوگ جہالت و گمراہی کی وجہ سے، یا ظلم، عناد، سرکشی اور بے راہ روی کی بنا پر ایمان نہیں لاتے ورنہ جس شخص کا ارادہ نیک ہو اور وہ عقل سلیم رکھتا ہو، وہ اس پر ضرور ایمان لاتا ہے کیونکہ وہ ہر طرف وہی چیز دیکھتا ہے جو اسے ایمان کی دعوت دیتی ہے۔^②

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَآكُمُ الْغُيُوبَ ۝ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۝﴾

”کہہ دیجیے: بلاشبہ میرا رب ہی (پیغمبر پر) حق بات القا کرتا ہے۔ (وہ) چھپی باتیں خوب جانتا ہے۔ آپ کہہ دیجیے: حق آگیا اور باطل نہ پہلی بار ابھرا نہ دوبارہ ابھرے گا۔“^③

(الْقَذْفُ) تیر، کنکری یا کلام پھینکنے کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق پیش کرتا ہے اور وحی کی صورت میں آسمان سے نازل کرتا ہے اور انبیاء کی طرف بھیج دیتا ہے۔^④

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ﴾ سے مراد اسلام اور قرآن ہے۔^⑤ یہ قرآن عظیم جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں، قوی حق ہے جسے اللہ تعالیٰ اہل باطل پر مارتا ہے،

① التحریر والتنویر: 227/11

② تفسیر السعدی: 359/2

③ سبا 48:34

④ تفسیر البغوی: 563-562/3

⑤ زاد المسیر: 466/6

پھر کون ہے جو اس حق کے خلاف کھڑا ہو جسے اللہ تعالیٰ دے مارتا ہے؟

گویا حق ایسی پھینکی جانے والی چیز ہے جو پھٹتی ہے، پھاڑ ڈالتی ہے اور آ رہا ہو جاتی ہے، اس لیے کوئی بھی اس کے راستے میں کھڑا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جو غیب کو بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اسے پھینکتا ہے۔ وہ اسے اپنے علم کے مطابق پھینکتا ہے اور اپنے علم کے مطابق ہی کسی جانب مرکوز کرتا ہے۔ اس پر کوئی ہدف مخفی ہے نہ اس سے کوئی حد غائب ہے، گویا اللہ تعالیٰ کے سامنے راستے کھلے ہوئے ہیں جس کے آگے کوئی پردہ نہیں ہے۔

”الحق“ نام سے قرآن کی عظمت اور اس کی رفعت و منزلت ظاہر ہوتی ہے، لہذا لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس اکلوتے حق پر ایمان لائیں اور اسے قبول کر لیں کیونکہ اس کی بنیاد وہ اکیلا صاحبِ جلالت معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی حق موجود نہیں۔ اس میں قرآن کریم کے علاوہ سابقہ تحریف شدہ کتابوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان میں حق کے ساتھ باطل بھی گھل مل گیا ہے۔

● النُّبَأُ الْعَظِيمُ: اللہ تعالیٰ نے دو مقامات سورہ ص اور سورہ النبأ میں قرآن کریم کا نام ”النُّبَأُ الْعَظِيمُ“ یعنی ”بہت بڑی خبر“ رکھا ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم بہت بڑی خبر ہے۔ جب سے انسانیت وجود میں آئی ہے اس نے قرآن عظیم کی کوئی نظیر دیکھی ہے نہ سنی۔ قرآن کریم اپنے اسلوب میں عظیم ہے، اپنی خوشنمائی میں عظیم ہے، اپنے معنی میں عظیم ہے، اپنی حسین و جمیل ترکیب میں عظیم ہے، اپنے وعدے و وعید میں عظیم ہے، اپنے احکام میں عظیم ہے، اپنے اوامر و نواہی میں عظیم ہے اور اپنی خبروں، واقعات اور قصص و امثال میں عظیم ہے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ اور اس کی عظمت و کبریائی کی خبر دیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عبادت کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ عالی کو یکتا معبود ٹھہرانے کے لزوم و وجوب کی خبر دیتا

ہے۔ وہ عبادات اور معاملات کے احکام کی خبر دیتا ہے۔ وہ ہر اس چیز کی خبر دیتا ہے جس کا انسان دین و دنیا میں محتاج ہے۔

قرآن کریم قدیم امتوں کی خبر دیتا ہے، ان کی تکذیب حق، فسق و فجور اور گمراہی کی وجہ سے ان پر اللہ کا جو عذاب اترا اور جو عبرتناک سزا لاگو ہوئی، اس کی خبر دیتا ہے۔ وہ بعث و نشر، حساب کتاب، سزا و عقاب، نعمتوں اور عذاب کے بارے میں آگہی بخشتا ہے۔

قرآن کریم ہر چیز کے بارے میں شروع سے آخر تک اور اس کائنات کی پیدائش سے لے کر اس آخری وقت تک کے متعلق بہت بڑی خبر دیتا ہے جب اہل جنت نعمتوں میں اور اہل دوزخ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالیں گے۔^۱

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ۝ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝﴾

”اے پیغمبر! کہہ دیجیے: وہ ایک بہت بڑی خبر ہے۔ تم اس سے منہ پھیرنے والے ہو۔“^۲

یعنی قرآن کریم نہایت اہم اور بہت بڑی خبر ہے اور یہ حد کمال کو پہنچی ہوئی تمہاری عزت افزائی ہے کہ اس نے یہ قرآنِ ذیشان تمہاری طرف بھیجا ہے۔ ﴿اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ﴾ یعنی تم اس سے غافل ہو۔ مجاہد، قاضی شریح اور سدی رحمہم اللہ عز و جل کے فرمان ﴿قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے۔^۳

امام سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اللہ عز و جل کے فرمان ﴿قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ﴾ سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم نہایت عظیم الشان بات ہے کیونکہ یہ رب العالمین کا کلام ہے ﴿اَنْتُمْ

۱ الہدی والبیان فی أسماء القرآن: 2/34-36

۲ ص 38: 67-68 ۱ تفسیر ابن کثیر: 4/43

عَنْهُ مُعَضُّوْنَ ﴿ یعنی تم اس سے اعراض (رُوگردانی) کیے ہوئے ہو، لہذا تم اس پر ایمان نہیں لاتے۔ ﴾^۱

یہ ”النَّبأ العظیم“ (عظیم خبر) اس لیے آئی ہے تاکہ قرآن کریم کی یہ دعوت کسی خاص قوم یا خطے تک محدود نہ رہے بلکہ وہ مکہ مکرمہ کے قریش، جزیرہ نمائے عرب کے عربوں اور تمام روئے زمین کی نسلوں کو سیراب کرتے ہوئے ان سے کہیں آگے نکل جائے، اور تمام زمانوں اور پوری انسانیت کے مستقبل پر اثر انداز ہو اور جب سے یہ قرآن اس زمین پر اترا ہے اس زمانے سے لے کر اس وقت تک جب اللہ تعالیٰ زمین اور روئے زمین کی ہر چیز کا وارث ہوگا، انسانی زندگی کے نتائج کو پر کیف اور بہار آفرین بنائے۔ بے شک اس عظیم خبر (النَّبأ العظیم) نے انسانیت کی پیش رفت کے لیے صراطِ مستقیم اجاگر کر دی ہے۔

پوری انسانیت کی تاریخ میں کوئی حادثہ یا خبر ایسی نہیں گزری جس نے انسانیت میں وہ نقوش و آثار چھوڑے ہوں جو اس خبرِ عظیم (النَّبأ العظیم) نے نقش کر دیے ہیں۔ اس حقیقت سے قرآن کریم کی عظمت، منزلت اور اس کی شانِ تاثیر جھلکتی ہے۔

قرآن کریم نے روئے زمین پر انسانیت کی تمام نسلوں میں ایسی اعلیٰ اقدار اور بلند تصورات پیدا کیے، ایسے جامع قواعد بنائے اور ایسے شان دار نظام قائم کیے جن کے بارے میں عربوں کے دل و دماغ میں کبھی کوئی تصور بھی نہیں گزرا ہوگا۔ وہ اس دور میں اس بات کا ادراک بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ خبرِ عظیم، یعنی قرآن کریم زمین کی سطح سے شرک کو مٹانے اور توحید کے چراغ روشن کرنے، ظلم کی زنجیریں توڑنے اور عدل کا پرچم لہرانے، انجامِ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت ثابت کرنے اور انسانیت اور اس کے احوال پر اپنے مبارک اثرات نقش کرنے کے لیے آیا ہے۔

مسلم معاصرین بھی اس عظیم خبر (النبأ العظيم) سے بس اتنے ہی واقف ہیں جتنے ابتدا میں عرب آگاہ تھے۔ وہ قرآن کا مزاج سمجھتے ہیں نہ قرآن کریم میں پوشیدہ حقائق پر غور کرتے ہیں اور نہ انسانیت کی طویل تاریخ میں اس عظیم خبر کے آثار کا حقیقی جائزہ لیتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کے دشمنوں یعنی مستشرقین کے طے شدہ نقطہ نظر پر اعتماد کرتے ہیں جو کہ امت مسلمہ کے نقطہ نظر سے یکسر مختلف ہے اور وہ ہمیشہ انسانی زندگی کو پر کیف بنانے اور تاریخ کے پس منظر میں قرآن کریم کے مقام و مرتبہ کو گھٹانے کے لیے بے چین اور فکر مند رہتے ہیں۔^۱

﴿الْبَلَاغُ﴾: اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن کریم کی مدح میں فرماتا ہے:

﴿هَذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذِرُوْا بِهِ﴾

”یہ (قرآن) لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے تاکہ اس کے ذریعے سے انھیں ڈرایا جائے۔“^۲

سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے واضح بیان کو ظاہر کر دیا تو اس کی مدح میں فرمایا ﴿هَذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ﴾ یعنی لوگ اس کے ذریعے سے تبلیغ کرتے ہیں، اعلیٰ مقامات اور شرافت و وقار کے افضل مرتبے تک پہنچنے کے لیے اسے زاد راہ بناتے ہیں، کیونکہ وہ تمام اصول و فروع اور وہ تمام علوم جن کے انسان محتاج ہیں، قرآن کریم میں موجود ہیں۔

﴿وَلِيُنذِرُوْا بِهِ﴾ اور تاکہ وہ اس کے ذریعے سے ڈرائیں کیونکہ اس میں تمام برے افعال و اعمال اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو سزا مقرر کی ہے اس سے ڈرایا گیا ہے۔“^۳

۱ فی ظلال القرآن 5: 3026

۲ ابراہیم 52: 14

۳ تفسیر السعدی 1: 428

امام سیوطی رحمہ اللہ نے قرآن کریم کا نام ”البلاغ“ رکھنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”جہاں تک البلاغ نام رکھنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے لوگوں تک تمام ادا امر و نواہی پہنچائے ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں زبردست فصاحت و بلاغت ہے جو اسے دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔“^①

گزشتہ بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ قرآن عظیم تمام انسانوں کے لیے ایک پیغام عام ہے جس سے انھیں باخبر رہنا چاہیے۔ اگر وہ اسے قبول کر لیں تو اسے جنت کی طرف جانے کے لیے زاد راہ بنالیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں تک ہر وہ بات پہنچا دی ہے جس میں ان کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی، صالحیت اور منفعت موجود ہے۔

اسی طرح قرآن عظیم فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے۔ اس کے بعد سابقہ تحریف شدہ آسمانی کتابوں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ انسان کے وضعی قوانین اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ تمام امور اللہ کے ہاں قرآن عظیم کی عظمت اور اس کے بلند مرتبے پر دلالت کرتے ہیں۔

پس لازم ہے کہ مومنین کے دلوں میں قرآن کریم کی عظمت جاگزیں ہوتا کہ وہ اس کے ذریعے سے عظیم نعمتوں والی جنت میں پہنچ جائیں۔

❖ اَلرُّوحُ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَاۤ ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِىۤ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نُّهْدِىۤ بِهٖ مَنۢ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَاۤ ۭ﴾
 ”اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک روح (قرآن) وحی کی۔ آپ

نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنادیا۔ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے ذریعے سے ہدایت دیتے ہیں۔“^۱

ابوسعود رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿رُوحًا﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں: ”اس سے مراد قرآن کریم ہی ہے کیونکہ وہ دلوں کے لیے وہی درجہ رکھتا ہے جو جسموں میں روح کا ہے کیونکہ قرآن دلوں کو ابدی زندگی عطا کرتا ہے۔“^۲

﴿رُوحًا﴾ پر تنوین بیان عظمت کے لیے ہے۔ اس کا مفہوم عظیم روح ہے۔^۳

اس آیت کا مفہوم یہ ہے: ﴿وَكَذَلِكَ﴾ ”اور اسی طرح“ جب ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کی طرف وحی کی تو ﴿أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ ”ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف ایک روح کی وحی کی۔“ اور وہ قرآن عظیم ہے جس کا نام روح رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسموں کو زندگی بخشنے کے لیے ان میں روح پھونکی جاتی ہے، اسی طرح قرآن کریم وہ متاع عظیم ہے جو دلوں اور رحوں کو زندگی کی شادابی عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم کی بدولت دین اور دنیا کی بھلائیوں کو بھی جلاتی ہے کیونکہ اس میں خیر کثیر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول اور اپنے مومن بندوں پر احسان عظیم بھی ہے۔ اس میں ان کا کوئی ذاتی عمل دخل نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا كُنْتُمْ تَدْرِي﴾ ”اس کے نزول سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے“ کہ ﴿مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ﴾ ”کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟“ یعنی آپ کو سابقہ کتابوں کی خبروں کے بارے میں کوئی علم تھا نہ ان پر آپ کا ایمان و عمل تھا۔ آسمانی شریعتوں اور قوانین ربانی کے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتے تھے بلکہ آپ ناخواندہ تھے، لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا، پھر آپ کے پاس یہ روح آئی ﴿جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ جسے ”ہم

۱ الشوریٰ 42:52

۲ تفسیر أبی السعود: 38/8

۳ روح المعانی، للالوسی: 58/25

نے نور بنا دیا، ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے ذریعے سے ہدایت دیتے ہیں۔“ وہ کفر، بدعات اور ہلاک کر دینے والی خواہشات کے اندھیروں میں قرآن کریم سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور اسی کے ذریعے سے حقائق پہچانتے اور صراطِ مستقیم پالیتے ہیں۔^❶

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم پوری انسانیت کے لیے روح اور زندگی ہے۔ انسانیت کو غرور اور جہالت نے موت کے گھاٹ اتار دیا، گھن نے اس کے اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور مہلک امراض اس میں سرایت کر گئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ انسانیت انحطاط پذیر ہے، اس کے قدم لڑکھڑا گئے ہیں اور یہ پستی میں گر چکی ہے۔ ان حالات میں قرآن کریم ہی ہے جو زندگی اور شادابی کی دستاویز ہے۔ اسے اللہ رب العزت نے روح کا نام دیا ہے، یعنی دھڑکتی ہوئی، متحرک، زندہ و درخشندہ روح! اس کے بغیر مریض انسانیت کو صحت حاصل ہو سکتی ہے نہ پاکیزہ زندگی۔^❷

یہ قرآن کریم کی عظمت اور مقام بالاکمال کی نشانی ہے کہ اجسام کے لیے اس کا وہی مقام ہے جو روح کا ہے۔ قرآن کریم کے ذریعے سے روحوں اور دلوں کو حیات نو بخشی جاتی ہے۔ قرآن کریم عالمگیر انسانیت کے لیے روح، یعنی زندگی ہے۔ جو شخص اس روح پر ایمان نہیں رکھتا، چاہے وہ کھاتا پیتا ہو، درحقیقت وہ مردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّكَ لَا تُسَبِّحُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسَبِّحُ الضُّمَمَ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُصْبَىٰ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۚ إِنَّ تُسَبِّحُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝﴾

”یقیناً آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں۔ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (نکال کر) راہ ہدایت پر

❶ تفسیر السعدی: 4/434-435

❷ الہدی والبیان فی أسماء القرآن: 2/45

لا سکتے ہیں۔ آپ تو بس انھی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، سو وہی فرماں بردار ہیں۔“^۱

﴿الْمَوْعِظَةُ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ﴾

”اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (قرآن کی) نصیحت آگئی ہے۔“^۲

قرآن کریم میں ایسے گراں مایہ پند و نصائح ہیں کہ جو شخص اسے پڑھے اور اس کے معنی سمجھے وہ ان سے نصیحت حاصل کر لیتا ہے۔^۳

الْمَوْعِظَةُ سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ ”وعظ“ ایسا کلام ہوتا ہے جو نیکی کا حکم دیتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ کرتا، دلوں کو نرم کرتا اور وعدہ و وعید سناتا ہے اور یہی اس کتاب عزیز کی صفات ہیں۔

اے لوگو! بلاشبہ عملی حکمتوں کی جامع، اچھے اچھے اعمال اجاگر کرنے اور برے اعمال سے پردہ اٹھانے والی، نیکی کی رغبت دلانے اور اعمال بد پر ڈانٹنے اور ڈرانے والی کتاب تمہارے پاس آگئی ہے۔ بلاشبہ تمہارے پاس ایسی کتاب آئی ہے جو تمام بھلائی والی وصیتوں اور پند و نصائح کی جامع ہے، جو اخلاق و اعمال کی اصلاح کرتی، بے حیائی اور برے اعمال سے روکتی اور دلوں کو شکوک و شبہات اور برے اعتقادات سے نجات دیتی ہے، نیز حق و یقین اور دین و دنیا کی سعادت اور خوش بختی تک پہنچانے والے صراطِ مستقیم کی طرف رہبری کرتی ہے۔^۴

① النمل 28: 80-81 ② یونس 57: 10

③ فتح القدیر للشوکانی: 2/ 453

④ تفسیر البیضاوی: 3/ 204 و التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعة والمنہج، بروفیسر

دکتور وہبہ الزحیلی: 6/ 213

اس نصیحت (قرآن) کو ﴿مَنْ زَيَّنْهُ﴾ کے ساتھ متصف کیا ہے تاکہ ساری کائنات اس کی طرف متوجہ ہو اور اس کے حسن و کمال سے اکتساب فیض کی ضرورت اس پر اجاگر ہو۔^۱

قرآن کریم درحقیقت ایک بلیغ نصیحت ہے کیونکہ نصیحت فرمانے والے اللہ جل جلالہ، اسے لانے والے جبریل علیہ السلام اور اسے املا کرانے والے حضرت محمد ﷺ ہیں، لہذا یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس کتاب مقدس کی نصیحتیں موثر نہ ہوں۔^۲

اگر جن و انس سمیت ساری کائنات جمع ہو جائے اور اپنے انتہائی فصیح و بلیغ افراد کو لے آئے تو بھی وہ قرآنی نصیحت کا ادنیٰ سا قرب بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ بھلا عام کلام اور عام نصیحت کا قرآنی کلام اور نصیحت سے کیا مقابلہ؟ اس میں قرآن کی عظمت، علو شان، تاثیر اور کچھ کر دکھانے کی صفت نمایاں ہے۔

قرآن مجید ایک پر حکمت اور مستحکم نصیحت ہے۔ قرآن کریم بیک وقت دلوں کے لیے تازیاں کا کام بھی دیتا ہے اور انھیں فرحت بخش خوش خبریاں بھی سناتا ہے۔ اس نصیحت عظمیٰ نے ہر نیکی اور بھلائی کے کام کا حکم دیا ہے اور ہر شر کی ممانعت کی ہے، لہذا اسے خلوص دل سے سر تسلیم خم کر کے برضا و رغبت قبول کرنا واجب ہے۔

اکیلا قرآن کریم ہی وعظ کرنے، ڈانٹنے، ڈرانے، صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے اور یاد دہانی کرانے کے لیے کافی ہے۔ قرآن کے سراج نصیحت کے سامنے ہمیں کسی غیر کے ٹٹماتے ہوئے چراغ کی کوئی ضرورت نہیں۔ قرآن ہمیں سب سے بے نیاز کر دیتا ہے۔
 ﴿اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝﴾

۱ التحریرو التنویر: 109/11

۲ التفسیر الکبیر للرازی: 14/2

”یہ (قرآن) لوگوں کے لیے وضاحت اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔“^۱

قرآن کریم کی نصیحت سے مستفید ہونے والے وہی لوگ ہیں جو متقی اور پرہیزگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں بھی ان کے زمرے میں شامل فرمادے۔
﴿الشِّفَاءُ:﴾ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا نام ”الشفاء“ بھی رکھا ہے اور اپنی کتاب مقدس میں تین مواقع پر قرآن عظیم کو ”الشفاء“ ہی کے نام سے موسوم فرمایا ہے:
﴿اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ﴾

”اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (قرآن کی) نصیحت آگئی ہے اور (یہ) شفا ہے ان (بیماریوں) کے لیے جو سینوں میں ہیں۔“^۲
بے شک نفاق، حسد اور کینے جیسی بیماریاں دلوں کا روگ ہیں جن کے لیے قرآن کریم شفاء ہے جبکہ یہ بیماریاں بدنی بیماریوں سے زیادہ شدید اور مہلک ہیں۔^۳
اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت کی اطاعت اور پیروی کے معاملے میں ظاہر ہونے والی خواہشات کی بیماریاں اور علم الیقین میں دراڑیں ڈالنے والے شکوک و شبہات کی وہ بیماریاں جو سینوں میں جنم لیتی ہیں ان کے لیے قرآن کریم شفا ہے۔^۴
﴿اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنَزَّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

۱ آل عمران 3: 138 ۲ یونس 10: 57

۳ روح المعانی 11: 176

۴ تفسیر السعدی: 2/ 326

”اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔“^۱

بلاشبہ قرآن مومنوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے۔ اس آیت میں اس حقیقت کی دلیل موجود ہے کہ قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں جنہیں مختلف بیماریوں اور تکالیف سے شفا کے لیے بطور دوا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ایسی آیات کی نشاندہی صحیح احادیث میں کی گئی ہے، چنانچہ یہ آیت مذکورہ مفہوم کے اعتبار سے جسمانی بیماریوں کے لیے شفا کی نوید بھی ہے۔

✽ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ الْكَذِبُ اٰمَنُوْا هٰذَا هُوَ شِفَاۗءُ﴾

”کہہ دیجیے: وہ ان کے لیے، جو ایمان لائے، ہدایت اور شفا ہے۔“^۲

قرآن کریم کے شفا ہونے کے بارے میں ہم امام فخر الدین رازی کا ارشاد نہیں بھول سکتے، وہ فرماتے ہیں: ”معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم روحانی بیماریوں کا علاج ہے، نیز اس کے ساتھ ساتھ وہ جسمانی بیماریوں کے لیے بھی باعث شفا ہے۔ جہاں تک روحانی بیماریوں سے شفا کا تعلق ہے، وہ ظاہر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باطل عقائد اور مذموم اخلاق ہی وہ دو چیزیں ہیں جو روحانی امراض ہیں۔

باطل عقائد میں سب سے زیادہ فاسد نظریات نبوت، الوہیت، یوم آخرت اور قضا و قدر کے بارے میں ہیں اور ان تمام موضوعات کے بارے میں قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جو صحیح اور برحق دین کے دلائل پر مشتمل ہے اور تمام باطل مذاہب کا رد کرتی ہے۔ جہاں تک مذموم اخلاق کا تعلق ہے، قرآن کریم ان مذموم اخلاق کی وضاحت کرتا ہے اور ان میں موجود مفاسد سے خبردار کرتا ہے اور نہایت عظیم الشان اور کامل اخلاق اور اعمال صالحہ کی طرف رہبری

۱ بنی اسرائیل 82:17

۲ تفسیر السعدی: 2/326

۳ خم السجدة 44:41

فرماتا ہے۔

جسمانی امراض میں اس کا شفا ہونا بھی مسلم ہے کیونکہ اس کی تلاوت کی برکت سے بہت سی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔¹

ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم کا دائرہ شفا دلوں، نفوس اور اعضاء و جوارح کے امراض سے آگے بڑھا دیں اور اس کی بدولت دور حاضر کی بیماریوں کا قلع قمع کرنے کی جدوجہد کریں۔ ہم پر انتہائی لازم ہے کہ ہم اپنے پیچیدہ سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، تہذیبی اور تمدنی امراض سے نجات کے لیے بھی قرآنی شفا کی طرف دیکھیں۔ اس شفا کو محض سر، پیٹ اور دیگر جسمانی تکالیف کے علاج تک محدود نہ رکھیں۔²

قرآن کریم کی عظمت، برتری اور اس کے عظیم اثرات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں باطل عقائد، مذموم اخلاق اور جسمانی امراض کے لیے شفا کے علاوہ دور جدید کے عصری امراض و مسائل کا شافی و کافی حل موجود ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ قرآن کریم کی طرف رجوع کریں، اس کی تعلیمات سمجھیں اور ان کے مطابق عمل کریں۔ اس طرح قرآن کریم کا جو ہر شفا سارے امراض کا خاتمہ کر دے گا۔

❖ أَحْسَنُ الْحَدِيثِ: اللَّهُ تَعَالَى نَے فرمایا:

﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ﴾

”اللہ نے بہترین کلام نازل کیا۔“³

سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

¹ التفسير الكبير: 29/21

² مفاتيح للتعامل مع القرآن، ص: 34

³ الزمر: 23/39

”یعنی سب سے زیادہ پر حکمت کلام نازل کیا جو قرآن کریم ہے۔“^①

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کریم پر نازل کردہ قرآن عظیم کی مدح سرائی ہے کہ یہ کتاب علی الاطلاق سب سے زیادہ عظیم الشان اور بہترین کلام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرامین پر مشتمل نازل شدہ آسمانی کتب میں سے بہترین کتاب قرآن ہے۔ جب یہ کتاب سب سے بہتر ہے تو معلوم ہوا کہ اس کے الفاظ بھی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ اور اس کے معانی بھی سب سے زیادہ شان دار اور بصیرت افروز ہیں کیونکہ احسن الحدیث یعنی بہترین کلام ہونے کی وجہ سے یہ اپنے الفاظ و معانی میں حسن، اتحاد اور عدم اختلاف کا شہ پارہ ہے۔

جب بھی کوئی مدبر اس پر تدبر کرتا ہے اور کوئی مفکر غور و فکر کرتا ہے تو اسے خلاف توقع پاتا ہے اور اس کے دقیق اور سر بستہ معانی میں ایسے ایسے انکشافات پاتا ہے جو دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ کر دیتے ہیں اور وہ بے اختیار یہ قطعی فیصلہ کرتے ہوئے پکار اٹھتا ہے کہ قرآن کریم کسی حکیم و علیم، قادرِ مطلق ہستی ہی سے صادر ہوا ہے۔^②

اس کا نام حدیث اس لیے رکھا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اسے لوگوں کے روبرو بیان فرمایا کرتے تھے اور اس میں سے جو کچھ آپ پر نازل ہوتا تھا اس کی خبر دیا کرتے تھے۔^③

متذکرہ بالا سورہ زمر کی آیت کریمہ دوسری آسمانی کتابوں تورات، زبور اور انجیل پر قرآن کریم کی فضیلت عیاں کرتی ہے اور یہ حقیقت تمام سلف صالحین نے تسلیم کی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ ساری آسمانی کتب چونکہ اللہ کا کلام ہیں، اس لیے قرآن کریم

① تفسیر السمرقندی: 174/3

② تفسیر السعدی: 318/4، التحریر و التنویر: 67/24

③ فتح القدیر: 458/4

دیگر آسمانی کتابوں پر فضیلت نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور عظمت مآب نام کے ساتھ آیت کا آغاز درحقیقت سب سے بہتر نازل شدہ کلام کی تعظیم اور رفعت و منزلت بڑھانے کا اعلان ہے کہ اسے نازل کرنے والا سب سے بڑھ کر عظیم اور برتر ہے، مزید برآں اس میں یہ خاص بات بھی جلوہ گر ہے کہ کتاب اللہ (قرآن) کا نازل کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا خاص عمل مبارک ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات گرامی ہے جس نے یہ قرآن نازل فرمایا۔ اس کے علاوہ اسے کسی نے پیش نہیں کیا۔ یہ قرآن کریم کے انسانی تصنیف نہ ہونے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے وحی ہونے کا اعلان و اظہار ہے۔

کتاب اللہ میں جن متعدد مقامات پر قرآن کریم کا نام ”حدیث“ بیان کیا گیا ہے وہ مقامات درج ذیل ہیں:

﴿فرمان الہی ہے:

﴿فَبِآيٍ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ۝﴾

”پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟“

﴿ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝﴾

”پھر شاید آپ خود کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کرنے والے ہیں اگر یہ (کافر) اس

بات (قرآن) پر ایمان نہ لائیں۔“

﴿اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَقِمْنَ هَذَا الْحَدِيثَ تَعَجُّبُونَ ۝﴾

﴿کتب و رسائل و فتاویٰ ابن تیمیہ فی التفسیر: 11/17﴾

﴿الأعراف 185:7﴾ ﴿الکھف 6:18﴾

”کیا پھر اس بات (قرآن) پر تم تعجب کرتے ہو؟“^۱

✽ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَلِّبُ بِهِذَا الْحَدِيثَ ط﴾

”لہذا چھوڑ دیجیے مجھے اور اس کو جو اس حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے۔“^۲

قرآن کریم کے مطلقاً احسن الحدیث یعنی بہترین کلام اور تمام سابقہ آسمانی کتابوں میں سب سے بہتر کتاب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ فصاحت و بلاغت میں بے نظیر ہیں، اس کے معانی و مفاہیم انتہائی جلیل القدر اور کثیر ہیں اور یہ بے حد فیض رساں کتاب ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن کریم کے انتہائی رفیع الشان اور با عظمت کتاب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اوصاف قرآن کی عظمت

✽ الْحَكِيمُ: اللہ تبارک و تعالیٰ نے کئی آیات کریمہ میں اپنی کتاب کو ”الحکیم“ بھی قرار دیا ہے اس سلسلے میں چند آیات درج ذیل ہیں:

✽ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝﴾

”یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔“^۳

یہاں قرآن کریم کا وصف (الحکیم) آیا ہے۔ اسے متعدد معانی پر محمول کیا جاسکتا ہے جن

۱ النجم 53: 59

۲ القلم 68: 44 ، التحریر و التنویر: 24/ 66

۳ یونس 1: 10 و لقمان 2: 31

میں سے بعض معانی درج ذیل ہیں:

① ”الحکیم“ بمعنی ”مُحْكَمٌ“ ہے کہ حلال و حرام، حدود اور احکام کے بیان میں یہ مستحکم اور مضبوط کتاب ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہاں وزن ”فَعِيلٌ“ ”مَفْعَلٌ“ کے معنی میں ہے۔ یہ قول ابو عبیدہ وغیرہ کا ہے اور اس کی تائید اللہ کا یہ فرمان کرتا ہے:

﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ﴾

”(یہ) وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں۔“

② ”الحکیم“ بمعنی ”الْحَاكِمُ“ بھی ہے، یعنی قرآن کریم حلال و حرام کا فیصلہ کرنے والا ہے اور وہ لوگوں کے مابین مقدمات اور اختلافات میں مبنی بر حقیقت فیصلے کرتا ہے۔ اس قول کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے:

﴿وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اَخْتَلَفُوا فِيهِ﴾

”اور ان کے ساتھ اس نے برحق کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں انھوں نے اختلاف کیا۔“

③ ”الحکیم“ بمعنی ”الْمُحْكِمُ فِيهِ“ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس قرآن حکیم میں عدل، احسان اور قریبی رشتہ داروں کو ان کے حقوق عطا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس نے قرآن کریم میں بے حیائی اور برے کاموں سے بچنے اور ظلم و زیادتی سے دور رہنے کا حکم بھی دیا ہے، مزید برآں اللہ تعالیٰ نے اس قرآن میں اپنی اطاعت کرنے والوں کو جنت اور نافرمانی کرنے والوں کے لیے جہنم کا حکم سنایا ہے۔ یہ قول حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے۔

④ ”الحکیم“ سے مراد ہے کہ قرآن کریم باطل سے محفوظ اور مستحکم ہے جس میں کوئی جھوٹ ہے نہ کوئی اختلاف۔ یہ مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے۔

فضیلۃ الشیخ سعدی رحمہ اللہ نے قرآن حکیم کی آیات کے محکم ہونے کے بارے میں چند امور کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

✽ آیات قرآنی کے محکم ہونے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ ایسے شاندار، فصیح و بلیغ اور واضح الفاظ کے ساتھ آئی ہیں جو جلیل القدر اور خوبصورت ترین معانی پر دلالت کرتے ہیں۔

✽ ان کے محکم ہونے کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے تغیر و تبدل، کمی بیشی اور تحریف سے بہ تمام و کمال محفوظ ہیں۔

✽ ان کے محکم ہونے سے یہ بھی مراد ہے کہ ان میں بیان کردہ ماضی اور مستقبل کی خبریں اور تمام تر غیبی امور اپنے واقعات کے مطابق ہیں۔ سابقہ کتب الہیہ میں سے کوئی کتاب ان کی تردید کرتی ہے نہ انبیاء میں سے کسی نبی نے ان کے منافی کوئی خبر دی ہے۔ کوئی حسی علم اور عقل سلیم بھی ان امور سے متضاد نہیں جن پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں۔

✽ ان کے محکم ہونے کا مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ صرف اسی بات کا حکم دیتی ہیں جو سراسر خیر اور منفعت بخش ہوں یا اس میں منفعت رائج ہو اور صرف اسی بات سے روکتی ہیں جس میں سراسر نقصان ہو یا نقصان کا اندیشہ زیادہ ہو۔ جب کسی بات کا حکم دیا جاتا ہے تو بالعموم اس کی حکمت اور فائدہ بھی معاً بیان کر دیا جاتا ہے اور جس کسی امر کی ممانعت کی جاتی ہے تو ساتھ ہی اس کے نقصان سے بھی خبردار کر دیا جاتا ہے۔

✽ ان کے محکم ہونے کے معنی یہ بھی ہیں کہ ان آیات نے ترغیب و ترہیب اور انتہائی بلیغ وعظ و نصیحت کو جمع کر دیا ہے جس کی بدولت نیک سیرت افراد راست رو ہو جاتے ہیں، سیدھے راستے پر جم جاتے ہیں اور پختہ عزم کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔

✽ ان کے محکم ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ قصص و واقعات اور احکام پر مشتمل قرآن کریم کے مختلف مقامات پر آنے والی آیات ملاحظہ کر لیں کہ یہ ساری آیات باہم دگر

متفق و مؤید ہیں۔ ان میں کسی قسم کا کوئی تناقض ہے نہ اختلاف۔^①
باطل کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس کتاب حکیم تک رسائی حاصل کر سکے کیونکہ یہ نہایت حکیم
اور بے حد قابل تحسین ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اس کتاب کی اساس، رہنمائی،
طریق نزول اور نہایت مختصر اور جامع طریقے سے انسانی دلوں کا علاج کرنے سے اس کا
پر حکمت ہونا واضح ہے۔^②

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا اَنۡزَلۡنَا ٱلۡقُرۡآنَ ٱلۡحَكِيۡمَ ۝۱﴾

”یٰس۔ قسم ہے قرآن حکیم کی۔“^③

یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن حکیم کی قسم اٹھائی گئی ہے اور اسے حکمت سے متصف
قراردیا گیا ہے۔ حکمت کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز جس جگہ کے لائق ہو، اسے اسی مقام پر
رکھا جائے۔

قرآن حکیم مُقَسَّم بہ ہے، یعنی اس کی قسم کھائی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ مُقَسَّم علیہ ہیں، یعنی
آپ کے بارے میں قسم کھائی گئی ہے۔ مقسم بہ قرآن حکیم اور مقسم علیہ رسول اللہ ﷺ کی
رسالت کے مابین جو گہرا ربط، تعلق اور اتصال ہے وہ مخفی نہیں ہے، لہذا اگر آپ ﷺ کی
رسالت کی دلیل اور گواہ قرآن حکیم کے سوا اور کوئی نہ ہوتا تو بھی آپ کی نبوت و رسالت کے
لیے یہی دلیل اور یہی گواہ بہت کافی تھا۔^④

قرآن حکیم ہر فرد کو خواہ وہ کوئی بھی ہو اس انداز سے مخاطب کرتا ہے اور اس پر اثر انداز ہوتا

① تفسیر السعدی: 4/101

② فی ظلال القرآن: 5/3127

③ یس: 1-36

④ تفسیر السعدی: 4/227

ہے جو اس کے عین مطابق و مناسب ہو۔ یہ خصوصیت قرآن کے حکیم ہونے کی سب سے بھاری دلیل ہے۔

قرآن حکیم بڑی حکمت کے ساتھ عقلی، نفسیاتی اور روحانی تقاضوں اور صحیح منہج کے مطابق تربیت کرتا ہے۔ یہ منہج انسانی توانائیوں کو سیدھی اور نفع بخش راہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور زندگی کے لیے ایسا نظام متعین کرتا ہے جو اس پر حکمت منہج کی حدود کے اندر تمام مفید انسانی سرگرمیوں اور مشاغل کو جائز قرار دیتا ہے۔^①

قرآن عظیم کا وصف ”الحکیم“ خواہ اس لیے ہو کہ یہ حلال و حرام، حدود اور احکام میں مستحکم ہے یا اس لیے کہ یہ حلال و حرام کو دو ٹوک بیان کرنے والا اور لوگوں کے مابین ان کے اختلافات میں مبنی برحق فیصلے کرنے والا ہے، یا اس لیے کہ اس میں عظیم الشان احکام دیے گئے ہیں، عدل و احسان کی تاکید کی گئی ہے، قرابت داروں کے لیے بخشش و عطا کا حکم دیا گیا ہے، بے حیائی، برے افعال و اعمال اور ظلم و زیادتی سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے جنت کی نوید اور نافرمانی کرنے والوں کے لیے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے یا اس لیے اسے اس صفت سے متصف کیا گیا ہے کہ یہ باطل سے محفوظ ہے۔ اس میں کوئی جھوٹ ہے نہ کوئی اختلاف، یہ تمام توجیہات قرآن کریم کی عظمت و رفعت، شان و شوکت اور جلالت پر دلالت کرتی ہیں۔

● الْعَزِيزُ: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی توصیف میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ﴾

”اور بلاشبہ یہ تو ایک بہت بلند مرتبہ کتاب ہے۔“^②

① تفسیر فی ظلال القرآن: 5/2958

② حم السجدة 41:41

یعنی اس قرآن کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔^❶

”العزیز“ کا مطلب ہے: ”نفس“ یعنی نہایت قیمتی اور نادر چیز! اس کا مادہ ”الْعِزَّة“ ہے جس کا مطلب ہے طاقت اور غلبہ۔ قاعدہ ہے کہ قیمتی اور نادر چیز کا تحفظ کیا جاتا ہے اور نقصان دینے والی چیز سے اسے بچایا جاتا ہے۔ پس ”العزیز“ اسے کہتے ہیں جو غالب و بالا اور ناقابلِ تسخیر ہو۔ یہی وصف قرآن کریم کے دلائل اور براہین کا ہے کہ وہ غالب آنے والے ہیں اور ان پر کوئی غلبہ نہیں پاسکتا۔^❷

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ”الْعِزَّة“ سے اس لیے متصف کیا ہے کہ اس کے معارف و معانی برحق ہیں۔ اس پر کوئی طعن توڑنا، یا اس میں عیب نکالنا ناممکن ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ کتاب ہے۔^❸

وصف ”العزیز“ کے بارے میں مفسرین کے درج ذیل اقوال ہیں:

❶ قرآن کریم شیطان سے محفوظ ہے۔ اس کے خلاف کوئی شیطانی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ شیطان اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کی استطاعت رکھتا ہے نہ اس میں کوئی کمی بیشی کر سکتا ہے۔

❷ قرآن اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا معزز ہے۔ یہ نہایت محترم اور قیمتی ہے، اس لیے اس امر کی بڑی ضرورت ہے کہ اس کی عزت اور تعظیم کی جائے اور اس میں غلطی نہ کی جائے۔

❸ یہ عظیم العظیم اور ہر باطل سے محفوظ ہے۔ جو شخص بھی اس میں کسی تحریف یا تخریب کا مذموم ارادہ رکھتا ہو، اس کا اس عالی مرتبہ کتاب پر ہرگز کوئی بس نہیں چل سکتا۔ اس مقدس کتاب میں ایک نقطے کی تبدیلی بھی نہیں کی جاسکتی۔

❶ المفردات فی غریب القرآن، ص: 335-336

❷ التحرير والتنوير: 71/25

❸ تفسير ابن عطية: 19/5

✽ انسان کے لیے ناممکن ہے کہ وہ اس کی مثل کوئی کلام کہہ سکے۔ مالک الملک کا کلام غالب اور زبردست ہے۔

✽ قرآن کریم مخلوق نہیں ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے۔^۱

ان اقوال پر غور و فکر کرنے والا اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ تمام اقوال قرآن کریم کے وصف کے اعتبار سے ”العزیز“ پر منطبق ہوتے اور اسی سے مناسبت رکھتے ہیں۔ یہ اقوال تضاد کے اعتبار سے نہیں بلکہ تنوع کے اختلاف کے اعتبار سے قرآن کریم کی عظمت، عزت، رفعت اور برتری پر دلالت کرتے ہیں۔

ہم بزرگ و برتر اللہ العزیز کی حمد کرتے ہیں جس نے کتاب عزیز نازل فرمائی۔
✽ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ﴾

”اور بلاشبہ یہ نہایت بلند مرتبہ کتاب ہے۔“^۲

✽ اسے اللہ نے اپنے نبی عزیز ﷺ پر نازل فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ﴾

”لوگو! تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول عزیز آ گیا ہے۔“^۳

✽ اور یہ امت عزیز کے لیے نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾

”اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے، اور اس کے رسول کے لیے، اور مومنوں کے لیے۔“^۴

✽ تفسیر القرطبی: 367/15 وزاد المسیر: 262/7

✽ حم السجدة 41:41

✽ التوبة 9:128

✽ المثقون 8:63، التفسیر الکبیر، للرزی: 17/2

﴿الْكَرِيمُ﴾: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی توصیف میں فرمایا ہے:

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَوْجِ النَّجُومِ ۚ وَ إِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۚ إِنَّهُ

لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۚ﴾

”میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھاتا ہوں۔ اور بلاشبہ اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم

ہے کہ بلاشبہ یہ قرآن نہایت کریم (معزز کتاب) ہے۔“^①

تمام کتابوں پر قرآن عظیم کی رفعت و عظمت کا وصف مبنی بر حقیقت ہے اور کوئی مخالف اس پر طعنہ زنی کی استطاعت نہیں رکھتا۔^②

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو تمام سابقہ کتابوں پر عزت بخشی، غالب کیا اور اس کی قدر و منزلت کو بالا کیا۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم کو ایسی فوقیت عطا کی کہ اسے کسی قسم کے جادو، کہانت اور جھوٹ سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔^③

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کو جو اعزاز و امتیاز اور عظمتیں عطا کی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ستاروں اور ستاروں کے گرنے والی جگہ کی قسم کھائی ہے، یعنی مغرب میں ستاروں کے ڈوبنے کے مقامات اور ان اوقات میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اپنی عظمت و کبریائی اور توحید پر دلالت کرنے والے جو حوادث و حالات پیدا فرماتا ہے ان کی قسم کھائی ہے۔

پھر مقسم بہ کی عظمت و بڑائی بیان کی اور فرمایا: ﴿وَ إِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ﴾ ”اور بلاشبہ اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔“ اس کلام میں تھوڑی سی تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کی مخفی عبارت یوں ہے۔ (وَ إِنَّهُ لَقَسَمٌ عَظِيمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظْمَهُ) ”اور بلاشبہ یہ بہت بڑی قسم ہے۔ کاش! تم اس قسم کی عظمت جان لیتے۔“

① الواقعة 56: 75-77

② التحرير والتنوير: 304/27

③ فتح القدیر: 160/5

جہاں تک مقسم علیہ (جس کے بارے میں قسم کھائی گئی ہے) کا تعلق ہے تو وہ خود قرآن عظیم ہے، بلاشبہ وہ حق ہے۔ اس میں شک و شبہ کا کوئی امکان نہیں ہے، بلاشبہ وہ کریم ہے، یعنی وہ خیر کثیر اور وسیع علم پر مشتمل ہے، لہذا ہر خیر، بھلائی اور علم صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اخذ کیا جاتا ہے اور اسی سے اس کا استنباط ہوتا ہے۔^①

گویا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ میں ستاروں کے گرنے کے اوقات و مقامات کی قسم کھاتا ہوں کہ بلاشبہ یہ قرآن بڑا کریم اور معزز قرآن ہے جو جادو ہے نہ کہانت اور نہ من گھڑت ہے بلکہ وہ بہت قابل تعریف و توصیف معزز قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی ﷺ کے لیے معجزہ بنایا ہے۔ وہ مومنوں کے لیے نہایت معزز اور لائق تعظیم ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا کلام ہے اور ان کے سینوں کے لیے شفا ہے۔ وہ اہل آسمان کے لیے بھی معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا نازل کیا ہوا اور اس کی وحی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ﴿کَرِيمٌ﴾ کے معنی غیر مخلوق ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن، کریم اس لیے ہے کہ اس میں انتہائی عمدہ، قابل قدر، قیمتی اور فضیلت والے احکام ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کریم اس لیے ہے کہ اس کی حفاظت کرنے والے کی عزت اور اسے پڑھنے والے کی تعظیم کی جاتی ہے۔^②

قرآن عظیم کے وصف کریم کے بارے میں گزشتہ بحث سے اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن کی عظمت، شان و شوکت، عالی منزلت اور مقام و مرتبہ واضح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام سابقہ کتب پر قرآن عظیم کو عزت بخشی، غالب کیا اور اس کی قدر و منزلت کو بھی زیادہ کیا۔ تمام تعریفیں اس اللہ کریم کے لیے ہیں جس نے کتاب کریم نازل فرمائی۔ ایک کریم

① تفسیر السعدی: 168/5 و زاد المسیر: 151/8

② تفسیر القرطبی: 216/17

﴿ إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ فَبَشِّرْهُ بِغُفْرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ۝ ﴾

﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۚ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۝﴾

”بلکہ یہ قرآن اونچی شان والا ہے۔ لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔“^۲

بلاشبہ قرآن کریم جس کی مشرکین تکذیب کرتے ہیں وہ اپنے لطم اور اسلوب میں یگانہ اور نہایت عالی مرتبہ ہے حتیٰ کہ وہ اعجاز کی آخری حد تک پہنچ گیا ہے۔ اس پر شرف و منزلت، عزت و برکت ختم ہے۔ وہ ہرگز ایسا نہیں جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں کہ یہ (معاذ اللہ) شعر، جادو، کہانت اور سحر ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہر قسم کے تغیر و تبدل اور تحریف سے پاک ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔^①

• پس 11:36، یہاں ذکر پانصحت سے مراد قرآن کریم ہے۔

2 البروج 21:85-22

❶ التفسير الحنبر: 545/15

وصف ”المجید“ کے متعلق مفسرین کے درج ذیل اقوال ہیں:

① یہ شرف والی کتاب ہے، ہر کتاب سے اشرف ہے اور نظم و اسلوب میں تمام کتب الہیہ میں سب پر فائق ہے۔^①

② قرآن کریم وسیع اور عظیم المعانی، کثیر مفاہیم والا، بہت برکتوں والا، بہت بھلائیوں اور نیکیوں والا، وسیع اور عظیم صفات والا ہے۔^②

③ شرف و کرم اور حسنت و برکات قرآن کریم پر ختم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے دین و دنیا کے جو احکام شریعت میں رکھے ہیں، قرآن انھیں صاف صاف بیان فرماتا ہے۔ مشرک اور کافر لوگ اسے شعر، کہانت اور جادو کہتے ہیں۔ یہ نہایت لغوبات ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے۔^③

ان اقوال کا مطالعہ کرنے والا شخص اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ تمام اقوال قرآن کے وصف ”المجید“ پر منطبق ہوتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں بلکہ ان میں اختلاف تنوع ہے جو بجائے خود ایک دلکش بوقلمونی ہے۔

قرآن مجید کو اس وصف سے متصف قرار دینے میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ زبردست شان و شوکت اور برگزیدگی والے اللہ رب العزت کا کلام ہے۔

جو چیز قرآن کریم کے شرف و مجد پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بری تدبیر کرنے والے کی تدبیر سے، تفریح پسند لوگوں کی لغویات سے اور اسلام اور مسلمانوں سے بغض و عداوت رکھنے والوں کے شر سے اس کی حفاظت فرمائی ہے، نیز اسے ہر قسم کی کمی بیشی اور تغیر و تبدل سے محفوظ کر دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

① تفسیر ابی السعود: 139/9، تفسیر السمرقندی: 545/3، تفسیر القاسمی: 316/6

② تفسیر ابن کثیر: 497/4 و تفسیر السعدی: 398، 79/5

③ تفسیر البغوی: 472/4 و فتح القدیر: 414/5

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

”بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

④ اسی طرح یہ بات بھی قرآن کریم کی بزرگی پر دلالت کرتی ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشادِ عالی میں اس کی حفاظت کی قسم کھائی ہے اور اسے بزرگی اور ”مجد“ سے موصوف کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هُوَ الْقُرْآنُ الْمَجِيدُ ۝﴾

”قُل! قسم ہے قرآن مجید کی۔“

چونکہ قرآن کریم بڑی شان والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، لہذا اس پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کے احکام و قوانین اور نظام پر عمل کرنا شرط لازم ہے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

قرآن کریم کے وصف ”مجید“ کی ذیلی گفتگو میں جو یہ بیان ہوا ہے کہ شرف و کرم اور حسنات و برکات قرآن کریم پر ختم ہیں تو عرض ہے کہ اس کے معانی بڑے وسیع اور نہایت عظیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بری تدبیر کرنے والے کی بری تدبیر اور تفریح پسند کی لغویات سے قرآن حکیم کی بھرپور حفاظت فرمائی ہے۔ یہ بات بڑی وضاحت سے قرآن کریم کی عظمت و رفعت اور بے مثل مقام و منزلت پر دلالت کرتی ہے۔

﴿الْعَظِيمُ﴾: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی عظمت و رفعت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ

إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾

”بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم دیا ہے۔ اور ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو جو مال و متاع دیا ہے، اس پر آپ اپنی نظر نہ جمائیں۔“^①

غور کیجیے! قرآن ذی شان کی عدیم الطیر عظمت و برگزیدگی کا یہ کیسا قابل رشک مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ جس طرح ہم نے آپ کو قرآن جیسی نادر دولت عطا کی ہے، آپ کو بھی چاہیے کہ آپ دنیا، اس کی زینت اور اہل دنیا کو جو مال و متاع دیا گیا ہے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن عظیم کا جوابدی خزانہ عطا کیا ہے اس کے سامنے دنیائے فانی کا مال و متاع اور فانی چمک دمک کیا چیز ہے۔ آپ اس سے بے پروا اور بے نیاز ہو جائیں۔

گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یقیناً ہم نے آپ کو نہایت رفیع الشان چیز (قرآن) عطا کی ہے، لہذا آپ اس کے علاوہ دنیا کے دیگر امور کی طرف ہرگز نظر نہ دوڑائیں۔^②

قرآن کریم ایک انمول اور فقید المثال نعمت ہے۔ دنیا کی ہر نعمت خواہ وہ کتنی بھی عظیم ہو، قرآن کے مقابلے میں بے حد حقیر، بیچ اور ناقابل توجہ ہے، لہذا (اے نبی) آپ پر لازم ہے کہ آپ اسی پر اتکا کریں۔^③

❖ الْبَشِيرُ وَالنَّذِيرُ: اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کی شان میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۝﴾

”(یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں، حالانکہ (یہ) قرآن عربی

① الحجر: 87-88

② تفسیر ابن عطیہ: 373/3

③ الکشاف للزمخشری: 549/2، تفسیر الثعالبی: 300/2

ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ وہ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔“^①
یہ قرآن عظیم کا خصوصی وصف ہے کہ وہ ایمان لانے والے کو جنت کی بشارت دیتا ہے اور کفر
کرنے والے کو جہنم سے ڈراتا ہے۔^②

ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قرآن کریم اطاعت گزاروں کو ثواب کی خوش خبری دینے والا
اور مجرموں کو سزا سے ڈرانے والا ہے۔^③

قرآن کریم کا ﴿بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ یعنی ”خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا“ ہونا بڑے
غور و فکر کا متقاضی ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ جو انداز (ڈراوے) اور تمثیل (خوش خبریاں)
ہیں، ان کے لیے گہرے فہم و ادراک کی اشد ضرورت ہے۔ وہ واجب قرار دیتا ہے کہ اسے قبول
کیا جائے، اس کی اطاعت کی جائے، اس پر ایمان لایا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔
انسان کے لیے یہ بات شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے کہ سزا اور عذاب تک پہنچانے والے امور
کی جان پہچان کے لیے اچھی طرح جدوجہد کرے۔^④

ان دونوں صفتوں میں قرآن عظیم اور انبیائے کرام باہم شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں
کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِينَ مُبَشِّرِينَ وَنَذِيرِينَ﴾

”پس اللہ نے نبی بھیجے، خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے۔“^⑤
اور امام المسلمین حضرت محمد ﷺ کی توصیف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

① حم السجدة 41: 3-4

② تفسیر ابن عطیہ: 4/5

③ التفسیر الکبیر: 82/27

④ التفسیر الکبیر: 84/27 و تفسیر السعدی: 744/1

⑤ البقرة: 213

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾

”(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔“^①

یعنی جو آپ کی اطاعت کرے اسے جنت کی بشارت دینے والا اور جو آپ کی نافرمانی کرے اسے جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔^②

بلاشبہ تعزیز ایجابی (ترقی دینا اور رتبہ بلند کرنا) اور تعزیز سلبی (ترقی اور رتبہ چھین لینا) دونوں باتیں کامیاب تربیت کے ارکان میں سے ہیں۔ خوش خبری دینا تعزیز ایجابی کا پہلا درجہ ہے جس طرح تعزیز سلبی کا پہلا درجہ ڈرانا ہے۔

چونکہ اللہ عز و جل رب العالمین ہے اور اپنی رحمت و حکمت کے ذریعے سے مخلوق کی تربیت فرمانے والا ہے، اس لیے اللہ رب العزت نے لوگوں کے لیے اپنی کتاب عظیم میں دونوں طرح کی تعزیز یعنی ایجابی اور سلبی تعزیز نازل فرمائی ہیں۔ جو شخص قرآنی تعلیمات کی اتباع کرتا ہے، قرآن کریم اس کے لیے خوش خبری ہے اور جو شخص ان تعلیمات کی خلاف ورزی کرتا ہے اور ان پر عمل پیرا نہیں ہوتا، قرآن کریم اسے ڈرانے والا اور خوف زدہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَكْتُبُ أَنْزَلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ لَتُنذِرَ بِهِ﴾

”(اے نبی!) یہ کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس سے آپ کے سینے میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہونی چاہیے، تاکہ آپ اس کے ذریعے سے (لوگوں کو) ڈرائیں۔“^③

① الفتح 8:48

② تفسیر السعدی: 16/2

③ الأعراف 2:7

اس کتاب عظیم کی اہمیت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿قَبِيْمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
الطَّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا﴾

”تاکہ وہ اس (اللہ) کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور مومنوں کو بشارت دے، جو نیک عمل کرتے ہیں، کہ بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔“^۱

ترغیب و ترہیب کے باب میں قرآن عظیم کی عظمت، قوت تاثیر اور قوت کار اس وقت جگہ اٹھتی ہے جب وہ قرآن پر ایمان لانے والے اور عمل صالح کرنے والے کو جنت کی خوش خبری دیتا ہے اور کفر اور نافرمانی کرنے والے بد عمل شخص کو جہنم سے ڈراتا ہے۔

توفیق صرف اسی شخص کو ملتی ہے جو دونوں معاملات کو یاد رکھتا ہے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور اس میں غور و فکر کرتا ہے تاکہ وہ قرآن کے ڈراوے سے مستفید ہو کر مہلک گناہوں سے بچ جائے اور بگاڑ اور خرابی کے مقامات سے دور رہے۔ وہ قرآن کی بشارت سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اس خوشی کی بدولت وہ نیکی کے کاموں میں اور آگے بڑھ جاتا ہے۔^۲

❖ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ اللَّهُ تَعَالَىٰ نَزَّلَ فِي الْقُرْآنِ الْأَوْصَافَ مِنْ
سے ایک وصف یہ بیان فرمایا ہے:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط﴾

”باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔“^۳

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کے مفہوم میں متعدد وجوہ بیان کی ہیں جو تمام تر قرآن عظیم سے مناسبت رکھتی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

① الکہف 2:18

② يعلمهم الكتاب، محمد الشعال، ص: 20

③ حم السجدة 42:41

اس کی کئی وجوہ اور معانی ہیں:

- ① قرآن کریم سے پہلے نازل ہونے والی کتب زبور، تورات اور انجیل، قرآن کریم کی تکذیب کرتی ہیں نہ اس کے بعد کوئی ایسی کتاب آئے گی جو اس کی تکذیب کرے گی۔
- ② جس چیز کے حق ہونے کا قرآن کریم نے فیصلہ کر دیا ہے وہ باطل نہیں ہو سکتی اور جس چیز کو قرآن نے باطل قرار دے دیا ہے وہ حق نہیں ہو سکتی۔
- ③ قرآن کریم اس خدشے سے محفوظ ہے کہ اس کے آگے سے باطل آجائے، یعنی اس میں کوئی نقص یا کمی پیدا کر دی جائے، اور اس کے پیچھے سے باطل آجائے، یعنی اس میں کوئی اضافہ کر دیا جائے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نُزِّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

”بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“^①

اس مفہوم کے مطابق ﴿الْبَاطِلُ﴾ سے مراد کمی بیشی ہے۔

- ④ نہ آج اور نہ آئندہ کبھی کسی ایسی کتاب کے معرض وجود میں آنے کا کوئی امکان ہے جسے قرآن کے معارض، یعنی قرآنی تعلیمات کے خلاف قرار دیا جاسکے۔ گزشتہ دور میں بھی کوئی ایسی کتاب وجود میں نہیں آئی جو اس قابل ہو کہ اسے قرآن کی معارض ٹھہرایا جائے۔^②
- ⑤ صاحب کشاف (مختصری) کے بقول یہ تمثیل ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ باطل اس کے قریب پھٹک سکتا ہے نہ کسی جانب سے کوئی ایسا راستہ پاسکتا ہے جس کے ذریعے سے بالآخر اس تک پہنچ جائے۔^③

① المحجر 15: 9

② التفسیر الکبیر: 114/27

③ الکشاف، للزمخشری: 207/4

⑥ ایک قول یہ بھی ہے کہ جن اور انسانی شیطانوں میں سے کوئی شیطان چوری چھپے بھی اس کے قریب پھٹک سکتا ہے نہ کوئی کمی بیشی کر کے اس میں کوئی ایسی چیز داخل کر سکتا ہے جو اس میں موجود نہیں۔ قرآن کریم اپنی تنزیل میں بھی محفوظ ہے اور نزول کے بعد بھی اس کے الفاظ اور معانی محفوظ ہیں۔ بلاشبہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس ذاتِ عالی نے لی ہے جس نے اسے نازل فرمایا ہے۔^①

⑦ (اسی سلسلے میں) یہ بھی کہا گیا ہے کہ باطل کسی بھی اعتبار سے، چاہے اس کا تعلق ماضی کی خبروں اور واقعات کے حوالے سے ہو یا شرعی احکام کی نسبت سے، قرآن کریم کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔^②

مذکورہ بالا اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ان میں اختلاف تنوع ہے جو اللہ کے ہاں قرآن کریم کی زبردست عظمت، عزت، اور قدر و قیمت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کرے: کیا تنقید کرنے والوں نے اس پر کوئی تنقید نہیں کی اور باطل پرستوں نے اس کی تاویلات نہیں کیں؟

تو اس کا جواب ہوگا، کیوں نہیں! لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور رحمت سے قرآن کریم کو باطل کی پرچھائیں سے بھی محفوظ کر دیا ہے اور اس نے ہر علاقے اور ہر دور میں ایسے اللہ والے علماء مامور کیے جنہوں نے ان کی تاویلات کا ابطال اور ان کے اقوال کا فساد ثابت کر کے انہیں آڑے ہاتھوں لیا ہے، لہذا کسی تنقید کرنے والے کی تنقید باقی نہیں رہی کیونکہ اسے بے اثر کر کے مٹا دیا گیا۔ قرآن کو باطل ٹھہرانے والا ہر قول باطل ثابت ہو گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اور وعدے کی تصدیق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مدتِ مدید اور عرصہٴ دراز گزر جانے

① تفسیر السعدی: 402/4

② التفسیر المنیر: 566/12

کے باوجود پورا کیا ہے اور یہ وعدہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک یہ دنیا قائم ہے۔ وہ وعدہ یہ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نُزَلِّلُ الْقُرْآنَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

”بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“^۱
تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے قرآن عزیز میں دخل انداز ہونے کے لیے کوئی رخنہ باقی نہیں چھوڑا۔ بھلا باطل قرآن کریم میں کیسے داخل ہو سکتا ہے اور کس طرح سرایت کر سکتا ہے جبکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوا ہے جو مبرا حق اور عظیم ہے؟^۲
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝﴾

”اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔“^۳
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ نَصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

”اور یہ قرآن (ایسا) نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور ان کتابوں کی تفصیل بھی بیان کرتا ہے۔ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں۔ (یہ) رب العالمین کی طرف سے ہے۔“^۴

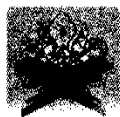
۱ الحجر 9:15، الکشاف: 207/4

۲ فی ظلال القرآن: 3127/5

۳ النساء: 82، یونس: 37

باب 2

شریعت و قانون سازی، قصص و واقعات اور
مقاصد جلیلہ کے سلسلے میں قرآن کریم کی عظمت



قرآنی مقاصد جلیلہ

ڈاکٹر محمد ابو الفتح البیانونی بعض علمائے کرام کی تعبیرات کی روشنی میں مقاصد قرآن کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

”مقاصد قرآن سے مراد انسان کی روحانی اور مادی امور میں کامیابی، مثلاً دنیا و آخرت میں سعادت اور خوش بختی کا حصول، دنیا میں انسانی ضروریات و حاجات کی تکمیل، انسانی فلاح و بہبود کو یقینی اور محفوظ بنانا اور عدل و انصاف وغیرہ کی فراہمی ہے۔“

اب ہم مندرجہ ذیل عناوین کی روشنی میں مقاصد قرآنیہ کی عظمت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں:

عقائد و نظریات کی تصحیح و تطہیر

اس سے درج ذیل تین چیزوں کی تصحیح و تطہیر مراد ہے:

❖ عقیدہ توحید کی تصحیح: قرآن کریم شروع سے لے کر آخر تک توحید کی دعوت، شرک کے

❖ محاسن و مقاصد الإسلام، الدكتور محمد أبو الفتح البیانونی، محلة الشريعة والدراسات الإسلامية، جامعة الكويت، عدد: 43 رمضان 1421، ص: 234

بطلان و انکار، دنیا اور آخرت میں موحدین کے حسن انجام اور مشرکین کے برے انجام کا بیان ہے۔

مخلوق جن جرائم کا ارتکاب کرتی ہے، قرآن کریم ان میں سے شرک کو سب سے بڑا جرم قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ﴾

”بے شک اللہ (یہ گناہ) نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔“^۱

شرک درحقیقت انسان کا انحطاط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت اور ارادے سے انسان کو کائنات کی قیادت و سیادت کا جو شرف بخشا ہے، شرک اس شرف و بلندی سے گر جاتا ہے اور انسانوں، حیوانوں، جمادات، نباتات یا ان کے علاوہ دیگر مخلوقات کی بندگی اور اطاعت کرنے کی ذلت اٹھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۚ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝﴾

”لہذا تم بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی بچو، اللہ کے لیے یکسو ہو جاؤ نہ کہ اس کے ساتھ شرک کرنے والے، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور دراز جگہ لے جا پھینکے۔“^۲

تمام انبیاء و مرسلین کی رسالتوں کی پہلی مشترکہ بنیاد تو حید کی دعوت ہی ہے۔ ہر نبی نے اپنی

قوم کو پکار کر یہ دعوت دی:

﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ﴾

”تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“^۱

لہذا اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین ثالثی (تیسرے فریق) اور وسیلے کا کوئی امکان ہے نہ اس کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ﴾

”اور (اے نبی!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (بتا دیجیے) بے شک میں قریب ہوں۔“^۲

نیز فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۖ﴾

”اور تمہارے رب نے کہا ہے: تم مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔“^۳

❖ عقیدہ رسالت و نبوت کی تصحیح: اس عقیدے کی تصحیح نبوت و رسالت کی ضرورت واضح کر کے کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۖ

وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُحْكَمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۗ ۖ﴾

”لوگ پہلے ایک ہی امت تھے (پھر ان میں اختلافات پیدا ہو گئے) تو اللہ نے نبی بھیجے،

خوشخبری دینے والے اور تنبیہ کرنے والے، اور ان کے ساتھ اس نے برحق کتاب نازل

کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کریں جن میں انہوں نے اختلاف کیا۔“^۴

۱ الأعراف: 59 ۲ البقرة: 186

۳ المؤمن: 40 ۴ البقرة: 213

اس عقیدے کی تصحیح انبیاء و رسل کی ذمہ داریاں بیان کر کے بھی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ﴾

”(اللہ نے) خوش خبری دینے والے اور تنبیہ کرنے والے رسول بھیجے۔“¹

لہذا رسول معبود ہیں نہ معبود کے بیٹے بلکہ وہ صرف اور صرف انسان ہیں جن کی طرف وحی کی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنبَاءُ إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تو بس تمہاری ہی طرح بشر ہوں۔ میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا اللہ صرف ایک اللہ ہے۔“²

وہ دلوں کی ہدایت کے مالک نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۖ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۖ﴾

”چنانچہ آپ نصیحت کیجیے، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر کوئی فوج دار نہیں۔“³

قرآن کریم نے ان شبہات کو غلط قرار دیا ہے جنہیں دور قدیم کے لوگوں نے رسولوں کے بارے میں پھیلایا تھا، جیسے انھوں نے کہا:

﴿إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ط﴾

”تم ہمارے جیسے بشر ہی ہو۔“⁴

اور ان کا قول ہے:

1 النساء 4: 165 2 الکہف 110: 18

3 الغاشیة 21: 88-22: 42 4 ابراہیم 10: 14

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً ۚ﴾

”اور اگر اللہ چاہتا تو (آسمان سے) فرشتے ضرور نازل کرتا۔“

قرآن کریم نے ان کی تردید کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے:

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ﴾

”ان کے رسولوں نے ان سے کہا: واقعی ہم تمہارے جیسے بشر ہی ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر احسان کرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر اس کی وضاحت یوں فرمائی:

﴿قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَنْشُؤْنَ مَطْبَعِينَ لَنُزِّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ۝﴾

”کہہ دیجیے: اگر زمین پر فرشتے (بے) ہوتے جو یہاں مطبعین ہو کر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے۔“

❖ عقیدہ آخرت کی تصحیح: قرآن عظیم نے ایمان بالآخرت کے عقیدے کی تصحیح اور اہل ایمان کے دلوں میں اسے پختہ کرنے کے لیے مختلف اسلوب اختیار کیے ہیں۔ ان میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مانند اس کی تخلیق کے اعادے پر قدرت رکھنے کے بیان سے اس کے دوبارہ جی اٹھنے پر دلائل قائم کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۖ﴾

”اور وہی (اللہ) ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا،

اور یہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔“

قرآن عظیم نے جزائے اعمال میں اللہ تعالیٰ کی حکمت واضح کی ہے تاکہ نیکوکار اور خطاکار، فرماں بردار اور نافرمان برابر نہ ہوں کہ زندگی فضول اور باطل امور میں بدل جائے جبکہ اللہ تعالیٰ ان سے پاک اور مبرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝﴾

”کیا تم نے سمجھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟“

نیز فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا قَوِيلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۖ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۝﴾

”اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بیکار پیدا نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جنہوں نے کفر کیا، سنو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے دوزخ کی ہلاکت ہے۔ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان لوگوں کے مانند کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں؟ یا ہم متقین کو بدکاروں کے مانند کر دیں گے؟“

قرآن کریم قیامت، اس کی ہولناکیوں اور صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو درج کیے بغیر نہ چھوڑنے والی کتاب کا تذکرہ کرتا ہے، اس میں نیکیوں اور برائیوں کا وزن کرنے والے ترازو اور ایسے دقیق حساب کتاب کا تذکرہ بڑی کثرت سے کیا گیا ہے جس میں کسی فرد پر ذرہ بھر ظلم کیا جائے گا

نہ کسی شخص سے کسی دوسرے کا بوجھ اٹھوایا جائے گا، نیز جنت، اس کی نعمتوں اور آسائشوں اور جہنم اور اس کی بھڑکتی ہوئی آگ کا تذکرہ بھی نہایت کثرت سے کیا گیا ہے۔

قرآن عظیم نے ان اوہام کی تردید بھی کی ہے جنہیں مشرکین نے شہرت دی، انہیں پھیلایا اور کہا کہ اُن کے خیالی اور نام نہاد معبود، اللہ تعالیٰ کے ہاں، ان کی شفاعت کریں گے۔ اسی طرح اہل کتاب کو جو زعم ہے کہ ان کے اولیاء اور صلحاء وغیرہ ان کی سفارش کریں گے، قرآن نے اس کا رد بھی کیا ہے۔ شفاعت صرف اللہ کی اجازت سے صرف موحد مومن ہی کے لیے ہو گی اور اللہ تعالیٰ صرف اسی شفاعت پر راضی ہے۔^①

تنگی اور مشکل دور کرنا

اپنے فرائض اور ذمہ داریاں پوری کرنے کی راہ میں بعض افراد کے لیے جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہیں کیونکہ اس میں شریعت کے مکلف انسان کی کمزوریوں اور اس کی ناقص حکمت عملی کا دخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ۝﴾

”اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“^②

اگرچہ یہ مشکلات مکلف (ذمہ دار فرد) کی ہمت و استطاعت کے مطابق ہیں لیکن پھر بھی شریعت ساز نے شریعت میں یہ خوبی اور صلاحیت رکھی ہے کہ فرائض اور ذمہ داریوں کی انجام دہی میں دشواری اور تنگی پیش نہ آئے تاکہ لوگ اپنے فرائض خوش دلی اور رغبت سے ادا کریں، ان پر فرائض کی بجا آوری میں رکاوٹ بننے والی اکتاہٹ، تھکاوٹ اور کمزوری طاری نہ

① کیف نتعامل مع القرآن العظيم، 83-88، الوحي المحمدي، ص: 108-116

② النساء 28:4

ہو اور وہ اپنے فرائض بڑھ چڑھ کر انجام دیں۔

رفع حرج، یعنی تنگی دور کرنا تمام انبیاء کی سنت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ط﴾

”اور نبی کے لیے اس بات میں کوئی تنگی نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی، ان لوگوں (انبیاء) میں بھی، جو پہلے گزر چکے ہیں، اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے۔“^①

”یعنی آپ ﷺ سے پہلے انبیاء کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ تھا کہ وہ جس چیز کا بھی اپنی امت کو حکم دیں گے اس میں ان کو کوئی تنگی محسوس نہیں ہوگی۔“^②

لہذا نرمی اور آسانی قرآن عظیم کی شریعت کے واضح اوصاف میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے: www.KitaboSunnat.com

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾

”اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔“^③

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ﴾

”اللہ نہیں چاہتا کہ تمہیں تنگی میں ڈالے۔“^④

مومنوں کی ایک دعا کے چند الفاظ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیے ہیں:

﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا

وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۝﴾

① الأحزاب 38:33 ② تفسیر ابن کثیر: 6/448

③ البقرة 185:2 ④ المائدة 6:5

”اور اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔

اے ہمارے رب! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم سے نہ اٹھوا۔“^①

قرآن عظیم کی شریعت کی نرمی میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کو دین فطرت بنایا ہے اور امور فطرت جبلت کی طرف لوٹتے ہیں جبکہ جبلت نفوس میں موجود ہوتی ہے، اس لیے جبلت کے لیے ان امور کو قبول کرنا آسان ہے جبکہ انسانی فطرت سختی، تکلیف اور تنگی سے متنفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۖ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ۝﴾

”اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کر دے، اور انسان بہت کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“^②

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسلامی شریعت عام اور دائمی ہو اور اس کا تقاضا ہے کہ امت پر شریعت کا نفاذ سہل ہو، چنانچہ اس شریعت کے پھیلاؤ اور دوام میں نرمی اور آسانی کا بڑا موثر کردار ہے۔ آسانی فطرت کا تقاضا ہے کیونکہ فطرت انسانی نرمی کو محبوب رکھتی ہے۔“^③

جو شخص آسانی اور رفع حرج کی آیات کا مطالعہ کرتا ہے وہ دوائیے اہم عوامل پالیتا ہے جنہیں قرآن عظیم تنگی دور کرنے کے لیے برؤے کار لاتا ہے:

① وہ آیات جو بشارتوں کی صورت میں ہیں اور ایسی شریعت کے آنے کی خبر دیتی ہیں جس میں آسانی ہی آسانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ۝﴾

”اور ہم آپ کو آسان راستے کی توفیق دیں گے۔“^④

① البقرة: 286 ② النساء: 28

③ مقاصد الشريعة الإسلامية، محمد طاہر بن عاشور، ص: 27

④ الأ علی 8: 87

اس آیت کریمہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو ایسی شریعت کی بشارت دی ہے جو نرم، آسان، سیدھی اور سراپا عدل ہے۔ اس میں کوئی ٹیڑھا پن ہے نہ تنگی اور نہ اس میں کوئی مشکل ہے۔

② ایسی آیات جن میں کلی طور پر یا بطور تخفیف کسی قسم کی تنگی نہ ہونے کی نص پائی جاتی ہے۔ پہلی صورت کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ط مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ط وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾

”ضعفوں، بیماروں اور ان لوگوں پر جو کوئی چیز نہیں پاتے کہ خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے میں) کوئی گناہ نہیں، جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے ہیں۔ نیکی کرنے والوں پر کوئی حرف نہیں آتا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ ①

اس آیت کریمہ نے ان معذوریوں کی وضاحت کی ہے جن کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر کوئی گناہ نہیں ہے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں۔

دوسری صورت کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالی ہے:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنَّ خَفَافُكُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا ط﴾

”اور جب تم زمین میں سفر کر رہے ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر ادا کرو، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر حملہ کر کے تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے۔“ ②

یہ آیت مقدسہ قرآن عظیم کی حقیقت پسندی کی شاہد ہے کہ وہ انسان کے ضعف کا اعتراف کرتا ہے اور اس کے لیے ان باتوں کو لازم ٹھہراتا ہے جن کا کرنا اس کے لیے ممکن ہو۔ قرآن عظیم کی یہ حقیقت پسندی اس کی عظمت اور رفعت و برتری کی علامت ہے۔

انسان کے وقار اور حقوق کی پاسداری

قرآن عظیم کے بڑے بڑے مقاصد میں سے ایک مقصد انسان کی عزت و وقار کو تسلیم کرنا اور اس کے حقوق کا لحاظ رکھنا ہے۔ یہ مندرجہ ذیل نکات سے واضح ہوتا ہے۔

● انسانی عزت و وقار کا اثبات: قرآن عظیم نے بار بار تاکید کی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بہت معزز و مکرم تخلیق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اس میں اپنی روح پھونکی اور اسے زمین میں خلیفہ بنایا۔ خلافت ایسا مرتبہ ہے جس پر محترم و مکرم فرشتے نگاہیں لگائے بیٹھے تھے لیکن انھیں اس منصب کی سعادت نہیں بخشی گئی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾

”اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا: کیا تو زمین میں اسے (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد مچائے گا اور خون بہائے گا اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا: بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“^۱

اسی طرح فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَهُمْ فِي الْوَبْرِ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝﴾

”اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور انھیں بروبحر میں سواریاں دیں، انھیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا اور انھیں اپنی کثیر مخلوقات پر بڑی فضیلت دی جنھیں ہم نے پیدا کیا۔“^①

نیز فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۝﴾

”کیا تم نے غور نہیں کیا کہ بے شک اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، تمھارے کام میں لگا دیا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور چھپی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔“^②

اسی وجہ سے قرآن عظیم نے بعض انسانوں کو اپنی فطرت تبدیل کرنے سے روکا ہے کیونکہ انھوں نے اپنی فطرت کے خلاف اللہ تعالیٰ کے سوا ان طاقت و راجرام فلکی وغیرہ کو اپنے معبود بنا لیا جنھیں اللہ نے ان کا مطیع بنایا ہے اور انھی کی عبادت کرنے لگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِن آيٰتِهِ الْاَيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ وَابِلًا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝﴾

”اور اسی (اللہ) کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند بھی ہیں۔ تم لوگ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو، اور صرف اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان (سب) کو پیدا کیا اگر

واقعی تم اس کی عبادت کرتے ہو۔“^①

مزید برآں ایسے لوگ جو خود اپنی عزت و حرمت کو پامال کر کے دوسرے افراد کا دم چھلا بن گئے، قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو بھی مردود ٹھہرایا۔ ان لوگوں کے قول کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّنَا السَّبِيلَا ۝﴾

”اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی، تو انھوں نے ہمیں سیدھی راہ سے بھٹکا دیا۔“^②

ایک گروہ نے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دوسرے انسانوں کی اطاعت کر کے ان کے تقدس اور احترام میں مبالغہ کیا تو اللہ نے ان کی تردید کی اور فرمایا:

﴿إِنَّا أَخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَالسَّيِّجِ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۝﴾

”انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو (اپنا) رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود (اللہ) کی عبادت کریں۔“^③

بلکہ قرآن کریم نے اس شخص کی بھی تردید کی ہے جس نے بعض انبیاء کی طرف یہ جھوٹی بات منسوب کی کہ انھوں نے لوگوں کو اپنی ذاتی عبادت کی دعوت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللَّهِ ۝﴾

”کسی شخص کو لائق نہیں کہ اللہ اسے کتاب و حکمت اور نبوت عطا کرے، پھر وہ لوگوں

① حم السجدة: 41: 37

② التوبة: 31: 9

③ الأحزاب: 33: 67

سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔“^۱

❁ انسانی حقوق کا اثبات: جن حقوق کو آج ”انسانی حقوق“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور انسانیت ان کے گیت گاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم ہی نے ان کی بنیاد رکھی اور منظوری دی حتیٰ کہ چودہ صدیوں سے زیادہ مدت بیت چکی ہے لیکن قرآن کریم کے عطا کردہ حقوق سے بڑھ کر جامع اور منصفانہ حقوق کی کوئی مثال اب تک پیش نہیں کی جاسکی۔ جب تک کوئی انسان کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہیں کرتا جو شرعی طور پر اس کے خون کو مباح کر دے، اس وقت تک قرآن عظیم ہر انسان کی زندگی کے حق کا اقرار و اثبات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾

”اور کسی ایسی جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے سوائے اس کے جس کا قتل برحق ہو۔“^۲

قرآن کریم نے انسان کے ذاتی گھر کے بارے میں اس کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے گھر میں داخل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بِيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ﴾

”(اے ایمان والو!) تم اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، حتیٰ کہ تم اجازت لے لو، اور ان گھر والوں کو سلام کرو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو، پھر اگر تم ان میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمہیں

اجازت دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ، یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ (عمل) ہے۔“^۱

قرآن کریم نے انسان کے مال اور خون کی حفاظت کا حق تسلیم کیا اور اس کی حلال ملکیت کی نگرانی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝﴾

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارت ہو، اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے۔“^۲

قرآن کریم نے انسان کی عزت و احترام کی حفاظت کا حق بھی تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَلَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ ط﴾

”اے ایمان والو! مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہو سکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں، اور تم آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ، اور تم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔“^۳

مرد ہو یا عورت، قرآن کریم نے شادی اور خاندان کی تشکیل کے لیے اس کا حق تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

”اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

شادی کے بعد شریف اور نیک اولاد کے معاملے میں بھی قرآن کریم نے انسان کے حق کو تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدًا ۝﴾

”اور اللہ نے تمہارے لیے تمہی میں سے بیویاں بنائیں اور اسی نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے۔“

اولاد خواہ وہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں، زندگی کے معاملے میں قرآن کریم نے ان کا حق تسلیم کیا ہے، لہذا کسی بھی سبب سے اپنی اولاد کو قتل کرنے اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے جیسے اہل جاہلیت کے گھناؤنے فعل کو بہت بڑا جرم قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ ۖ مِنْ اِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرِزُّكُمْ وَاِلٰیٰھُمْ ۝﴾

”اور اپنی اولاد کو تنگ دستی (کے ڈر) سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی اور انہیں بھی رزق

دیتے ہیں۔“^۱

اور ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ حُسْبِيَّةً ۖ إِمْلَاقٌ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيرًا ۝﴾

”اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک ان کا قتل کبیرہ گناہ ہے۔“^۲

مزید فرمایا:

﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۖ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۖ﴾

”اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، اسے کس گناہ کی وجہ سے قتل کیا گیا؟“^۳

انسان اگر عاجز یا فقیر ہو تو غنی اور مال دار لوگوں کے مال میں حسب گزران اس کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی رو سے محروموں کا یہ حق مقرر کیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۖ لِّلْمَسْكِينِ وََالْمَحْرُومِ ۖ﴾

”اور جن کے مالوں میں سواہی اور محروم کا حق مقرر ہے۔“^۴

نیز فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا ۖ﴾

”(اے نبی) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے (تاکہ) اس کے ذریعے سے آپ انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔“^۵

۱ الأنعام 151:6 ۲ بنی اسرائیل 31:17 ۳ التکویر 8:81-9

۴ المعارج 24:70-25 ۵ التوبة 103:9

منکرات کے انکار، فساد کا سدباب کرنے اور واضح ظلم اور کھلے کفر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے انسانی حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اللہ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے:

﴿وَلَا تَزْكُوزُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصِرُونَ ۝﴾

”اور تم ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنہوں نے ظلم کیا، ورنہ تمہیں آگ آ لپیٹے گی، اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست نہ ہوگا، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔“^۱

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝﴾

”بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر جاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برے کام سے منع نہیں کرتے تھے کہ انہوں نے وہ (کام) خود کیا ہوتا تھا۔ بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے۔“^۲

قرآن عظیم نے ان حقوق کو فرائض اور واجبات کے درجے تک پہنچا دیا ہے کیونکہ بعض حقوق ایسے ہیں کہ صاحب حقوق کے لیے ان سے دست بردار ہونا ممکن ہے لیکن جہاں تک ایسے واجبات کا تعلق ہے جنہیں فرض قرار دیا گیا ہے، ان سے دست بردار ہونا ہرگز جائز نہیں۔^۳

۱ ہود 11: 13 ۲ المائدہ 5: 78-79

۳ کیف تتعامل مع القرآن العظيم، ص: 89-94، الوحي المحمدی، ص: 173-177

خاندان کی تشکیل اور عورت سے انصاف کے تقاضے پورے کرنا

✽ خاندان کی تشکیل: قرآن کریم نے جن عظیم مقاصد کو اپنا ہدف ٹھہرایا ہے ان میں سے ایک ہدف صالح خاندان کی تخلیق بھی ہے۔ صالح خاندان اچھے اور سلجھے ہوئے معاشرے کی بنیادی اینٹ اور ایک سلجھی ہوئی قوم کے بار آور نخل کا بیج اور گٹھلی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خاندان کی تشکیل کی بنیاد شادی ہے۔ قرآن نے آسمانوں اور زمین وغیرہ کی تخلیق کے مانند شادی کو بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ٥﴾

”اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔“ ①

اس آیت کریمہ نے ان تین ستونوں کی نشاندہی کر دی ہے جن پر ازدواجی زندگی قائم ہوتی ہے اور وہ تین ستون سکون، محبت اور رحمت ہیں۔

قرآن عظیم نے میاں بیوی کے درمیان رابطے کو ﴿مِيثَاقًا غَلِيظًا﴾ ”پختہ عہد“ سے موسوم کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے واضح ہے:

﴿وَآخِذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ٥﴾

”اور ان عورتوں نے تم سے پختہ عہد لیا تھا۔“^①

اس سے مقصود رپکا، قوی اور مضبوط معاہدہ ہے۔

قرآن کریم نے زوجین کے باہمی تعلق، قرب، وابستگی، طمانیت، حفاظت اور پردے کو ملحوظ رکھ کر میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لیے لباس قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط﴾

”وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔“^②

قرآن کریم کی رو سے نیک اولاد شادی کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ نیک اولاد سے والدین کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً﴾

”اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمھی میں سے بیویاں بنائیں اور اسی نے تمہارے لیے بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے۔“^③

رب ذوالجلال کے بندوں کی دعاؤں میں سے ایک دعایہ بھی ہے:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا ذُرِّيَّتًا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝﴾

”اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کرو اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔“^④

خاندان کے لیے یہ بات شرط لازم ہے کہ افراد خانہ دین کے اعتبار سے متفق و متحد ہوں، اسی لیے قرآن کریم نے مشرک عورتوں سے نکاح اور مسلمان خواتین کا مشرک مردوں سے نکاح

① النساء 21:4 ② البقرة 2:187

③ النحل 72:16 ④ الفرقان 25:74

حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَتَّخِجُوا الشِّرْكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ ط وَلَا مَئْمُومَةً خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَا تَتَّخِجُوا الشِّرْكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ط وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَا تَتَّخِجُوا حَتَّىٰ يَدْعُونَ إِلَى التَّارِكِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِآذِنِهِ ؕ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝﴾

”اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بھلی ہی لگے، اور تم (مسلمان عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ غلام مومن مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بھلا ہی لگے۔ یہ (مشرک لوگ) دوزخ کی طرف بلا تے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے تمہیں جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“

اس آیت کا خاتمہ اس حرمت کی حکمت پر کیا گیا ہے۔ دوزخ کی طرف دعوت دینے والے مشرکوں اور جنت کی طرف بلانے والے مومنوں کے مابین کس قدر فرق اور فاصلہ ہے!

بلاشبہ قرآن کریم نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کی رخصت دی ہے کیونکہ وہ بھی بنیادی طور پر آسمانی دین (یہودیت یا نصرانیت) پر ایمان رکھتی ہیں، یعنی اللہ، اس کے نبی کی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں اگرچہ یہ ایمان ملاوٹی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَّكُمْ ط وَطَعَامُكُمْ حَلَلٌ لَهُمْ ط وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ط﴾

”اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے، اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے، اور تمہارے لیے پاک و امن مسلمان عورتیں، اور ان لوگوں کی پاک و امن عورتیں حلال ہیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جبکہ تم انہیں ان کے مہر دے دو، نیز انہیں نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والے۔“^۱

چونکہ مسلمان کتابیہ عورت کے دین کی اصلیت کا اعتراف کرتا ہے، لہذا وہ اس عورت پر کوئی ظلم یا زیادتی کرے گا نہ اس کے حقوق تلف کرے گا۔ اس کے برعکس اہل کتاب مرد مسلمان خاتون کے دین کی اصلیت کا اعتراف کرتا ہے نہ اس کتاب کا جس پر وہ ایمان لائی ہے اور نہ اس نبی کو مانتا ہے جس کی وہ خاتون پیروی کرتی ہے۔ اسی بنا پر اجماع ہے کہ مسلمان خاتون کا غیر مسلم مرد سے نکاح حرام ہے چاہے وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہو۔^۲

✽ عورت سے انصاف اور ظلم و ستم سے اس کی خلاصی: وہ اہم امور جنہیں قرآن کریم بنی نوع انسان کی فلاح کا ذریعہ قرار دیتا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عورت کے لیے انصاف اور ایام جاہلیت کے مظالم سے نجات کا پیغام لایا ہے۔ دین اسلام سے پہلے تمام امتوں میں حتیٰ کہ اہل کتاب کی شریعتوں اور قوانین میں بھی عورتیں بہت مظلوم تھیں۔ ان کی حیثیت لونڈیوں سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ وہ بے حد حقیر سمجھی جاتی تھیں۔ سفاکی کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا حتیٰ کہ جب اسلام آیا اور قرآن کریم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے خواتین کو وہ تمام حقوق مرحمت فرمائے جو اس نے مرد کو عطا کیے تھے ماسوا ان احکام کے جن کا تعلق خاص نسوانی معاملات و فرائض سے ہے۔ ان معاملات میں بھی خواتین کی تکریم ملحوظ رکھی گئی ہے اور ان سے شفقت و رحمت اور ہمدردانہ سلوک کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔^۳

۱ المائدة 5:5

۲ کیف نتعامل مع القرآن العظيم، ص: 108-111

۳ الوحی المحمدی، ص: 216

قرآن کریم نے بلا جواز عورت کی قسمت کے فیصلے کے سلسلے میں مرد کی آمریت قائم نہیں کی بلکہ جائز حدود میں عورت کو بھی بھرپور آزادی بخشی ہے اور بحیثیت انسان اسے اس کے تمام حقوق دیے ہیں۔ رشتے کے لحاظ سے عورت کی متعدد محترم حیثیتیں ہیں۔ وہ ماں ہے، وہ بیٹی ہے، وہ بہن ہے، وہ بیوی ہے۔ ان تمام مقدس رشتوں کے اعتبار سے عورت کو جو معاشرتی عظمت و وقار نصیب ہوا ہے وہ قرآن کریم ہی کی دین ہے۔^①

قرآن کریم نے عورت کو اس کے تمام حقوق عطا کیے ہیں اور ان حقوق کی نگہداشت کا خاص خیال بھی رکھا ہے، نیز اسے جاہلیت کے ظلم سے آزاد کیا ہے۔ قرآن کریم نے عورت کو جو بے مثال شرف بخشا ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ”سبع طوال“ یعنی سات لمبی سورتوں میں سے ایک سورت (سورۃ نساء) کو خواتین ہی کے نام سے منسوب کیا ہے۔ یہ سورت زندگی کے مختلف شعبوں میں عورت کو ایسے حقوق عطا کرتی ہے جو جاہلیت کے اولین دور میں عورت کو حاصل نہیں تھے۔

قرآن کریم کے عورت سے انصاف اور جاہلیت کے مظالم سے اسے آزادی دلانے کے مظاہر میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① جس طرح مرد کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے اسی طرح عورت کی زندگی کے حق کی تاکید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کی گئی ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۖ أَيُسْكَهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۚ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝﴾

”اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور

وہ غم و غصہ سے بھرا ہوتا ہے۔ وہ اس عار کے باعث جس کی اسے بشارت دی گئی، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، (سوچتا ہے) کیا اپنی توہین کے باوجود اسے باقی رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ آگاہ رہو! بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔^۱

② عورت کے حق ملکیت اور جو کچھ وہ حلال طریقے سے کماتی ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا حق اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں تسلیم کیا ہے:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ط﴾

”مردوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے، اور تم اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو۔“^۲

③ اللہ تعالیٰ نے عورت کو جاہلیت کے ظلم سے کامل نجات بخشی ہے حتیٰ کہ کھانے کے معاملے میں بھی عورت کو انصاف مہیا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ط سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ط إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝﴾

”اور انھوں (مشرکوں) نے کہا کہ ان (حرام کیے ہوئے) چوپایوں کے پیٹ میں جو بچہ ہو وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو تو مرد اور عورتیں سب اس میں شریک ہیں۔ جلد ہی اللہ انھیں اس طرح (خود ہی) حلال اور حرام) طے کرنے کی سزا دے گا، بے شک وہ بڑی حکمت والا اور خوب جاننے والا ہے۔“^۳

④ متقی ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں عورت کو وہی شرف و عزت حاصل ہے جو مرد کو بشرط تقویٰ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی میں اسی حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ﴾

”اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے۔“

⑤ خواتین کے لیے ان کے اعمال کا ثواب اسی طرح ثابت ہے جس طرح مردوں کے لیے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ۖ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ۚ﴾

”پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔“

⑥ وراثت میں مرد کے حق کے مانند اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں عورت کے حق کی ضمانت دی ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝﴾

”مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، (یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔“^①

⑦ اللہ تعالیٰ نے عورت کو حق مہر کی ضمانت دی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے:

﴿وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ نِحْلَةً ط﴾

”اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو۔“^②

⑧ اللہ تعالیٰ نے مردوں پر عورتوں کا مال ناحق لینا حرام قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا ط﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ۔“^③

نیز فرمایا:

﴿وَإِنْ أَدَّيْتُمْ زَوْجَ مَكَانٍ زَوْجٌ وَ أَتَيْتُمْ إِحْدَهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ط أَتَأْخُذُونَ بِبُهْتَانٍ وَ إِشْمًا مُّبِينًا ۝﴾

”اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو، اور تم نے ان میں سے کسی کو بہت سا مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کرتے ہوئے واپس لو گے؟“^④

⑨ عورت کے مسکن کے بارے میں مرد کی ناحق آمریت پسے عورت کو آزادی اور خلاصی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

① النساء 4:7

② النساء 4:20

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۖ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ط﴾

”اور جب تم عورتوں کو (پہلی بار یا دوسری) طلاق دو، پھر ان کی عدت پوری ہونے کو ہو تو انھیں دستور کے مطابق روک لیا انھیں دستور کے مطابق چھوڑ دو اور انھیں ستانے کے لیے نہ روکو، تاکہ تم زیادتی کرو۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ یقیناً اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا۔“^①

⑩ اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کو ترغیب دی ہے کہ عورت کو طلاق دینے کے بعد اس کی نفسیاتی اور سماجی حالت کے اعتبار سے اس پر احسان کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ مَتَاعٌ ط بِالْمَعْرُوفِ ط حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝﴾

”اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی دستور کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے، (یہ) متقی لوگوں پر لازم ہے۔“^②

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَتَّعُوهُنَّ وَسَرَّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝﴾

”لہذا تم انھیں کچھ دے دلا کر نہایت اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔“^③

⑪ مطلقہ حاملہ ہو تو اللہ نے اس کے لیے نفقہ ضروری قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے:

﴿وَأَنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ﴾

① البقرة 231:2

② البقرة 241:2 ③ الأحزاب 49:33

”اور اگر وہ (طلاق یافتہ) حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک تم ان پر خرچ کرو۔“^①

② دودھ پلانے والی مطلقہ عورت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے دودھ پلانے کی اجرت مقرر کی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو تاکید فرمائی ہے:

﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ﴾

”پھر اگر وہ (بچے کو) تمہارے لیے دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دو۔“^②

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امتوں میں سے کسی بھی امت میں کوئی ایسا دین نہیں پایا جاتا اور نہ ایسی شریعت اور ایسا قانون ہے جس نے خواتین کو وہ حقوق، عزت اور اہمیت دی ہو جو انہیں قرآن عظیم نے عطا کی ہے۔ کیا یہ ساری باتیں قرآن کریم کی عظمت، علم مرتبت اور رفعت و برتری کی دلیل نہیں ہیں؟

مکلف اور ذمہ دار فرد کو دنیا و آخرت میں کامیاب و بامراد بنانا

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن عظیم کی اطاعت انسان کو دنیا و آخرت میں ہدایت کی راہ دکھاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ط﴾

”کہہ دیجیے! بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے۔“^③

مومن اپنی نماز کی ہر رکعت میں، خواہ وہ فرض ہو یا نفل، اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی درخواست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا کو یوں نقل فرمایا ہے:

﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝﴾

① الطلاق 6:65

② البقرة 120:2

③ الطلاق 6:65

”ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔“ ﴿۱﴾

قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ کی جس ہدایت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس کی پیروی کرنے والا اس دنیا میں گمراہی میں مبتلا نہیں ہوتا اور آخرت میں اس کی بدبختی مٹ جاتی ہے۔ یاد رہے کہ بدبختی خوش بختی کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْغَىٰ ۝﴾

”جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔“ ﴿۲﴾

سیدھے راستے کی طرف لے جانے والی یہ ہدایت دنیا و آخرت کی سعادت اور خوش بختی کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ان دونوں خصوصیات کو جمع کر دیا ہے۔ ان آیات میں سے ایک فرمان الہی یہ ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

”جس نے نیک عمل کیے، خواہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو، تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔ اور ہم ضرور انھیں ان کا اجر و ثواب اس سے بہتر دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے۔“ ﴿۳﴾

بے شک یہ آیت کریمہ دنیاوی سعادت کے لیے ایک نص ہے جس کا فائدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ ”پاکیزہ زندگی“ سے عیاں ہے، اسی طرح یہ آیت اخروی سعادت اور خوش بختی پر بھی نص ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے اجاگر ہوتی ہے: ﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ”اور ہم ضرور انھیں ان کا اجر و ثواب اس سے بہتر دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے۔“

✽ عام انسانی محاورے میں ”سعادت“ کا مفہوم: سعادت یا خوش بختی کا صحیح مفہوم سمجھنے میں بہت سے لوگ اکثر غلطی کر جاتے ہیں۔ وہ ماکولات، مشروبات، ملبوسات، شادیوں، لذتِ مال اور مختلف شہوات و خواہشات کی تکمیل اور لذت اندوزی ہی کو خوش بختی سمجھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تفریح اور لذت اندوزی وہ شے ہے جس میں وہ جانور بھی ان کے باہم شریک اور ہم ذوق ہیں جو عقل نہیں رکھتے بلکہ بسا اوقات جانوروں کی قسمت ان لوگوں کی قسمت سے بڑھ جاتی ہے۔

ان تفریحات اور طرح طرح کی خواہشات کو اب سے پہلے بھی آزمایا گیا ہے لیکن مطلوبہ ”سعادت“ ثابت نہیں ہونے پائی۔ وہ معاشرے اور وہ لوگ ہم سے دور نہیں ہیں جنہیں مادی زندگی کی تمام مطلوبہ آسائشیں بدرجہ اتم میسر تھیں، اس کے باوجود انھیں بد بختی اور نحوست کی مضبوط پاؤں نے گھیر لیا اور وہ شکوے کرنے لگے، تنگی، انقباض اور گھٹن محسوس کرنے لگے اور ایسی راہیں تلاش کرنے لگے جن کے ذریعے سے وہ ”سعادت“ کو ڈھونڈ نکالیں۔

قرآن عظیم کی ہدایت سے ان کی دوری کے نتیجے میں دنیاوی زندگی میں ان کی بد نصیبی اور عذاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبردار کیا ہے اور ان کے مال و متاع کی چمک دمک سے ڈرایا ہے کیونکہ یہ زائل ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾

”چنانچہ ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں، یقیناً اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں دنیا کی زندگی ہی میں عذاب دے۔“^۱

حق یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے حقیقی پاکیزہ زندگی دل کے سکون و اطمینان میں پوشیدہ

ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ
إِيمَانِهِمْ ۖ﴾

”وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں تسکین نازل کی تاکہ ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو۔“^❶

نیز فرمایا:

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۚ﴾

”آگاہ رہو! اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔“^❷

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿تَطْمَئِنُّ﴾ میں مضارع کا صیغہ اس اطمینان کی مسلسل تجدید اور اس کے دائمی ہونے کا اشارہ کرتا ہے۔ دوام اطمینان کے لیے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس کی حفاظت کرے اور اسے اپنے سینے سے لگائے جبکہ عبادات کے بغیر اطمینان کے حصول کا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ جب انسان کو حالت اطمینان نصیب ہو جاتی ہے تو وہ دنیا بھر میں سب سے اچھی حالت میں ہوتا ہے اور آخرت میں وہ دائمی نعمتوں سے سرفراز ہوگا۔^❸

ہم صاحب تقدیر اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں بھی دنیا و آخرت میں ان اہل سعادت اور خوش بختوں کے زمرے میں شامل فرمادے جن کے بارے میں اس نے خود فرمایا ہے:

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَعَلَى الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ
وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْدُوذٍ ۚ﴾

❶ الفتح 4:48 ❷ الرعد 28:13

❸ التحرير والتنوير: 182/12

”رہے وہ لوگ جو نیک بخت بنائے گئے ہوں گے تو (وہ) جنت میں ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین (باقی) رہیں گے مگر یہ کہ آپ کا رب (کچھ اور) چاہے۔ (یہ اللہ کی) عطا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔“^{۱۱}

اس ساری بحث سے قرآن کریم کے درج ذیل مقاصد سامنے آتے ہیں:

❁ اصلاح عقائد: تخلیق کی ابتداء، اس کے انجام اور ان دونوں کے مابین پیش آنے والے حقائق کی طرف لوگوں کی راہنمائی کے ذریعے سے عقائد کی اصلاح کرنا۔

❁ اصلاح عبادات: تزکیہ نفوس اور ارواح کو غذا مہیا کرنے والے اور عزائم کو پختہ کرنے والے امور کی طرف انسان کی راہنمائی کے ذریعے سے عبادات کی اصلاح کرنا۔

❁ اصلاح اخلاق: اخلاق حسنہ کے فضائل کی طرف راہنمائی اور اخلاق رذیلہ سے متنفر کر کے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

❁ اصلاح معاشرہ: لوگوں کے مابین فاصلے پیدا کرنے والی فرقہ بندیوں کا خاتمہ کر کے تعصبات مٹانے اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ان کی رہبری اور معاشرے کی اصلاح کرنا۔ یہ کام بہت خوش اسلوبی سے لوگوں کو یہ احساس دلا کر انجام دیا گیا ہے کہ سب ایک ہی جنس، ایک ہی جان اور ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ان سب کے باپ آدم علیہ السلام اور ماں حوا علیہا السلام ہیں۔ کسی قبیلے کو کسی دوسرے قبیلے پر کوئی فضیلت حاصل ہے نہ کسی فرد کو کسی فرد پر کوئی فوقیت حاصل ہے۔ ہاں! صاحب تقویٰ مسلمان یقیناً افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کے دین اور شریعت کی نظر میں سب مساوی ہیں۔ افضلیت، حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں میں بلا امتیاز سبھی ہم پلہ ہیں اور بلاشبہ اسلام نے ملت اسلامیہ کے مابین ایسا رشتہ اخوت قائم کیا ہے جو نسبی اور عصبی رشتوں سے زیادہ مضبوط ہے۔ وہ سب ایک ہی امت

ہیں۔ ان کے مابین جغرافیائی سرحدیں کوئی تفریق کر سکتی ہیں نہ سیاسی اور بناوٹی فاصلے ان میں دوری پیدا کر سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنْ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝﴾

”اور بلاشبہ یہ تمہاری ملت ایک ہی ملت ہے، اور میں تمہارا رب ہوں، لہذا تم مجھ ہی سے ڈرو۔“^①

❖ ملکی نظام حکومت اور سیاست کی اصلاح: قرآن کریم نے لوگوں میں عدل و انصاف اور مساوات قائم کرنے اور احکام و معاملات میں محبت، دل جوئی، ہمدردی، شفقت، رحمت، حق و انصاف اور ایفاء عہد جیسے فضائل و محاسن سے کام لینے پر زور دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ظلم، فریب کاری، عہد شکنی، جھوٹ، خیانت، ملاوٹ، رشوت اور سود کے ذریعے سے لوگوں کا مال ناحق کھانے کے ہولناک انجام سے ڈرایا ہے، نیز دین اور خرافات کی تجارت جیسے گھٹیا اور مذموم کاموں سے اجتناب کا حکم دیا۔ اس طرح قرآن کریم نے سیاست کی اصلاح کی۔

❖ مالی اصلاح: قرآن کریم نے میانہ روی کی تاکید اور فضول خرچی اور مالی ضیاع کی ممانعت فرمائی ہے۔ نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا لازم ٹھہرایا ہے۔ ادائے حقوق پر زور دیا ہے اور مال کمانے کے لیے جائز اور شرعی حدود میں رہ کر کوشش کرنے کی ہدایت کی ہے۔ یوں قرآن عظیم نے انسان کی مالی اصلاح کی ہے۔

❖ اصلاح خواتین: قرآن کریم نے عورت کی حفاظت اور اس کا احترام کر کے اور اسے تمام انسانی، دینی، دنیاوی اور رہائشی حقوق دے کر اس کی اصلاح فرمائی ہے۔

❖ اصلاح حرب: قرآن کریم نے ناگزیر حالات میں جنگ کی نوبت آ جانے پر حرب و ضرب کے قواعد بھی مہذب بنا دیے ہیں۔ جنگ کے آغاز اور اختتام پر انسانیت کی بھلائی کے لیے

جنگ کو سلامتی والے قواعد سے مشروط کیا ہے۔ عین حالت جنگ میں بھی عدل اور رحمت و شفقت کے تقاضے پورے کرنے پر زور دیا ہے اور معاہدوں کی پاسداری واجب قرار دی ہے۔

✽ غلامی کے خلاف جنگ: قرآن کریم نے غلامی کا سد باب کرنے کے لیے مختلف طریقوں سے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ قتل، ظہار، روزے کے فاسد ہونے اور قسم شکنی یا غلام کو تھپڑ مارنے یا ضرب لگانے کے کفارے میں غلام کی آزادی کا ذکر ملتا ہے۔

✽ فکر و نظر کی آزادی: قرآن کریم ہر قسم کے جبر اور ظلم و ستم کے خلاف ہے اور آمریت اور مطلق العنانیت کی مذمت کرتا ہے۔ قرآن کریم نے مذہبی جبر اور تسلط کی ممانعت کی ہے اور انسانوں کو فکری آزادی عطا کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾

”دین میں کوئی زبردستی نہیں۔“

نیز فرمایا:

﴿فَذَكِّرْهُنَّ أَنَّهُنَّ أَنتَ مَذْكُورٌ ۖ لَسْتَ عَلَيْهِنَّ بِمُصَيِّرٍ ۖ﴾

”چنانچہ آپ نصیحت کیجیے۔ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر کوئی فوج دار نہیں۔“



قرآنی شریعت اور قانون سازی کی عظمت

قرآن عظیم کا فیضان صحیح عقیدے اور خالق کائنات اللہ جل جلالہ کی توحید تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں وہ تمام امور شامل ہیں جن کی بنیاد توحید پر ہے، مثلاً: طرز عمل اور کردار کی پاکیزگی، عقل و وجدان کی تربیت، اصلاح معاشرت اور عدل کے اصولوں کا نفاذ و اجرا وغیرہ۔ بلاشبہ قرآن کریم ان تمام اعمال کے اصولوں پر مشتمل ہے جن کا مسلمانوں کو مکلف بنایا گیا ہے، مثلاً: مالی، بدنی اور اجتماعی خالص عبادات۔ بلاشبہ یہ عبادات اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اسلام کی بنیاد ہیں۔

قرآن عظیم چھ ہزار و سو چھتیس (6236) آیات پر مشتمل ہے جو مجمل یا مفصل طور پر عبادات، عقائد، ذمہ داریوں، اصول و احکام، معاملات، امن و سلامتی اور حالت جنگ میں قوموں اور قبیلوں کے باہمی تعلقات، اصول جہاں بانی، قیام عدل، اجتماعی انصاف اور اجتماعی یکجہتی کے سلسلے میں گرانمایہ احکام و ہدایات کا خزانہ ہیں۔ مزید برآں انہی آیات مقدسہ سے معاشرے کی تعمیر و ترقی اور اخلاقی، ادبی اور علمی اعتبار سے کامل اور مثالی مسلمان بننے کی رہنمائی ملتی ہے۔

قرآن عظیم عدل و انصاف پر مبنی قوانین اور شریعت لے کر آیا ہے۔ یہ قوانین شریعت کی تمام فروعات کے عام اصولوں اور کلی احکام پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝﴾

”اور ہم نے ہر چیز خوب تفصیل سے بیان کر دی ہے۔“^❶

نیز فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾

”اور ہم نے آپ پر ہر چیز کھول کر بیان کرنے والی کتاب نازل کی ہے۔“^❷

حق یہ ہے کہ قرآن عظیم ایک درخشاں شاہراہ ہدایت اور ایک جامع دستور حیات ہے جو عبادات، معاملات، خاندان، میراث، قابل تعزیر جرائم، حدود اور نظام حکومت، غرضیکہ زمانے اور زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں دو ٹوک فیصلے اور ابدی اصول لایا ہے۔

معاشی اور تمدنی معاملات کی آیات میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد عالی یہ ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝﴾

”اور تم اپنے وہ مال نادان لوگوں کے سپرد نہ کرو جو اللہ نے تمہارے لیے گزر بسر کا ذریعہ بنائے ہیں، البتہ ان میں سے انھیں کھانے اور پہننے کے لیے دو اور ان سے اچھی بات کہو۔“^❸

شخصی احوال کے متعلق آیات میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ ہے:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْتَمَ الرِّضَاعَةُ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلِّفُ نَفْسٌ

(یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہوا یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔^①

قابل تعزیر جرائم سے متعلقہ آیات میں سے ایک فرمان الہی یہ ہے:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۖ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ۖ وَالْأَنْفَ
بِالْأَنْفِ ۖ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ ۖ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۖ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۖ فَمَن
تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۖ وَمَن لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ
هُمُ الظَّالِمُونَ ۝﴾

”اور ہم نے (تورات میں) ان کے لیے لکھ دیا تھا کہ بے شک جان کے بدلے جان
اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور
دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کا قصاص ہے، پھر جو شخص اسے معاف کر
دے تو یہ اس کے لیے (گناہوں کا) کفارہ ہے، اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے
احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی ظالم ہیں۔“^②

حدود کی آیات میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ
جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝﴾

”اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے،
تو تم انھیں اسی کوڑے مارو، اور تم ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ
نافرمان ہیں۔“^③

معاهدوں کے متعلق آیات میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ ہے:

﴿وَأَن جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّيِّعُ
الْعَلِيمُ ۝﴾

”اور (اے نبی) اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ بے شک وہی خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے۔“^۱
اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان عالی شان یہ بھی ہے:

﴿وَأَمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْخَائِبِينَ ۝﴾

”اور اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (بد عہدی) کا خوف ہو تو برابری (کی سطح) پر ان کا عہد ان کے منہ پر دے ماریں۔ بے شک اللہ خیانت (بد عہدی) کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“^۲

عمومی دفاع سے متعلق آیات میں اللہ تعالیٰ کا ایک حکم یہ ہے:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِينَ ۝﴾

”اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو (جہاد کرو) جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“^۳

فیصلہ کرنے کے متعلق آیات میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ
النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي
الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ
كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝﴾

”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمہیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔“

جہاں تک اخلاقیات، آداب زندگی اور شخصی و اجتماعی طرز عمل اور کردار سے متعلق آیات کا تعلق ہے تو قرآن کریم ان سے بھرا پڑا ہے۔ قرآن کریم کی تمام آیات میں آپ انھیں بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ اصول جہاں بانی میں قرآن عظیم نے باہمی مشورے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾

”اور ان (مومنوں) کا (ہر) کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے۔“

قرآن کریم نے انسانی حقوق کے احترام کے ساتھ ساتھ تمام اسباب قوت سے لیس ہونے کی بھی تاکید کی ہے۔ اخلاقی نظام کی تشکیل کے سلسلے میں قرآن عظیم نے خلوص نیت، حق، سچائی اور نیکی کی قدروں کا دامن مضبوطی سے تھامنے اور انفرادی و اجتماعی آداب کے التزام کی تاکید فرمائی ہے اور یہ سب ایسے امور ہیں جو انسانیت کو عروج تک پہنچا دیتے ہیں۔ اجتماعی نظام کے سلسلے میں قرآن کریم نے محبت، مودت، رحمت، شفقت، خلوص، احترام، اور باہمی تعاون کی تاکید فرمائی ہے اور ہر ذمہ دار و نگہبان کو احساس جوابدہی کے ساتھ خوش اسلوبی

سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے متحد و مربوط خاندان کی تشکیل کی دعوت دی ہے۔
قرآن کریم نے معاشی و اقتصادی نظام کے سلسلے میں منافع کے تبادلے اور انفرادی ملکیت کے احترام کی دعوت دی ہے اور اس کی خاص طور پر تلقین کی ہے کہ مال کو محض وسیلہ بنایا جائے اور اسے مقصد حیات نہ سمجھا جائے۔

نظام شریعت کی تشکیل و نفاذ کے سلسلے میں قرآن عظیم وسیع اور جامع اصولوں پر قائم ہے جو اسلامی فقہ کے عظیم سرمائے میں نئے امکانات کا تصور پیش کرتے ہیں۔^❶

حق یہ ہے کہ قرآن کریم اور اس کی قانون سازی کا بیان ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح قرآن عظیم اپنے بیان و کلام میں معجزہ ہے، اسی طرح فی الحقیقت وہ اپنی شریعت اور قانون سازی میں بھی ایک معجزہ ہے۔

قرآنی شریعت اور قانون سازی کا امتیاز

اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت نے انسانیت کو قرآن کریم اس وقت عطا کرنے کا فیصلہ کیا جبکہ رومی قانون کے نفاذ پر تیرہ صدیاں گزر چکی تھیں۔ یہ قانون اس دور کے متمدن ممالک کا محور و مرجع تھا جو اصلاح و تہذیب کے لحاظ سے اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا اور بڑے بڑے فلسفیوں، اصحابِ علم، قانون دانوں اور علمِ معاشرت اور علمِ عمرانیات کے ماہرین کی اصلاحات کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا لیکن قانون سازی کے قرآنی معجزے نے آکر ان مروجہ قوانین اور قانون دانوں، فلسفے اور فلسفیوں کو اسی طرح چیلنج کیا جس طرح اس نے اس سے پہلے اہل لغت کو چیلنج دیا تھا۔

❶ مع کتاب اللہ، أحمد عبدالرحیم السابیح، محلة الجامعة الإسلامية بالمدينة النبوية، عدد: 40،

ہر انصاف پسند محقق قرآن عظیم کے قوانین اور دیگر قوانین کے درمیان زمین و آسمان کا فرق پائے گا کیونکہ قرآنی قوانین اپنی جامعیت اور عالی مرتبت ہونے میں بے مثال ہیں۔ قرآنی قوانین میں فطرت انسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ قوانین منفی پہلوؤں اور ہر طرح کے عیوب سے خالی ہیں اور ان کا ماخذ صرف اور صرف ذات الہی ہے۔^①

بلاشبہ قرآن کریم ایسے احکام پر مشتمل ہے جو معاشرے کی تنظیم اور مودت، محبت، رحمت و شفقت اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کے تمام افراد کے درمیان تعلقات کے قیام سے تعلق رکھتے ہیں۔ زمینی قوانین میں سے کوئی قانون اور شریعتوں میں سے کوئی شریعت ان امور میں قرآن کریم پر سبقت نہیں لے جاسکی۔ حق یہ ہے کہ حق و باطل کا باہمی موازنہ نہیں کیا جاسکتا، تاہم جب ہم یونانی اور رومی قوانین اور مصلحین کے وضع کردہ قوانین اور نظاموں کے مقابلے میں قرآنی قوانین کا جائزہ لیتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ دیگر تمام وضعی قوانین معقولیت سے خالی ہیں۔^②

ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز لکھتے ہیں:

”یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک قرآن عظیم کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ قرآن کریم صرف نماز کی کتاب ہے نہ یہ محض نبوی دعاؤں کا مجموعہ، یہ خالی روح کی غذا ہے نہ محض روحانی تسبیحات کا نام ہے بلکہ یہ جہاں بانی کے لیے جامع دستور و قانون، علوم کا خزانہ اور قوموں اور نسلوں کا آئینہ ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم عہد حاضر کی سوغات اور مستقبل کی امید ہے۔“^③

قرآنی قانون سازی کی عظمت کے نمایاں پہلو درج ذیل نکات کی شکل میں سامنے

① إعجاز القرآن، الأستاذ الدكتور فضل حسن عباس و سناء فضل عباس، ص: 291-292

② المعجزة الكبرى، محمد أبو زهرة، ص: 385

③ دراسات إسلامية في العلاقات الاجتماعية والدولية، الدكتور محمد عبداللہ دراز، ص: 31

آتے ہیں:

قرآنی شریعت اور قانون سازی کی عظمت

قرآنی شریعت کی تشکیل اور قانون سازی کے خصائص میں سے ایک خاص چیز یہ ہے کہ قرآن کریم اپنی جامعیت اور کمال میں بے مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد قرآنی قانون سازی کے کمال پر دلالت کرتا ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَارْتَمَتْ عَلَيْهِمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔“

کمال جامعیت کے حامل اس فرمان الہی کا مفہوم یہ ہے کہ قرآنی قانون سازی میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کے لوگ محتاج ہیں، لہذا تمام احوال، ادوار اور علاقوں میں کبھی کوئی ایسا واقعہ یا معاملہ پیش نہیں آیا جس کے بارے میں شریعت نے کوئی فیصلہ کن حکم نہیں دیا۔ قرآنی شریعت کے مقاصد تمام حالات و حوادث میں قیامت تک کے لیے عام ہیں۔ یہ وصف صرف قرآنی قانون سازی اور شریعت ہی کے ساتھ خاص ہے۔ کسی دوسری شریعت میں یہ خوبی نہیں ہے کہ وہ دوسری شریعتوں سے کامل طور پر بے نیاز ہو۔ صرف قرآنی شریعت ہی بذات خود اکمل اور دوسری تمام شریعتوں سے بے نیاز ہے۔

اسلام سے پہلے سب سے بڑی شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تھی، وہ بھی بنی اسرائیل کے علاوہ کسی دوسری قوم سے مخاطب نہیں ہوئی اور نہ اس نے اس جامعیت اور عمومیت کا دعویٰ کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے شریعت قرآنی کو ممتاز کیا ہے۔

﴿المائدة 3:5﴾

﴿الحکم والتحاکم فی خطاب الوحی﴾ عبدالعزیز مصطفیٰ کامل 376/1

قرآنی شریعت انسان کی دنیاوی، اخروی، انفرادی اور اجتماعی بھلائیوں کی حامل ہے۔ یہ ایسی شریعت ہے جو آخرت کے بغیر دنیا کو اور دنیا کے بغیر آخرت کو ادھورا سمجھتی ہے، فرد کے بغیر جماعت کو اور جماعت کے بغیر فرد کو نامکمل سمجھتی ہے۔ اس کے نزدیک فرد ایک جز اور عضو ہے اور جماعت کل اور سالم جسم ہے۔ یہ شریعت روح کے بغیر محض جسم کے لیے ہے نہ جذبات سے خالی عقل کے لیے ہے۔ بے شک یہ ایک کامل، جامع اور عظیم شریعت ہے جو دینی بھلائیوں اور دنیاوی منافع دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلتی ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں کے تقاضے پیش نگاہ رکھنے کا اثبات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے اجاگر ہے:

﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾

”اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے، تو اس سے آخرت کا گھر تلاش کر، اور تو دنیا میں بھی اپنا حصہ مت بھول۔“

قائدِ اُمم اللہ فرماتے ہیں: ”اس کا مفہوم یہ ہے کہ حلال سے مستفید ہونے، اسے طلب کرنے اور اپنی دنیا کے انجام پر نظر رکھنے کے سلسلے میں اپنی دنیا کے حصے، یعنی زندگی کو برباد مت کر۔“

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی قانون سازی سے متعلقہ نصوص خشک اور بے لچک نہیں ہیں بلکہ وہ انسان کے دل، اس کی عقل اور احساسات سے مخاطب ہوتی ہیں اور انسانی قلوب میں پوشیدہ ایمان کو اس طرح کے فرامین ربانی کے ذریعے سے متحرک کر دیتی ہیں: ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ ”اگر تم مومن ہو۔“ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ”تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرلو۔“ ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ ”تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“ ﴿مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ.....﴾ ”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔“

اس طرزِ مخاطب سے مسلمانوں کے دل میں ایمان کی بجلیاں کوندنے لگتی ہیں، چنانچہ اس اندازِ بیان سے متاثر ہونے والا شخص بہت زیادہ مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے اور دین سے وابستگی اور نظم و ضبط کے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ یہ چیز ان وضعی قوانین کے یکسر برعکس ہے جو درحقیقت ایمان کے ستونوں پر قائم ہوتے ہیں نہ اپنے اسلوب کار میں انسان کے محسوسات کا کوئی پاس یا لحاظ رکھتے ہیں۔ وہ محض بے لچک، بے مروت اور خشک اوامر و نواہی ہوتے ہیں جو صرف ظاہری علاج اور نری دنیا کی بات کرتے ہیں، مزید برآں ان کا علاج کمزور، ان کی بات ناقص اور ان کا اسلوب کار گھٹیا ہوتا ہے۔^①

قرآنی قوانین میں دنیا اور آخرت کے تقاضوں کے مابین توازن رکھنے پر جو زور دیا گیا ہے اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ قانون شریعت بندوں کی بہتری اور فائدے کے لیے بنایا گیا ہے اور اسے احکم الحاکمین (سب حکمت والوں سے بڑھ کر حکمت والے) نے بنایا ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے مفادات اور ان کے احوال سب سے زیادہ جانتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ يَعْلَمُونَ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾

”بھلا وہ نہ جانے گا جس نے (سب کو) پیدا کیا اور وہی باریک بین باخبر ہے۔“^②

جہاں تک وضعی قوانین کا تعلق ہے، ان کا مقصود فقط دنیا کی فلاح و بہبود ہے، مزید برآں وہ فرد اور جماعت کے مفادات کے مابین امتیاز سے بھی یکسر عاجز ہیں۔^③

اس تمام بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآنی شریعت کی ہمہ گیری اور جامعیت درج ذیل امور کا تقاضا کرتی ہے:

① من مزایا التشريع الإسلامی، محمد بن ناصر السحیانی، مجلة الجامعة الإسلامية.....

② الملك 14:67

③ المقاصد العامة للشریعة الإسلامية، الدكتور یوسف حامد عالم، ص: 46-47

❖ زمانی عموم نیہ شریعت اور قانون حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک واجب الاتباع ہے۔ کسی اور قانون، شریعت، مذہب اور نظام کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ مسلسل اس کے خلاف مزاحمت کرے۔

❖ مکانی عموم ہونکہ یہ شریعت کسی مزاحمت کرنے والے یا مقابلہ کرنے والے کی رکاوٹ کے بغیر بلا شرکت غیرے پورے کرہ ارض کے لیے ہے، لہذا اسے باعتبار علاقہ بھی کامل عمومیت حاصل ہے۔ یہ روئے زمین کے تمام خطوں، منطقوں، میدانوں، پہاڑوں، وادیوں، سمندروں، دریاؤں، کھائیوں اور فضاؤں کے لیے شریعت ہے، بلکہ یہ اس کائنات کے تمام اجرام فلکی (چاند، سورج، ستاروں اور سیاروں) کی شریعت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِيَ الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۚ﴾

”آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں وہ سب رحمن کے پاس غلام بن کر آئیں گے۔“ ❖

❖ بشری عموم: جنسوں، نسلوں، قوموں، رنگوں اور زبانوں کے اختلاف کے باوجود یہ قانون شریعت ہر انسان کے لیے حتیٰ کہ جنوں کے لیے بھی واجب الاتباع ہے۔ یہ شریعت بلا امتیاز ہر ایک کے لیے ہے۔ چاہے وہ کسی بھی حالت میں ہو اور کہیں بھی ہو، خواہ روئے زمین پر ہو، یا اگر کوئی فضائی سفر کی استطاعت رکھتا ہو تو بھلے وہ آسمان پر چڑھ جائے، ستاروں تک جاسکے تو ان پر اتر پڑے، اس شریعت کی پابندی اس کے لیے بہر حال شرط لازم ہے۔ اس کے لیے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ وہ اس سے الگ ہو جائے۔ وہ اسے چھوڑ سکتا ہے نہ اس سے بھاگ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

❖ مریم 93:19، المقاصد العامة للشریعة الإسلامية، دکتور یوسف حامد عالم،

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝﴾

”اور میں نے جن اور انسان اسی لیے تو پیدا کیے ہیں کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔“^۱
نیز فرمایا:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾

”کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔“^۲

✽ بہ اعتبار موضوع نہ شریعت و قانون ہر چیز کے لیے ہے، یہ تمام لوگوں اور تمام اشیاء کے لیے نیز ان کی ہر حالت کے لیے ہے۔ قرآنی شریعت نے مردوں کے حقوق بھی مقرر کیے ہیں اور مرنے کے بعد جو حرمت ہے اس کی پاسداری بھی کی ہے۔ اس نے جانوروں سے شفقت، نرمی اور رحم و کرم کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، نیز نظام حکومت، معاشرے حتیٰ کہ پوری کائنات اور مخلوقات کا خیال رکھا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾

”ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جس کا ذکر نہ کیا ہو)۔“^۳

قرآنی شریعت کا دوام

عظیم قرآنی شریعت اس اعتبار سے بھی ممتاز ہے کہ یہ اس وقت تک قائم رہے گی جب اللہ تعالیٰ زمین کا اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اس کا وارث بن جائے گا، لہذا کوئی ترمیم اس کے قریب پہنچ سکتی ہے نہ اس میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنی شریعت اپنے احکام میں نرم اور لچک دار ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اصولوں میں بڑی مضبوط

۱ الذاریات 51:56 ۲ الأعراف 7:158

۳ الأنعام 38:6، من مزایا التشريع الإسلامی، ص: 70-73

اور راسخ ہے۔ وہ اس درخت سے مشابہت رکھتی ہے جس کی جڑیں بہت مضبوط اور اس کی شاخیں متحرک ہوں۔

قرآنی شریعت کے دوام و استمرار اور ہمیشگی پر دلالت کرنے والے چند امور درج ذیل ہیں: فرمان الہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكُوِّرَهُ الْمُشْرِكُونَ ۚ﴾

”وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند ہی کریں۔“^①

یہ نص مطلق ہے اور کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

”بے شک ہم نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“^②

قرآنی شریعت کے معاملے میں غور و فکر کرنے والا شخص فوراً سمجھ جاتا ہے کہ قرآن کریم کے دو عظیم الشان محافظ ہیں جن کی حفاظت میں قرآن کریم تا ابد محفوظ ہے۔

✽ قرآن کریم براہ راست اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے اور اسی قادر مطلق نے بہ نفس نفیس اپنی کتاب کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔

✽ اس شریعت میں حفاظت کا ذاتی اہتمام بھی ہے جو خود نفاذ شریعت کے عمل میں مضمر ہے۔ جب اس شریعت کو لاگو کیا جاتا ہے اور اہل شریعت اس پر کاربند ہوتے ہیں، اس کے فرائض انجام دیتے ہیں اور حدود کو ضائع اور پامال نہیں کرتے تو درحقیقت اس میں ہمیشگی

① الصف 9:61

② الحجر 9:15 ، من مزايا التشريع الإسلامي، ص: 75

اور بقا کے عوامل مخفی ہوتے ہیں۔

اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ تمام حدود، قوانین اور شعائر جو دین کی حفاظت کرتے ہیں انہیں قائم کیا جائے، مثلاً: قیام نماز کا اہتمام اور اسے ترک کرنے والے کی سزا کا انتظام کیا جائے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کا فریضہ سرانجام دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کی ذمہ داری بخوبی پوری کی جائے۔

قرآنی شریعت کے دوام اور اس کے انسانی زندگی کے لیے صحیح اور واحد راہ عمل ہونے سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

❁ بلاشبہ یہ شریعت عدل مطلق پر قائم ہے کیونکہ جس ذات عالی نے یہ کائنات بنائی ہے وہی حقیقی علم رکھتا ہے جس سے عدل مطلق بروئے کار لایا جاسکتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ عدل کا نفاذ و اطلاق کس طرح یقینی ہو سکتا ہے۔

❁ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی شریعت ہر میلان اور ہر عصبیت سے ٹھیک اسی طرح بری ہے جس طرح وہ جہالت، کوتاہی، غلو اور افراط و تفریط سے پاک ہے اور یہ وہ بے مثال خوبی ہے جس کا بے کنار خواہشات، میلانات، رجحانات اور طرح طرح کی عصبیتوں کے مارے ضعیف انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں موجود ہونے کا کوئی امکان نہیں، چاہے اسے بنانے والا ایک فرد ہو یا ادارہ، کوئی طبقہ ہو یا گروہ یا انسانی نسلوں میں سے کوئی نسل یا قوم ہو۔ انسان کا وضع کردہ کوئی قانون کسی کمزوری اور خامی سے یکسر پاک نہیں ہو سکتا۔

❁ بے شک قرآنی شریعت و قانون کائنات کے تمام فطری قوانین سے پوری طرح ہم آہنگ ہے کیونکہ جس ذات عالی نے یہ شریعت بنائی ہے وہ اس کائنات کا خالق ہے، لہذا جب اس نے انسان کے لیے شریعت کا تعین فرمایا تو اس نے ایسا قانون بنایا جو درحقیقت

انسان کے کائنات کا اہم ترین عنصر ہونے کے اعتبار سے انسان کے لیے نہایت موزوں ہے۔ کائنات کے تمام عناصر پر انسان کا غلبہ ہے اور وہ سب خالق کائنات کے حکم سے اس کے مطیع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اور اس کائنات کی حرکت کے درمیان جس میں وہ رہتا ہے، مکمل یکسانیت، یکجہتی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

بلاشبہ قرآنی شریعت ہی وہ واحد شریعت ہے جس میں انسان دوسرے انسان کی محکومی و بندگی سے آزاد ہے۔ اسلامی منہج کے سوا تمام مناج اور مذاہب میں بعض لوگ اپنے ہی بعض لوگوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیتے ہیں۔ جہاں تک دین اسلام کا تعلق ہے، اس میں لوگ بندوں کی عبادت سے چھکارا پا کر بندوں کے رب کی عبادت کرتے ہیں، جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

بلاشبہ قرآنی شریعت ایک ایسا منہج ہے جو انسانی وجود کی حقیقت، انسانی ضروریات اور جس کائنات میں انسان رہ رہا ہے اس کی حقیقت اور اس کا انتظام کرنے والے نگرانوں کے اوصاف کے بارے میں علم مطلق پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی شریعت کی بدولت انسانی افعال و مشاغل کے مابین کوئی تباہ کن تصادم پیدا ہوتا ہے نہ پروان چڑھتا ہے کیونکہ قرآنی شریعت سراپا اعتدال و توازن ہے اور یہ وہ بے مثال اور نادر خوبی ہے جو انسان کے بنائے ہوئے کسی قانون اور منہج میں تابعدستیاب نہیں ہو سکتی کیونکہ انسان ہر چیز کے صرف ظاہر کو جانتا ہے۔ اسے کائنات، انسان اور زندگی کے صرف انہی پہلوؤں کے بارے میں علم ہے جس سے پردے ہٹے ہوئے ہیں اور یہ ظواہر کا علم بھی صرف ایک مقررہ مدت تک محدود ہے کیونکہ دنیاوی علوم کی نت نئی تحقیقات اور انکشافات ماضی کے علمی مسلمات کی تردید کرتے رہتے ہیں۔

قرآنی شریعت وہ منہج ہے جو تمام انسانوں کے مابین وحدت و اتفاق کے رشتے اتنے مضبوط

کر دیتا ہے کہ اس کے آگے تمام نسلی، وطنی، لسانی اور طبقاتی اختلافات اور فرقہ بندیوں معدوم ہو جاتی ہیں اور معاشرہ ایک ایسی اکائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس میں ایک ہی عزم و ارادہ متحرک رہتا ہے اور ایک ہی روح اس کا نظام چلاتی ہے۔ یہ روح انھیں متحد کر کے مشترکہ مقاصد حسنہ کی طرف لے جاتی ہے اور تمام انسان ایسے ہو جاتے ہیں جیسے وہ جسد واحد کے اعضاء ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءُ فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾

”جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس (اللہ) نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔“^①

قرآنی قانون عدل و انصاف

اللہ تعالیٰ کے حضور تمام انسان برابر ہیں، لہذا قرآنی شریعت اس بنیاد پر انھیں ایک ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی قانون لوگوں کے مابین مساوات پیدا کر کے ان میں بے لاگ انصاف کے اصول قائم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۖ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ﴾

”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔“^②

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں تمام بنی نوع انسان کے درمیان بر بنائے انصاف فیصلہ

① آل عمران 103:3، القرآن شریعة المجتمع، الدكتور عارف خليل محمد ابو عید، ص:

کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے برعکس یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کے مابین، یا ایک جنس کو چھوڑ کر دوسری جنس کے مابین، یا ایک رنگ والوں کو چھوڑ کر دوسرے رنگ والوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یہاں عدل سے مراد یہ ہے کہ مستحق شخص کو اس کا حق اس کے استحقاق کے مطابق دو، مظلوم پر ظلم و زیادتی ختم کراؤ اور لوگوں کے مسائل و معاملات کے حل کے لیے ایسی تدبیر کرو جس سے انھیں فائدہ پہنچے۔^①

عدل قرآنی قانون و شریعت کا سب سے زیادہ درخشاں پہلو ہے۔ وہ شریعت میں اجتماعیت اور طرز معاشرت کا معیار ہے۔ اسی کی بدولت جماعت کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ ہر وہ چھوٹی یا بڑی اجتماعی یکجہتی جو عدل پر قائم نہ ہو، چاہے اس میں زیادہ سے زیادہ قوت، تنظیم اور نظم و ضبط کی پابندی موجود ہو، وہ زوال سے دوچار ہونے والی ہے کیونکہ فیض رساں اور منفعت بخش نظام کی بنیاد صرف عدل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝﴾

”بے شک اللہ عدل اور احسان اور قربات داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔“^②

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ ان بنیادی احکام سے تعلق رکھتی ہے جن میں پورا دین اور شریعت سمٹ آئی ہے۔^③

دیگر قوانین اور شریعتوں کی نسبت قرآنی شریعت میں عدل کے نہایت نتیجہ خیز اور گہرے

① التحریر و التنویر: 162/4

② النحل: 90:16

③ الجامع لأحكام القرآن: 285/5

معافی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنی شریعت انسانیت کے لیے ارتقائی پہلو رکھتی ہے جنہیں قرآن کریم کے اسلوب بیان اور لغت عربی کی رو سے ”عدل“ کے مترادفات سے پہچانا جاسکتا ہے۔ عدل کو (الْقِسْطُ) سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور (الْقِسْطُ) انصاف کے تقاضے کے مطابق پورا پورا حصہ دینے کو کہتے ہیں۔^①

❖ قرآن عدل کی ترغیب دیتا ہے: قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اپنے انصاف پسند بندوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی صراحت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝﴾

”اور تم ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور تم انصاف کرو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“^②

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الدِّينِ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝﴾

”جو لوگ تم سے دین کے معاملے میں نہیں لڑے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تمہیں ان سے بھلائی کرنے اور ان سے انصاف کرنے سے نہیں روکتا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“^③

بسا اوقات قرآن عظیم ”عدل“ کو میزان سے بھی تعبیر کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالسَّابِقَ رُفْعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝﴾

① المفردات فی غریب القرآن، ص: 403

② الحجرات 49: 8 المتحدثة 60: 8

”اور آسمان کو اسی (رحمن) نے بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی۔“^۱

یہاں ﴿الْمِيزَانِ﴾ ”ترازو“ سے مقصود عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿الَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَاقْيُمُوا الْمَوَازِينَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝﴾

”تا کہ تم تولنے میں گڑبڑ نہ کرو، اور تم انصاف سے وزن کرو، اور تول میں کمی نہ کرو۔“^۲

”یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح آسمان و زمین کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا کیا، اسی

طرح تم بھی عدل کرو تا کہ تمام اشیاء حق و عدل پر قائم ہو جائیں۔“^۳

سورۃ الرحمن کی مذکورہ بالا آیات سے پہلی آیات میں غور و فکر کرنے والا شخص یہ حقیقت

بخوبی سمجھ لیتا ہے کہ یہ آیات انسانی تخلیق کی نعمت، وحی کی نعمت، کائنات کی عبودیت اور بندگی

اور کائنات کے عدل اور میزان پر قائم ہونے کے بارے میں آگہی بخشی ہیں۔ اس کے بعد

ہمارے لیے عدل، میزان، انصاف اور قسط (منصفی) کا حکم آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورت

کے آغاز میں فرمایا ہے:

﴿الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ الشَّشُّ وَالْقَمَرُ

بِحُسْبَانٍ ۝ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدْنَ ۝ وَالسَّيَّءُ رَفَعَهَا ۝ وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝

الَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَاقْيُمُوا الْمَوَازِينَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝﴾

”اللہ رحمن (ہے)، اسی نے قرآن سکھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا، اسے بولنا

سکھایا۔ سورج اور چاند ایک حساب سے (چلتے) ہیں، اور بلیں اور درخت سجدہ کرتے

ہیں اور آسمان کو اسی (رحمن) نے بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی تا کہ تم تولنے میں گڑبڑ

نہ کرو، اور تم انصاف سے وزن کرو اور تول میں کمی نہ کرو۔“^۴

۱ الرحمن 7:55 ۲ الرحمن 8:55-9

۳ تفسیر ابن کثیر: 495/7 ۴ الرحمن 1:55-9

چنانچہ قرآن عظیم میں بیان کردہ عدل کا راسخ ہونا قابلِ فہم ہے جسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ عدلِ قرآنی کوئی ایسی دستاویز نہیں جسے شق و ارتزیب کے ساتھ قانونی حیثیت دے کر معرضِ تحریر میں لایا گیا ہو اور جسے مجلّد کر کے دفاتر میں رکھا جائے، پھر وہ سرکاری ریکارڈ یا الماریوں کی زینت بنے۔ میرے رب کی قسم، قرآنی عدل ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ قرآنی شریعت میں عدل کو ابدی اور لازوال قدر و منزلت حاصل ہے اور یہ پوری کائنات پر محیط ہے جیسا کہ سورہٴ رحمن کی گزشتہ آیات میں یہ بات گزر چکی ہے۔^{۴۰۶}

بلاشبہ قرآن عظیم نے عدل کی قدر و منزلت بہت بڑھا دی ہے، حتیٰ کہ اسے توحید سے مربوط کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِانْقِسَاطِ ط
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

”اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، فرشتوں اور اہل علم نے بھی (گواہی دی ہے)، حالانکہ وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غالب ہے، خوب حکمت والا۔“^{۴۰۷}

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے معزز فرشتوں، انبیائے کرام اور مومنوں میں سے اہل علم کی اس گواہی کا تذکرہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کا نظم و نسق عدل سے چلا رہا ہے۔^{۴۰۸}

جب عدل کو توحید کے ساتھ قائم کیا گیا تو ظلم بھی اس پستی کو پہنچ گیا کہ وہ شرک کا ہم پلہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

۴۰۶ الحکم و التحکم فی خطاب الوحی: 1/404-406

۴۰۷ آل عمران 18:3

۴۰۸ تفسیر الجلالین، ص: 67

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝﴾

”بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“^❶

اللہ تعالیٰ نے شرک کو حرام قرار دیا ہے اور بنی نوع انسان کو، خواہ وہ کافر ہی ہوں، شرک سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عدل سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں اور ظلم سے بڑھ کر کوئی چیز مغضوب اور ناپسندیدہ نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

«يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَىٰ نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالُمُوا»

”اے میرے بندو! بلاشبہ میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دے دیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام ٹھہرایا ہے، لہذا تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔“^❷

پس اللہ تعالیٰ نے بہ نفس نفیس اپنے آپ کو بندوں پر ظلم کرنے سے روکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَنَا بِظَالِمٍ لِّلْعَبِيدِ ۝﴾

”اور میں بندوں پر ظلم توڑنے والا نہیں۔“^❸

❶ لقمان 13:31

❷ صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم الظلم، ح: 2577، [إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَىٰ نَفْسِي] کا مفہوم علماء نے یہ بیان کیا ہے: ”میں ظلم سے پاک ہوں اور اس سے بہت بالا مقام پر ہوں۔“ لغوی طور پر تحریم کا حقیقی مفہوم ”ممانعت اور روکنا“ ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے ظلم سے پاک ہونے کا نام تحریم رکھا گیا ہے کیونکہ کسی چیز کے معدوم ہونے کے منہوم میں تقدس اور پاکی ممنوع کے مشابہ

ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی: 348/16)

❸ قی 29:50

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ۝﴾

”اور اللہ جہاں والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔“^❶

نیز فرمایا:

﴿وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝﴾

”اور اللہ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔“^❷

اور فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا﴾

”بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا۔“^❸

مزید فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾

”بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔“^❹

اس کے باوجود کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام ہیں اور وہ جو سلوک بھی بندوں سے روا رکھے، اس کے بارے میں اس سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاسکتا، پھر بھی اللہ تعالیٰ اپنی ذات عالی سے ظلم کی نفی فرماتا ہے۔

جس ذات عالی نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دے رکھا ہے، وہ لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتی۔ اس کی مقرر کردہ شریعت اور اس کے دیے گئے احکام عدل و انصاف کے سوا کچھ نہیں۔ پس اگر بندے دنیا و آخرت میں کامیابی چاہتے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ قرآنی

❶ المؤمن 108:3 ❷ المؤمن 31:40

❸ یونس 44:10 ❹ النساء 40:4

شریعت اور قانون ہی کے مطابق فیصلے کریں۔

ظلم کو حرام قرار دینے کے بالمقابل عدل کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی پر آسمانوں اور زمین کو قائم کیا ہے، اسی کی وجہ سے اس نے رسول بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں اور قوانین اور شریعتیں مقرر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ط﴾

”اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور ترازو نازل کی۔“^۱

اسی طرح فرمایا:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ ط﴾

﴿لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ط﴾

”یقیناً ہم نے اپنے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ہم نے ان پر کتاب اور

میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔“^۲

پس حق اور میزان دونوں عدل ہیں اور یہ دونوں وہی (الْقِسْطُ) ”انصاف“ ہیں جس کی

قرآن کریم نے دعوت دی ہے۔^۳

✽ عدل کے میدان کار: اللہ تعالیٰ نے صریح طور پر اپنے رسول ﷺ کو عدل کا حکم دیا ہے

جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿وَأْمُرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ط﴾

”اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔“^۴

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو عدل کا حکم دیا ہے کیونکہ عدل تمام امور سے بڑھ کر تقویٰ

۱ الشوریٰ ۱۷: ۴۲ ۲ الحديد ۲۵: ۵۷

۳ أضواء البیان: ۶۴/۷ ۴ الشوریٰ ۱۵: ۴۲

کے قریب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اعْدِلُوا تَهُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾

”عدل کرو یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔“^۱

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو زمانے اور زندگی کے ہر شعبے اور ہر معاملے میں تاحیات عدل کا حکم دیا ہے، چنانچہ قوی امور میں عدل کا حکم یوں صادر کیا ہے:

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾

”اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو اگرچہ (معاملہ تمہارے) قریبی رشتے دار (کا) ہو۔“^۲

فعلی امور میں مومنوں کو عدل کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! تم انصاف کے لیے ڈٹ جانے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف یا تمہارے والدین اور رشتے داروں کے خلاف ہو۔“^۳

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو عائلی معاملات میں عدل کے ذریعے ثالث بنانے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ط﴾

”اور اگر تمہیں دونوں (میاں بیوی) میں جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک شخص مرد کے کنبے

سے اور ایک عورت کے کنبے سے منصف مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں میں موافقت پیدا کر دے گا۔“^۱

مالی معاملات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو عدل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلْيَكْتَسِبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾

”اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ تحریر کرے۔“^۲
اور اسی طرح فرمایا:

﴿فَلْيُسَلِّلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ﴾

”تو اس کا مختار انصاف کے ساتھ لکھوائے۔“^۳

اللہ تعالیٰ نے عدالتی امور میں مومنوں کو عدل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ﴾

”اور تم اپنے میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنا لو اور اللہ کے لیے گواہی قائم کرو۔“^۴

امور عبادت میں مومنوں کو عدل کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُّتَعِدًّا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعْمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾

”اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (حالت احرام میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہو اس کے برابر اسے ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں گے۔“^۵

۱ النساء 35:4 ۲ البقرة 2:282

۳ البقرة 2:282 ۴ الطلاق 2:65 ۵ المائدة 5:95

ذاتی امور اور قلبی جذبات و معاملات کے بارے میں مومنوں کو عدل کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ اَلَّا تَعْدِلُوْا ۚ اَعْدِلُوْا ۚ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۚ﴾

”اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔“^①

اللہ تعالیٰ نے سیاسی اور سرکاری معاملات میں مومنوں کو عدل کا حکم اس طرح دیا ہے:

﴿وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَعْدِلُوْا بِالْعَدْلِ ط﴾

”اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔“^②

مومنوں کو اغیار اور دشمنوں کے ساتھ بھی بھرپور عدل کی تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنُوْا فِتْنَةً ۚ وَيَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ط ۚ فَاِنْ اَنْتَهُوْا فَلَا

عُدُوْا ۚ اِلَّا عَلَى الظَّالِمِیْنَ ۝﴾

”اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو

جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں۔“^③

مسلمان خواہ نیکو کار ہوں یا بدکار، ان سب کے ساتھ مومنوں کو عدل کرنے کا حکم دیتے

ہوئے فرمایا:

﴿فَقَاتِلُوا الَّذِیْنَ تَبَغُّوْا حَتّٰی تَفِیْءَ اِلَیْ اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَاَتْ فَاصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا

بِالْعَدْلِ ۚ وَاَقْسِطُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝﴾

”(اگر مومنوں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے) تو تم اس سے لڑو جو زیادتی کرتا

ہے، حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو تم ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور تم انصاف کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ ﴿۱۰﴾

قرآن کریم کی آیات اور اس پوری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ عدل بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْيَمِينَٰ بِالْقِسْطِ ۚ لَّا تُكْفِرُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدُوا ۚ لَّوْكَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَيَعْهَدِ اللَّهُ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝﴾

”اور تم ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا دو۔ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ (معاملہ تمہارے) قریبی رشتے دار (کا) ہو اور تم اللہ کا عہد پورا کرو۔ ان ساری باتوں کی اللہ نے تمہیں تاکید کی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“ ﴿۱۱﴾

قرآنی شریعت میں عدل کے پہلو بہت زیادہ ہیں جن کا ادراک صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو دنیاوی آلائشوں سے پاک ہو کر خلوص دل سے قرآن کریم کے احکام پر غور کرتا ہے، مثلاً: خاندان، اسے تشکیل دینے، اس کا نظم و نسق چلانے اور اہل خانہ کے حقوق و فرائض کے سلسلے میں قرآنی شریعت اور قانون کے جو خصوصی احکام ہیں ان کے مقابلے میں ان قوانین کے احکام کوئی حیثیت نہیں رکھتے جن پر انسانوں نے اتفاق کر لیا ہے اور ان کے عادی ہو گئے ہیں۔ قرآنی شریعت میں باپ کے حقوق بھی ہیں اور اس پر فرائض اور پابندیاں بھی ہیں، اسی طرح ماں کا معاملہ ہے۔ بیٹے بھی اسی طرح مکلف ہیں۔ میاں بیوی کے باہم سلوک کے متعلق

بھی ہم اسی قاعدے کو کارفرما دیکھتے ہیں جس کی طرف اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط﴾

”اور دستور کے مطابق عورتوں کے (مردوں پر) ویسے ہی حقوق ہیں جیسے (مردوں کے) عورتوں پر ہیں اور مردوں کو ان پر ایک فضیلت (حاصل) ہے۔“^{۴۱}

میراث اور ورثے کی تقسیم کی بابت قرآنی شریعت کے خصوصی احکام بجائے خود عدالت شمار کیے جاتے ہیں، لہذا اولاد کے وجود یا عدم وجود اور بہنوں کے وجود یا عدم وجود کے مختلف احوال کے مطابق قرآنی شریعت میں باپ کے لیے اس کا حصہ ہے اور ماں کے لیے اس کا حصہ، خاوند کے لیے اس کا حصہ ہے اور بیوی کے لیے اس کا حصہ، بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے بھی حصے ہیں اور بھائیوں، بہنوں، چچاؤں اور پھوپھیوں کے لیے بھی حصے مقرر ہیں، اسی طرح یہ حقوق اہل حق کو، چاہے وہ جتنے بھی دور کے ہوں، درجہ بدرجہ پہنچ جاتے ہیں۔

جہاں تک سزاؤں کے دائرہ کار میں شریعت قرآنی کا تعلق ہے، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قصاص اکثر شخصی جرائم کی بنیادی سزا ہے جو براہ راست لوگوں کو دی جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ سزا انصاف کی معراج سمجھی جاتی ہے، اسی طرح حدود بھی بلاشبہ مکمل عادلانہ سزائیں ہیں۔ اس بات کا صحیح ادراک ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہم ان جرائم کی سنگینی کا جائزہ لیتے ہیں جن کی وجہ سے یہ سزائیں فرض کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾

”اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔“^{۴۲}

اور فرمایا:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ط﴾

”اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف پہنچی ہو۔“^①

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآنی شریعت کے احکام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیشہ کے لیے نازل کردہ ہیں اور عدل اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے تو ضروری ہے کہ یہ احکام شریعت بھی محکم اور عدل والے ہوں۔ اسی وجہ سے ہم یہ حتمی نتیجہ نکالتے ہیں کہ بلاشبہ عدل قرآنی شریعت کے اوصاف میں سے ایک بنیادی وصف ہے۔^②

قرآنی شریعت میں عدل محض دنیا کا صرف ظاہری مساوات والا عدل نہیں بلکہ یہ لوگوں کی دنیا اور آخرت کے درمیان ایک رابطہ ہے، اس کا ایمان کے ساتھ بڑا گہرا اور مضبوط تعلق ہے اور یہی ربط و تعلق اسے دنیا کے وضعی نظام زندگی سے ممتاز کر دیتا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَقُلْ أَمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط﴾

اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ط لَنَّا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ط﴾

”اور کہہ دیجیے! اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔“^③

ابوسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ یعنی مجھے

① النحل 126:16

② من مزایا التشريع الإسلامی، ص: 69-70

③ الشوری 15:42

حکم دیا گیا ہے کہ میں شریعت، قوانین اور احکام کی تبلیغ کے معاملات میں اور مقدمے اور جھگڑے کے موقع پر تمہارے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کروں..... ﴿اللَّهُ رَئِبْنَا وَرَبُّكُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہم سب کا خالق اور ہمارے معاملات کا ذمہ دار ہے۔ ﴿لَنَا أَعْمَالُنَا﴾ یعنی ہمارے اعمال کا بدلہ، چاہے ثواب ہو یا عذاب، ہم سے چوک نہیں سکتا، وہ یقیناً ہمیں مل کر رہے گا ﴿وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ﴾ یعنی تمہارے اعمال کے اثرات تمہارے ہی لیے ہیں۔ وہ تمہاری حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم تمہاری نیکیوں سے استفادہ کریں اور تمہاری برائیوں سے تکلیف اٹھائیں۔^❶

نبی اکرم ﷺ کو فیصلے کا دن آنے تک اس دنیا میں عدل کرنے کا حکم دیا گیا اور جب وہ دن آ جائے گا جس دن سب کے سب معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے میں عدل کرنے کی ذمہ داری سنبھال لے گا۔

قرآنی شریعت اور قانونِ عدل و انصاف کے تقاضے

قرآنی قانون اور شریعت میں عدل کا مفہوم دیگر انسانی ساختہ نظاموں اور قوانین سے بہت مختلف اور ممتاز ہے۔ یہ قوانین عدل کے مفہوم کی ظاہری سطح ہی سے واقفیت رکھتے ہیں جس کا عقل ادراک کر لیتی ہے، جیسے ترازو میں پورا تولنا، خرید و فروخت میں لوگوں کے اموال نہ کھانا، ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرنا وغیرہ۔ لیکن ان قوانین سے عدل کا دوسرا پہلو اوجھل ہے جس کی گہرائی تک پہنچنا صرف اس شریعت ہی کے ذریعے سے ممکن ہے جو معصوم و محفوظ ہے، جو قلب و ضمیر کو عدل کے ذریعے سے مخاطب کرتی ہے کیونکہ اس کا صدور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، جو نہایت باریک بین اور خبردار ہے، جو دلوں کے راز اور جو

کچھ سینوں میں چھپا ہوتا ہے اسے بخوبی جانتا ہے۔ شرعی عدل کی کئی شکلیں اور رنگ ہیں۔ اندھے، بہرے اور گونگے وضعی قوانین میں ہرگز یہ صلاحیت نہیں کہ وہ لوگوں کو عدل کی یہ مختلف صورتیں دکھاسکیں یا ان کے ذریعے سے لوگوں میں حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرسکیں۔ پس ایسے قوانین میاں بیوی کے درمیان یا والدین اور ان کی اولاد کے درمیان یا اولاد اور ان کے والدین اور اسی طرح دیگر افراد کے مابین کس طرح عدل کی ضمانت دے سکتے ہیں؟

فروخت کرنے والے اور خریدار کے مابین، تاجر اور صارف کے مابین اور کام کرنے والے اور کرانے والے کے مابین ان امور میں وضعی قوانین کے تجوں کا عدل کیا ہوگا جن امور کا تعلق دلوں اور ضمیر سے ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ وضعی قوانین اپنی ذات میں ناقص، بے مایہ اور مفلس ہیں۔ ان قوانین میں اللہ تعالیٰ کی خشیت، ورع، تقویٰ، شبہات سے بچاؤ، نفس کے ذاتی محاسبے، ثوابِ جنت کی امید، عذابِ جہنم سے خوف کا کوئی تذکرہ ہے نہ اس سلسلے میں کوئی قانونی شق ہے۔ ان قوانین میں صرف وہی دفعات ہیں جن کا تعلق مظالم کی کھلی صورتوں سے ہے، مثلاً: یہاں معاملات کی متعدد صورتیں ایسی ہیں جو قرآنی شریعت میں حرام قرار دی گئی ہیں۔ شرعی فقہ میں ان کے لیے متعدد فروعی احکام ہیں لیکن اس فقہ میں ان کا قطعاً کوئی ذکر نہیں جسے ”قانونی فقہ“ (Jurisprudence) کا نام دیا جاتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے صرف عدل ہی کا حکم نہیں دیتا ہے بلکہ اس نے قیامِ عدل میں مبالغے کا حکم دیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم انصاف کے لیے ڈٹ جانے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف یا تمہارے والدین اور

رشتے داروں کے خلاف ہو۔“^①

”اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿قَوِّمِينَ﴾ مبالغے کا صیغہ ہے یعنی تم سب سے بار بار (الْقِسْطُ)

”انصاف“ کا صدور و قیام ہو، یہی عدل ہے۔“^②

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو شدید غصے اور بغض کی حالت میں بھی عدل ہی کا حکم دیا ہے اور ترکِ عدل سے ڈرایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَا تَعْلَمُوْا﴾

”اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔“^③

امام زبختری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”اس آیت میں زبردست انتباہ کیا گیا ہے کہ کفار جو اللہ کے دشمن ہیں، ان سے بھی عدل کرنا واجب ہے۔ جب کافروں سے عدل کا معاملہ کرنے میں یہ شدت ہے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ وجوبِ عدل کا کیا عالم ہو سکتا ہے جو اللہ کے دوست اور اس کے محبوب ہیں۔“^④

بلاشبہ وضعی قوانین کی اصلیت اور نمایاں امتیازات ظلم اور بے جا طرف داری ہیں۔ ان نظاموں میں اس قانونی ظلم کے مظاہر و امثال درج ذیل ہیں:

انسانی تاریخ کے دوران میں سب سے زیادہ مظالم عدل کے نام پر عدالت کے کٹہرے میں ہوئے ہیں، چنانچہ ایسے ایسے قوانین اور شریعتیں وضع کی گئی ہیں جو انسان کو ہلاکت کی وادیوں میں گرانے والی تھیں، حالانکہ ان کے بارے میں یہ زعم تھا کہ وہ عدل کو سچا کر دکھائیں

① النساء 135:4

② فتح القدیر: 790/1

③ المائدة 8:5

④ الکشاف 647:1

گی۔ ایک چھوٹے سے گناہ کے لیے بڑی بڑی سزائیں مقرر کی گئیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ غیر مجرم کو سزا کا فیصلہ سنا دیا جاتا۔

چنگیز خان^۱ کی شریعت میں یہ قانون تھا کہ جو شخص جان بوجھ کر جھوٹ بولتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص جاسوسی کرتا اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو جادو کرتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص ساکن پانی میں پیشاب کرتا یا اس میں ڈبکی لگاتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص دو جھگڑا کرنے والوں میں دخیل ہو کر دونوں میں سے کسی ایک کی مدد کرتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص کسی قیدی کو اسے قید کرنے والے کی اجازت کے بغیر کھانا کھاتا یا کپڑے پہنا دیتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص بھاگتا ہوا پایا جاتا، ہر چند وہ بلا ارادہ بھاگ رہا ہوتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص کسی دوسرے آدمی کی طرف کوئی کھانے والی چیز پھینکتا، اسے بھی قتل کر دیا جاتا تھا۔ قانون یہ تھا کہ چیز ہاتھ کے ذریعے سے دوسرے کے ہاتھ میں پکڑائی جائے۔ جو شخص کسی کو کوئی چیز کھلاتا، اس پر لازم تھا کہ پہلے خود اس میں سے کچھ حصہ کھالے۔ جو شخص خود کھا لیتا، مگر دوسرے کو نہ کھلاتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص کسی حیوان کو ذبح کرتا، اسے بھی اسی طرح ذبح کر دیا جاتا تھا، بلکہ اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ اس کا پیٹ پھاڑ کر پہلے اس کا دل پکڑ کر باہر کھینچ لیا جاتا اور پھر اسے ذبح کر دیا جاتا تھا۔^۲

۱۔ چنگیز خان (1162ء - 1227ء) کی تاتاری فوجوں نے پہلے شمالی چین اور پھر ترکستان، شمالی ایران، آذربائیجان، گرجستان (جارجیا) وغیرہ کو پامال کیا اور سرقند، بخارا، مرو، نیشاپور، ہرات، اصفہان جیسے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ تاتاریوں نے روس، پولینڈ، ہنگری، بلغاریہ، ولاشیا اور مالڈوویا کو بھی تاخت و تاراج کیا۔ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو نے 1256ء میں باطنی حشیشیین کے مرکز (کوہ الموت) کو تباہ کیا اور 1258ء/656ھ میں بغداد پر قبضہ جمایا۔ 1260ء میں مصر کے سلطان رکن الدین بیبرس نے عین جالوت میں تاتاریوں کو شکست دے کر ان کی پیش قدمی روک دی۔

(انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 220/6)

یہی وجہ ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جو قانونی نظام اساسی طور پر ظالم ہیں یا کچھ مدت بیت جانے کے بعد لوگوں پر یہ بھید کھلا کہ یہ قوانین سفاکانہ ہیں تو یقیناً ایسے قانونی نظام عدم استحکام سے دوچار ہوئے۔ ان وضعی قوانین کا طرہ امتیاز مسلسل تغیر و تبدل ہے جبکہ قرآنی شریعت کے احکام اپنی اساس کے اعتبار سے محکم اور ابدی ہیں۔

فرانس جیسی حکومت نے بھی اپنے مشہور انقلاب^① سے پہلے ”قانون الاقطاع“ یعنی ”جاگیردارانہ نظام حکومت“ نافذ کیا ہوا تھا۔ ماہر قانون دانوں کی شہادت کے مطابق یہ قانون ظالمانہ تھا، اسی طرح سو سال پہلے برطانیہ میں سزائوں کا قانون بڑا ظالمانہ تھا جیسا کہ مغربی قانون دانوں نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ وہاں سینکڑوں جرائم کی سزا قتل مقرر کی گئی تھی۔^②

یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ بہت سے مغربی ممالک نے ماضی قریب میں اکثر جرائم کے لیے مقررہ سزائے موت کا اہتمام کر دی اور دلیل یہ دی کہ یہ سزا نہایت سخت اور ظالمانہ ہے..... اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ پہلے آپس میں ظلم اور زیادتی کے فیصلے کیا کرتے تھے اور اپنے ان جرائم کی سزا سے بچنے کے لیے انھوں نے سزائے موت کا قانون ہی ختم کر دیا۔

① انقلاب فرانس 14 جولائی 1789ء کو برپا ہوا تھا جب شاہی جاگیردارانہ نظام سے تنگ آئے ہوئے عوام نے بیستی (Bastille) کے قید خانے پر حملہ بول دیا تھا اور گورنر قید خانہ کو قتل کر کے سیاسی قیدی رہا کر لیے۔ اس سے مطلق العنان بادشاہت کے خاتمے کا آغاز ہوا۔ 14 جولائی 1790ء کو بادشاہ لوئی شانزدہم نے دستور ساز اسمبلی کا دستور منظور کر لیا۔ 20 جون 1791ء کو بادشاہ کو اہل وعیال کے ساتھ فرار ہوتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ 11 ستمبر 1792ء کو قومی کنونشن نے بادشاہی ختم کر دی اور فرانس میں جمہوریت کا اعلان کر دیا۔ 16 جنوری 1793ء کو بادشاہ کو موت کی سزا دے دی گئی۔ (انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 433/2-439)

② البدایة و النہایة: 74-70

غیر مسلم مخالفین کی گواہی

یقیناً غیر مسلموں نے بھی قرآنی شریعت کے بنی بر عدل ہونے کی گواہی دی ہے۔ رسالت مآب ﷺ کے عہد مبارک میں جب یہودی کفار اپنی عدالتوں اور حکام سے حصول انصاف میں ناکام ہو جاتے تھے تو وہ نبی رحمت ﷺ ہی کی خدمت میں پہنچ کر انصاف کی درخواست کرتے تھے۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات کتب تاریخ و حدیث میں موجود ہیں۔ بلاشبہ قرآنی شریعت کے عدل و انصاف نے اکثر ہم عصر عیسائی مفکرین کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور وہ عدالت و مساوات پر قائم اس شریعت کے بارے میں اپنی حیرت کو چھپا نہیں سکے۔ چند شواہد ملاحظہ ہوں:

✽ مشہور مورخ گستاف لی بان کہتے ہیں: ”یہ بات برحق ہے کہ دنیا عربوں جیسے عفو و درگزر اور وسیع القسی سے کام لینے والے فاتحوں کو نہیں جانتی اور نہ کسی اور دین کو ان کے دین سے زیادہ فراخ دل اور روادار دین سمجھتی ہے۔“^۱

✽ روبرسٹون کہتے ہیں: ”بے شک مسلمان ہی وہ واحد قوم ہیں جنہوں نے اپنے دین کی غیرت و حمیت اور دیگر ادیان کے پیروکاروں کے لیے عدل اور عفو و درگزر کی روش کو بیک وقت جمع کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنے دین کی نشر و اشاعت کے لیے تیز دھار تلواریں سونٹنے کے باوجود ایسے لوگوں کو اپنے قدیم دین کی تعلیمات پر جے رہنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جو ان کے دین اسلام سے کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے۔“^۲

✽ مچاڈ کہتے ہیں: ”بلاشبہ قرآن کریم جس نے جہاد کا حکم دیا ہے، وہ دیگر ادیان کے

۱ حضارة العرب، غوستاف لوبون، ترجمہ: عادل زعیر، ص: 605

۲ ایضاً، ص: 127

پیروکاروں کے لیے بہت درگزر کرنے والا اور اعلیٰ ظرفی کا حامل ہے۔ بلاشبہ اس نے یہودی بطریقوں، راہبوں اور ان کے خدمت گاروں کو ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے راہبوں کو قتل کرنا حرام قرار دیا ہے کیونکہ وہ اپنی عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو انھوں نے عیسائیوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جبکہ ایسے ہی موقع پر جب صلیبی عیسائی بیت المقدس کو فتح کر کے وہاں پہنچے تو انھوں نے کسی پر رحم نہیں کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا اور یہودیوں کو جلادیا۔^①

❁ یہاں ایک اور گواہی بھی حاضر ہے جسے گستاخ نے اسلامی شریعت کی روح ”مساوات“ کے اعتراف میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”عرب اپنے سیاسی نظام اور اصول جہاں بانی کے مطابق مساوات کی روح سے متصف ہیں۔ وہ بنیادی مساوات جس کا یورپ نے زبانی کلامی اعلان کیا ہے مگر عملاً اس کا نفاذ نہیں کیا، مشرق کی فطرت اور طبیعت میں بدرجہ اتم راسخ ہے۔ مسلمانوں کے ہاں ان گروہی طبقات کا کوئی تصور نہیں جن کی موجودگی نے مغرب کو نہایت تشدد پسند اور سخت گیر انقلابات تک پہنچا دیا اور جن کے باعث آج بھی وہاں انقلابات آتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی ناممکن بات نہیں کہ آپ مشرق میں کسی نوکر کو دیکھیں کہ وہ اپنے مالک کی بیٹی کا خاوند بن جائے۔ یہ بھی کوئی انہونی بات نہیں ہے کہ ان میں سے مزدور پیشہ لوگ اعیان حکومت بن جائیں۔“^②

❁ شریعت قرآنی میں مساوات کا مفہوم جس درجہ کمال تک پہنچا ہوا ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر ول ڈیوراں تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”اسلام غلاموں کو شادی کی

① حضارة العرب، غوستاف لوبون، ترجمة: عادل زعيتير، ص: 127

② أيضاً، ص: 391

اجازت دیتا ہے۔ اگر ان کی اولاد کافی سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرے تو اسلام نے ان کو تعلیم دلانے کی اجازت دی ہے۔ آدمی غلاموں اور لونڈیوں کی اولاد کے بکثرت اقتدار حاصل کرنے پر ششدر رہ جاتا ہے جن کا اسلامی دنیا کی علمی اور سیاسی زندگی میں بڑا مقام و مرتبہ ہے کیونکہ غلاموں اور لونڈیوں کی اولادیں اکثر اوقات بادشاہ اور گورنر بنی ہیں مثلاً مصر میں غلاموں کی حکومت رہی ہے۔^۱



۱۔ قصۃ الحضارة، الدكتور ول ڈیوران، ترجمہ: ذکی نجیب محمود: 112/3-113، الحکم والتحاکم فی خطاب الوحی: 1/415، 417، 419، 422، 423۔ تیرھویں صدی عیسوی / ساتویں صدی ہجری میں جب مصر پر غلام بادشاہ (مماليك) حکمران تھے اور اسی دور میں ہندوستان پر بھی غلام بادشاہوں کی حکومت تھی جنھیں خاندان غلاماں (1206ء تا 1290ء) کہا جاتا ہے۔ سلطان قطب الدین ایبک، سلطان شمس الدین التمش، سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن خاندان غلاماں ہی کے حکمران تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا تارخ عالم: 81/1-83)

قرآنی قصص و واقعات کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ماضی کی قوموں کے جو احوال اور واقعات بیان فرمائے ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ کا ایک نہایت بابرکت طریقہ ہے۔ یہ واقعات سابقہ قوموں کے تجربات کا خلاصہ ہیں۔ جب بھی کسی امت یا گروہ نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو پامال کر کے عذاب الہی کو دعوت دی تو سنت الہی کے جاری ہونے کی شرط پوری ہو گئی۔ ماضی میں امتوں کی نافرمانیوں اور سنت الہی کے اجرا کی شرط پوری ہونے ہی سے یہ واقعات جنم لیتے رہے ہیں۔ یہ بابرکت قرآنی قصص و واقعات حقیقی ہیں۔ ان واقعات سے متعلق لوگوں نے اپنی اپنی زندگی اسی طرح بسر کی جس طرح قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم ان امتوں کے طرزِ عمل اور انجام کے بارے میں جو کچھ بیان فرماتا ہے وہ درحقیقت غور و فکر اور عبرت پذیری کی دعوت ہے۔ ان میں سے بعض امتوں کو ایمان اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے جو برکت، عزت اور نصرت نصیب ہوئی وہ بذات خود اللہ رب العزت کے احکام ماننے کی ترغیب ہے۔ اور وہ لوگ جو صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے، قرآنی قصص میں ان کی جنگی اور ذلت و خواری کی زندگی عبرت حاصل کرنے کا سبق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝﴾

”یقیناً ان قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) گھڑی ہوئی بات نہیں، بلکہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“^①

یہ امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے اپنی کتاب عظیم میں گزشتہ اقوام کے مختصر حالات کو سودیا ہے اور اس طرح انھیں تحریف و ضیاع کے خطرے سے محفوظ کر دیا ہے، لہذا کسی دھوکے باز کے ہاتھ اس حد تک دراز نہیں ہو سکتے کہ وہ اس حوالے سے جعل سازی کر کے قرآن میں بے بنیاد باتیں شامل کر دے یا کوئی تحریف کر دے۔ کسی خائن کا ہاتھ بھی اس تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ اس میں خیانت کرے یا اس میں سے کوئی چیز چھپالے جیسا کہ تورات اور انجیل میں تحریف کرنے والوں نے اس طرح کے کام کیے ہیں۔ یہ قصص و واقعات مبنی برحق ہیں اور جب تک زندگی کی نبض چلتی رہے گی اور سورج طلوع و غروب کے مناظر دکھائے گا، یہ واقعات زندہ اور درخشندہ رہیں گے کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

”بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“^②
 اس ساری گفتگو کے بعد کسی عقل مند کے لیے کس طرح روا ہے کہ وہ یہ قصے پڑھے، ان کی جانچ پڑتال کر کے ان سے عبرت و نصیحت کی توفیق چاہے مگر ان کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ کرے؟ اگر وہ یہ امور خیر بجالائے تو اسے اس زندگی میں آسائش ملیں گی اور اس کی آخرت

رضائے ربانی سے سرفراز ہوگی۔^①

قرآنی قصص و واقعات کی عظمت کے آثار و مظاہر

قرآنی قصص و واقعات اپنے متعدد امتیازات کی بنا پر دیگر قصص و واقعات سے منفرد ہیں۔ ان واقعات کے سلسلے میں قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت، معجز نمائی، اعلیٰ طرز بیان اور اسلوب میں زبردست تاثیر موجود ہے۔ مزید برآں قرآن کریم کے عیوب و نقائص سے پاک ہونے کے باعث یہ واقعات انتہائی سچے اور مبنی بر حقیقت شواہد پر قائم ہیں۔ قرآنی قصص کی عظمت کے بعض آثار و مظاہر درج ذیل ہیں:

❖ صدور ربانی: یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے کہ قرآنی قصص قرآن عظیم کا جز ہیں۔ قرآن کریم کے لیے جو امتیازی خصوصیات اور اوصاف مسلم ہیں وہ ان واقعات کے لیے بھی مسلم ہیں، مثلاً: اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن وحی کے ذریعے سے اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل کیا اور اس کا ہم تک منتقل ہونا تو اتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض قصص کے آغاز اور اختتام پر اس بے داغ اور درخشاں حقیقت کی طرف اشارہ بھی کیا ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا ۖ﴾

”(اے نبی) یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں، ہم انھیں آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اس سے پہلے نہ آپ انھیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔“^②

❖ حقیقت کے عین مطابق: بلاشبہ قرآن عظیم کا بیان کردہ ہر قصہ سچا ہے۔ ان قصص کے

① معالم القصۃ فی القرآن الکریم، محمد خیر العدوی، ص: 7-8

② ہود 49:11، معالم القصۃ فی القرآن الکریم، محمد خیر العدوی، ص: 91

واقعات جب ظہور میں آئے تھے تو انھیں باقاعدہ دیکھا اور محسوس کیا گیا تھا۔ ان میں خیال، وہم یا مبالغے کا ہرگز کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ یہ ٹھیک انھی واقعات کے مطابق بیان ہوئے ہیں جس طرح وہ وقوع پذیر ہوئے تھے۔ اس میں ان کے نبی اور قابل مشاہدہ پہلو شامل ہیں۔ یہ حوادث حیات ہیں۔ انھیں قرآن کریم نے ایسے شاندار اسلوب کے ساتھ بیان کیا ہے جو دلوں میں اُترتا چلا جاتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ ان واقعات کے بیان میں حقیقت کے خلاف کوئی چیز ہو۔^❶

قرآنی قصص ان واقعات سے یکسر مختلف ہیں جو انسان جانتا ہے کیونکہ انسانی قصص میں سے بعض تو وہ ہیں جنہیں انسان وقوع پذیر ہوتے حوادث کے طور پر بیان کرتا ہے یا ثابت شدہ واقعات کے انداز میں ان کی تصویر کشی کرتا ہے اور بعض وہ ہیں جو قصہ گو لوگوں کی افسانوی دروغ گوئی کا نتیجہ ہوتے ہیں اور روئے زمین پر ان واقعات کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ قصوں کی یہ قسم مبالغے سے خالی نہیں۔ قرآنی قصص و واقعات صداقت پر مبنی حقائق ہیں اور ان کی واقعیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۝﴾

”بے شک یہی بیان سچا ہے۔“^❷

اور فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۖ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝﴾

❶ معالم القصص في القرآن الكريم، ص: 111 و سیکولوجیہ القصصہ فی القرآن، تھامی نقرہ،

ص: 221

❷ آل عمران 62:3

”یقیناً ان قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) گھڑی ہوئی بات نہیں بلکہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“^①

مزید برآں قرآنی قصص و واقعات سے جو خبریں ملتی ہیں، بالخصوص وہ خبریں جو اہل کتاب کے بارے میں ہیں، انھیں جھٹلانے کی وہ اہل کتاب بھی جسارت نہ کر سکے جو نبی اکرم ﷺ کے ہم عصر تھے، حالانکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے وعوائے صداقت کو باطل قرار دینے کے لیے تڑپ رہے تھے۔ یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھا جبکہ وہ اپنی کتابوں کے ذریعے سے اس کا قصہ بخوبی جانتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ط﴾

”اور (اے نبی) وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔“^②

بلاشبہ قرآن کریم کے واقعات بھی قرآن ہی ہیں اور حق ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بیان ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں ﴿أَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ ”بہترین داستانوں“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ ط وَإِنْ

كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ○﴾

” (اے نبی!) آپ کی طرف یہ قرآن وحی کر کے ہم آپ کو ایک بہترین داستان سناتے ہیں جبکہ یقیناً اس سے پہلے آپ غافلوں میں سے تھے۔“^③

① یوسف 111:12 ② الکہف 83:18

③ یوسف 3:12، الأهداف التربوية للقصص القرآنی فی حياة النبی ﷺ الدعویة، ولید أحمد

مساعدة، مجلة دراسات الجامعة الأردنية (علوم الشريعة والقانون) عدد: 1، صفر 1422ھ،

✽ عبرت و نصیحت کے ذریعے سے قرآن کا حسن انتخاب: قرآنی قصص حالات و حوادث کے وہ منتخب اجزاء ہی زیر بحث لاتے ہیں جو عبرت اور نصیحت کے لیے قرآن کریم کے مقاصد جلیلہ سے مناسبت رکھتے ہیں۔

واقعات کی تفصیلات کے انتخاب و اختیار میں یہ طریقہ سب سے بہتر اور مؤثر ہے کیونکہ یہ قرآن کریم کا منشا پورا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسا رفیع الشان اسلوب بیان پیش کرتا ہے جس میں شوق دلانے اور جوش ابھارنے والے تمام فنی عناصر موجود ہیں جو انسان میں نیکی اور بھلائی کے احساسات اور جذبات کو جنم دیتے ہیں اور انسانی طبیعت میں استحکام پیدا کرتے ہیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ یہ منتخب اجزاء احوال و واقعات کی حقیقی منظر کشی پر مشتمل ہیں اور، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، یہ اجزاء وہم و گمان، افسانہ یا مبالغہ نہیں ہیں۔

چونکہ قرآنی قصص شرعی مقاصد کے پیش نظر بیان کیے گئے ہیں، اس لیے انھیں صرف اسی حوالے سے پیش کیا جاتا ہے جو اس غرض و غایت کے لیے کافی ہو اور وہی پہلو بیان کیا جاتا ہے جس سے یہ غرض اتفاق رکھتی ہو، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ہے۔ اسے ایک مرتبہ شروع سے پیش کیا گیا، ایک مرتبہ درمیان سے اور تیسرے موقع پر آخر سے پیش کیا گیا۔ بعض اوقات پورا قصہ بھی پیش کیا گیا ہے، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ۔ بسا اوقات قصے کے بعض گوشوں ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے، جیسے حضرت نوح اور ہود علیہ السلام کے واقعات میں سے صرف وہی گوشے بیان کیے گئے ہیں جو ان کی رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسا اس وقت کیا جاتا ہے جب عبرت و موعظت کا کوئی خاص پہلو اجاگر کرنا مقصود ہو۔

جہاں تک موعظت و نصیحت کا تعلق ہے تو یہ وہی مرکز و محور ہے جسے قرآن کبھی نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ہر قرآنی قصہ اپنے اجمال کے ساتھ اسی کے گرد گردش کرتا ہے۔ ✽

❁ حوادث کی بو قلموں منظر کشی: قرآن عظیم صرف بیان حق کو اپنا مقصد نہیں ٹھہراتا بلکہ مومنوں کے دلوں میں صراطِ مستقیم کو راسخ کرنا چاہتا ہے۔ قرآن کریم یہ ہدف خبروں اور ضرب الامثال کے بیان اور دلائل سے حاصل کرتا ہے، لہذا اس کے لیے مسلسل تکرار اور دائمی تذکیر اور یاد دہانی بہت ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تربیت بڑی محنت اور مشقت کا کام ہے۔ تربیت کا لگاتار جاری رہنا شرط لازم ہے یہاں تک کہ اس کا ثمر حاصل کر لیا جائے، ورنہ تربیت کے لیے جو محنت اور قوت خرچ کی گئی، وہ ضائع ہو جائے گی۔ ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ افراد کی تربیت خاصی حد تک جہد مسلسل اور ایسے امور کی دائمی یاد دہانی کی محتاج ہے جنہیں دلوں میں جاگزیں کر کے افراد کی تربیت مقصود ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے تکرار سب سے مفید اور بہتر وسیلہ ہے، چاہے یہ تکرار قولی ہو کہ اسے بار بار دہرایا جائے، یا عملی ہو کہ اس کی پیروی کی جائے یا اس کے مطابق تربیت کی جائے۔ تربیت کے معاملے میں تکرار کی بنیاد دو چیزوں قناعت اور جذبے پر ہونی چاہیے۔ عمل اور کردار کی تبدیلی کے لیے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ جب ہم قرآن کریم کو رشد و ہدایت اور کردار سازی کی کتاب سمجھیں گے تو ہم پر یہ بھید کھل جائے گا کہ اس میں مضامین کی تکرار کیوں کی گئی ہے اور اس کا مقصد کس قدر عظیم الشان ہے۔ مضامین عالیہ کو ذہن میں راسخ کرنے کے لیے ان کی بار بار یاد دہانی یقیناً ضروری ہے۔ ❁

قرآنی قصص کے مقاصد جلیلہ کی عظمت

قرآن عظیم میں قصص و واقعات کا مقصد تاریخ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے متعدد عظیم مقاصد ہیں جن میں سب سے اہم عبرت اور نصیحت کے چمکتے ہوئے موتیوں کا مرقع ہے۔

اسی طرح قرآن عظیم محض اس لیے نہیں آیا کہ وہ بعد والوں کے لیے بیٹے ہوئے حالات و حوادث کی تصویر کشی کرے تاکہ انھیں سابقہ امتوں کے احوال و اعمال سے واقفیت بہم پہنچے، ذوق سماعت کی غرض پوری ہو اور ان سے عبرت حاصل کی جائے بلکہ قرآنی قصص کے گراںمایہ مقاصد میں ایمان کو مستحکم کرنے اور اس کی بنیاد کو دلوں میں مضبوطی سے راسخ کرنے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

قرآنی قصص کے مقاصد کی بہت سی قسمیں ہیں۔ یہ مقاصد قرآنی قصص کے موضوعات اور سیاق کے اعتبار سے متعین کیے گئے ہیں۔ ہم انھیں یہاں نہایت اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ قرآن کریم میں قصص و واقعات بلاوجہ نہیں آئے، بلکہ یہ اعلیٰ مقاصد کے تحت آئے ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات اور اس کی عبادت کا حکم: تمام انبیاء و مرسلین کی دعوت مختلف طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اثبات اور صرف اسی کی عبادت کا حکم دینے کی آئینہ دار ہے۔ یہی قرآنی قصص کا سب سے اہم مقصد ہے کیونکہ قرآن نے حقیقت توحید کا اظہار و اعلان اور بت پرستی اور شرک کا قلع قمع کیا ہے۔ پس تمام انبیاء و رسل نے خالق کائنات کی توحید اور اس کی وحدانیت کے اقرار کی دعوت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی رب ہے نہ کوئی معبود، لہذا ان سب کی دعوت کا مرکزی نکتہ توحید ہی ہے۔

اثبات وحدانیت کے دلائل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قرآن عظیم کا بیان کردہ قصہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اور حقیقت الوہیت کے بارے میں مرحلہ وار استدلال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبْنَيْهِ أَذَرْتُكَ إِنْ تَتَّبِعُونَ أَصْنَامًا إِلَهًا ۚ إِنِّي أَذْكَاءٌ لَّكَ وَ قَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَكَذَلِكَ نُرِيكَ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ

وَلْيَكُونَنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْإِفْلَاقَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَيْنَ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَازِعَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ۝ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾

”اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود بنائے بیٹھے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے، چنانچہ جب اس پر رات چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ ابراہیم نے کہا: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا: میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ پھر جب اس نے چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہی میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو اس نے کہا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو یقیناً میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا۔ جب اس نے سورج کو جگمگاتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔ بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف مرکوز کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میں اسی اللہ کا پرستار ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

اسی طرح توحید کا اثبات حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کی زبان سے بھی ہوا ہے۔

فرمان الہی ہے:

﴿أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالِلّٰهِ أَبَائُكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًُا وَاحِدًا ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝﴾

”کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا، جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے کہا: ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود واحد ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔“

حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے بھی اسی طرح اثباتِ توحید ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَتَّقُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهِ غَيْرُهُ ۖ﴾

”ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، چنانچہ اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں۔“

حضرت ہود علیہ السلام کی زبان سے بھی اسی طرح اثباتِ توحید ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۖ قَالَ يَتَّقُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهِ غَيْرُهُ ۖ﴾

”اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“

حضرت صالح علیہ السلام کی زبان سے بھی اسی طرح اثباتِ توحید ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۖ قَالَ يَتَّقُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهِ غَيْرُهُ ۖ﴾

غَيْرُهُ ۝

”اور ہم نے (قوم) شمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“^۱

حضرت شعیب علیہ السلام کی زبان سے بھی اثباتِ توحید اسی طرح ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالِی مَدَیْنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یَقُوْمُ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ۝﴾

”اور ہم نے اہل مدین کے بھائی شعیب کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“^۲

حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعے میں تذکرہ توحید یوں آیا ہے:

﴿اَلَا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّہَوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝﴾

”یہ کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزیں نکالتا ہے، اور وہ (سب کچھ) جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔“^۳

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ۝﴾

”بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں، چنانچہ تو میری ہی عبادت کر اور میری ہی یاد کے لیے نماز قائم کر۔“^۴

توحید کی دعوت زیادہ واضح طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قَالَ لَا يَأْتِيَكُمَا طَعَامٌ تُزْفَنُ بِهِ إِلَّا بَنَاتُكُمَا يَتَوَلَّيْنِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَلِكَمَا
مِمَّا عَلَّمْنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ
كَافِرُونَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ
نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنْ أَكْثَرُ
النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝ يَصَاحِبِي السَّجْنَاءَ أَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ ۚ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَبَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ
اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَلِكَ الدِّينُ
الْقَيِّمُ وَلَٰكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

”یوسف نے کہا: جو کھانا تمہیں یہاں ملتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں اس
کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائیں۔
بے شک میں نے ان لوگوں کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ
آخرت کے بھی منکر ہیں۔ اور میں نے اتباع کیا ہے اپنے باپ دادا، ابراہیم اور
اسحاق اور یعقوب کے دین کا۔ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو
شریک ٹھہرائیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور (سب) لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر ادا
نہیں کرتے۔ اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! بھلا کئی جدا جدا معبود بہتر ہیں
یا ایک اللہ، زبردست؟ تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ نام ہی تو ہیں جو خود
تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ دیے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نازل
نہیں کی۔ اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اس کی
عبادت کرو۔ یہی سیدھا دین ہے، مگر اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔“^{۴۱}

حضرت یوسف علیہ السلام نے صراحت کی کہ انھوں نے کوئی نیا دین نہیں گھڑا۔ وہ صرف اپنے ان آباء و اجداد کے دین پر عمل پیرا تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے صحیح عقیدے کی ہدایت دی تھی۔ واضح رہے کہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہے اور یہ کسی دور میں بھی تبدیل نہیں ہوا۔ یہاں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی طرف ایک ایسا عقیدہ وحی کیا ہے جس کی حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک رسول سے دوسرے رسول تک پہنچتے پہنچتے متناقض اور متضاد ہو جاتا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت ایسی دعوت ہے جس کی تمام انبیاء نے یکساں طور پر تاکید اور توثیق کی ہے۔^۱

اس گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اٹل ایمان رکھنے کی وجہ سے ان سب رسولوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت ایک ہی تھی لیکن یہ دعوت پیش کرنے کے بعد ان میں سے ہر نبی کا اسلوب مختلف ہو گیا، چنانچہ نوح علیہ السلام کی قوم نے جب ان کی نافرمانی کی اور اللہ کے حکم کی مخالفت کی تو انھیں اپنی قوم پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف لاحق ہو گیا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطالبہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم پر واضح کیا کہ ان کے پاس روشن دلیل اور کھلی علامت اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کی صورت میں آچکی ہے، لہذا وہ اسے چھوڑ دیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائیں کیونکہ آپ کو خوف تھا کہ ان پر دردناک عذاب نازل ہوگا۔ دیگر انبیاء کے احوال بھی اسی طرح آئے ہیں۔

عہد قدیم کی ہر قوم کے سرداروں کی طرف سے اپنے رسول کی مخالفت سے یہ معاملہ گھل کر واضح ہو جاتا ہے۔ پس نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ پر گمراہی کا الزام لگایا، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے آپ پر بے وقوفی اور جہالت کی تہمت لگائی اور صالح علیہ السلام کی قوم نے آپ کی

نبوت میں شکوک و شبہات پیدا کیے۔

② رسالت و وحی کا اثبات: بلاشبہ قرآن کریم میں مذکور قصص و واقعات میں ایسے اشارے بھی ملتے ہیں کہ پہلے یہ قسے نامعلوم تھے۔ انھیں نبی اکرم ﷺ جانتے تھے نہ آپ کی قوم ان سے آگاہ تھی۔ یہ بات رسالت کی سچائی اور وحی کے کلام الہی ہونے کی دلیل ہے۔ بسا اوقات یہ اشارہ واقعے کے آخر میں آتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قسے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا ۖ فَاصْبِرْ ۚ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۝﴾

” (اے نبی!) یہ ماجرا غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم انھیں آپ کی طرف وحی کر کے بتاتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ انھیں جانتے تھے نہ آپ کی قوم، اس لیے آپ صبر کریں۔ بے شک (بہترین) انجام متقین ہی کے لیے ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قسے کے بعد فرمایا:

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغُرِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۖ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًّا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۖ وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا﴾

”اور (اے نبی!) جب ہم نے موسیٰ پر امر خاص کی وحی کی تو آپ (طور کی) مغربی جانب نہیں تھے، اور نہ آپ (اس واقعے کے) گواہ تھے، لیکن ہم نے کئی امتیں پیدا کیں، پھر ان کی عمریں طویل ہوئیں اور آپ اہل مدین میں نہیں رہتے تھے کہ ان پر

ہماری آیات تلاوت کرتے، لیکن ہم ہی رسول بھیجنے والے تھے۔ اور آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا۔“^①

یہ واقعات حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی بڑی واضح اور مستند دلیل ہیں کیونکہ آپ ناخواندہ تھے۔ آپ نے کسی کتاب کا مطالعہ کیا نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیے، مزید برآں ان قصوں میں کوئی اختلاف بھی نہیں پایا جاتا، لہذا یہ چیز ان قصص کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہونے اور نبی ﷺ کی نبوت کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔^②

بعض قصص کے مقدمات میں جو بیان آیا ہے وہ بھی وحی اور رسالت کا اثبات کرتا ہے جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ ۖ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾
 ”بے شک ہم نے اسے عربی قرآن (بنا کر) نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔ (اے نبی!) آپ کی طرف یہ قرآن وحی کر کے ہم آپ کو ایک بہترین داستان سناتے ہیں جبکہ اس سے پہلے آپ اس سے نا آشنا تھے۔“^③

یہ قرآنی واقعات صرف اسی شخص کو معلوم ہو سکتے تھے جنہوں نے ان کا براہ راست مشاہدہ کیا ہو جبکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ سچے حالات و واقعات بذات خود نہیں دیکھے تھے، جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝﴾

① القصص 44:28

② تفسیر الطبری 140:14 ③ یوسف 2:12-3

”(اے نبی!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے لیے) اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں کون مریم کا سر پرست ہو اور نہ آپ اس وقت موجود تھے جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے۔“^①

سورہ شعراء کے آخر میں انبیاء کے متعدد واقعات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۖ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۖ﴾

”اور بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ روح الامین (جبریل) اسے لے کر نازل ہوا آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔“^②
یہ آیت مذکورہ واقعات اور وحی کی صداقت پر واضح نص ہے۔^③

③ دوبارہ جی اٹھنے اور جزا کا اثبات: قرآنی واقعات کے سیاق میں جس مقصد کا بکثرت اثبات ہوا ہے وہ دوبارہ زندہ ہونا اور جزا و سزا کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۖ أَوْ كَالَّذِينَ مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا ۖ قَالَ اتَّبِعْنِي هَذِهِ اللَّهُ بَعَثَ مَوْتَهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةً عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ

① آل عمران 44:3 ② الشعراء 26:192-194

③ بلاغة تصريف القول في القرآن الكريم 2/896-898

لَبِثْتُ مِائَةً عَامٍ فَأَنْظُرُ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهٗ ۖ وَانْظُرْ إِلَى جَارِكَ
وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْصًا ط
فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۖ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ
رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ط قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ
قُلُوبِي ط قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ
مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ط وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

”(اے نبی) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں اس لیے جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسے بادشاہی دے رکھی تھی؟ جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ (نمرود) بولا: میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا اسے مغرب سے نکال کر دکھا، چنانچہ وہ ہکا بکا رہ گیا جس نے کفر کیا تھا اور اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو ظالم ہیں، یا اسی طرح اس شخص کو (آپ نے نہیں دیکھا) جو ایک بستی سے گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی؟ اس نے کہا: اللہ اس کے فنا ہو جانے کے بعد اب اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا؟ تب اللہ نے اسے ایک سو سال کے لیے موت دے دی، پھر اسے زندہ کیا۔ اللہ نے پوچھا: تو کتنی دیر (یہاں) رہا ہے؟ وہ بولا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں!) بلکہ تو (موت کی حالت میں) سو سال رہا، البتہ تو اپنے کھانے اور پینے (کے سامان) کی طرف دیکھ، وہ بالکل سڑا ہوا نہیں، اور اپنے گدھے (کے ڈھانچے) کو بھی دیکھ لے (یہ سب اس لیے ہوا ہے کہ) ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کیسے انھیں ابھار کر جوڑتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے

ہیں۔ جب اس کے سامنے (یہ سب کچھ) واضح ہو گیا تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ نے کہا: کیا تو (اس پر) ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم نے کہا: کیوں نہیں (ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن میں قلبی اطمینان چاہتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا: پھر تو چار پرندے لے اور انھیں اپنے ساتھ مانوس کر لے، پھر (انھیں ذبح کر کے) ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے، پھر ان کو بلا، وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ اور جان لے کہ بے شک اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے۔“^①

حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے یہ ارشاد جاری ہوا:

﴿يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۚ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾

”(اے قوم!) وہ گناہوں سے تمہاری مغفرت کرے گا اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے گا۔ بے شک جب اللہ کا مقرر کردہ وقت آ جائے تو وہ مؤخر نہیں ہوتا، کاش! تمہیں علم ہوتا۔“^②

قرآنی قصص میں مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور اعمال کے مطابق جزا و سزا کے حق میں بہت زیادہ دلائل آئے ہیں جنہیں قرآن الگ الگ متعدد طریقوں سے مختلف اسالیب میں بار بار بیان فرماتا ہے تاکہ یوم آخرت پر ایمان زیادہ سے زیادہ مستحکم ہو جائے۔^③

④ نبی اکرم ﷺ اور امت مسلمہ کو ثابت قدم رکھنا: قصص قرآنی کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت حق دعوت دینے کا التزام رکھیں، اس کی مشقتوں کو برداشت کریں اور اس راہ میں آنے والی تکالیف پر صبر کرتے ہوئے ثابت قدم رہیں۔ اس

① البقرة 2: 258-260 ② نوح 4: 71

③ بلاغة تصريف القول في القرآن الكريم: 899/2

مظاہرہ کیا۔“^①

اسی طرح فرمایا:

﴿قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا خَسَارًا ۝﴾

”نوح نے کہا: اے میرے رب! بے شک انھوں نے میری نافرمانی کی اور ان کا اتباع کیا جن کے مال اور اولاد نے ان کے خسارے ہی میں اضافہ کیا۔“^②

حق یہ ہے کہ قرآنی واقعات نبی اکرم ﷺ کے لیے تسلی ہیں مبادا آپ کے لائے ہوئے ناقابل تردید دلائل کے بعد کفار کے کفر اور ان کے انکار پر حسرت کی وجہ سے آپ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔^③

⑤ انبیاء و مرسلین اور ان کی امتوں کے احوال سے حصول عبرت: اس عبرت (الْعِبْرَةُ) سے مراد تکلیف پر صبر کرنا، لوگوں تک دعوت الی اللہ پہنچانے میں انبیاء و مرسلین کی پیروی کے لیے ان کے احوال میں مذکور پسند و نصائح پر عمل کرنا اور اپنی اصلاح حال پر توجہ دینا ہے، مزید برآں انبیاء کے قوی ایمان کی پیروی کرنا، ان کے اقوال و آثار کو زندہ جاوید بنانا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے بلند مقام و مرتبے اور فضیلت سے دوسروں کو روشناس کرانا بھی ”عبرت“ کے مفہوم میں شامل ہے۔ اس کے بالمقابل سابقہ امتوں میں انبیاء کی مخالفت کرنے والوں کے تصرفات اور ان کے غلط طرز عمل اور سلوک سے دور رہنا بھی ”عبرت“ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝﴾

”یقیناً ان قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔“^④

① نوح 7: 5-71 ② نوح 21: 7

③ بلاغۃ تصریف القول فی القرآن الکریم: 901/2

④ یوسف 111: 12

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبْرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأَوْدُوا حَتَّىٰ أَنهَضَهُمْ تَصْرُئًا وَلَا مَبْدَالَ لِّكَلِمَتِ اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّبَائِ الْمُرْسَلِينَ ۝﴾

”اور (اے نبی!) بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے تو انھوں نے جھٹلائے جانے اور تکلیف دیے جانے پر صبر کیا حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی۔ اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور یقیناً آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں آ چکی ہیں۔“^①

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان قصص میں یہ بتایا ہے کہ بلاشبہ منکرین کا انجام کفر اور دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور مومنوں کا انجام دنیا میں نصرت اور آخرت میں خوش بختی ہے۔ یہ بات اہل ایمان کے دلوں کو قوی اور مضبوط اور ان کے دشمنوں کے دلوں کو کمزور کر دیتی ہے۔

⑥ پہلی قوموں کے انجام کا بیان: بلاشبہ ہر رسول کی تکذیب اور انکار کرنے میں منکرین رسالت کا موقف ہمیشہ ایک جیسا رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کے بارے میں کہا:

﴿إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝﴾

”بے شک ہم تو تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔“^②

قوم ہود نے ہود علیہ السلام سے کہا:

﴿إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝﴾

”بے شک ہم تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں اور بے شک ہم تجھے جھوٹوں میں شمار کرتے ہیں۔“^③

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے آپ پر ایمان لانے والوں سے کہا:

﴿إِنَّا بِالَّذِينَ آمَنُوا بِهِمْ كُفْرُونا﴾

”بے شک ہم اس چیز کا انکار کرنے والے ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو۔“^۱

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے متعلق قوم نے کہا:

﴿أَخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ﴾

”انہیں اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔“^۲

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا:

﴿لَنُخْرِجَنَّكَ لِشُعَيْبٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِّنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودَنَّ فِي

مِلَّتِنَا﴾

”اے شعیب! ہم تمہیں اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی

سے ضرور نکال دیں گے، یا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ گے۔“^۳

قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا:

﴿إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلِيمٌ﴾

”بے شک یہ تو ماہر جادوگر ہے۔“^۴

انبیاء و مرسلین کی دعوت پر کان نہ دھرنے والی گزشتہ امتوں کے صراطِ مستقیم سے

انحراف کے نتیجے میں ان کا انجام ہلاکت، تباہی اور بربادی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس سلسلے

میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِينَ يَرَوْنَ كَمَا أَهْلَكْنَا مِّنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْيَةٍ مَّكَثَتْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ يُمْسِكْ

لَهُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ

فَأَهْلَكْنَاهُمْ بَدَأًا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْيَاتٍ أُخْرَىٰ﴾

”کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں جنھیں ہم نے زمین میں ایسی طاقت دی تھی جو تمھیں نہیں دی؟ اور ہم نے ان پر موسلا دھار بارش نازل کی اور نہریں بنائیں جو ان کے نیچے بہتی تھیں، پھر ہم نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں ہلاک کر دیا، اور ان کے بعد دوسری قومیں پیدا کیں۔“^①

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝﴾

”کیا وہ زمین میں گھومے پھرے نہیں، پھر وہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ وہ ان سے قوت میں زیادہ تھے اور انھوں نے زمین کو ان سے بڑھ چڑھ کر زیادہ جوتا اور آباد کیا تھا جتنا کہ انھوں (کفارِ عرب) نے آباد کیا اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، پھر اللہ (ایسا) نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ (خود ہی) اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔“^②

یہاں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا مدعا یہ ہے کہ امت مسلمہ گزری ہوئی قوموں کے احوال سے عبرت پکڑے اور ان جیسے افعال و اقوال سے دور رہے تاکہ وہ اس ہلاکت و تباہی سے بچ جائے جس سے سابقہ قومیں نہیں بچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اکثر قرآنی قصص و واقعات میں صریحاً فرمایا ہے کہ اس نے اپنے دوستوں کے دشمنوں سے ان کا انتقام لیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝﴾

”بلاشبہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد دنیاوی زندگی میں بھی کرتے ہیں اور اس دن بھی (کریں گے) جب گواہ کھڑے ہوں گے۔“^①

اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی سنت ہے جو تمام امتوں میں جاری رہی ہے۔ اس کا اثبات اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رَسُولٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبْرُوا عَلَىٰ مَا كَذَّبُوا وَأَوْذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُم نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّبَائِ الْمُرْسَلِينَ ۝﴾

”اور (اے نبی!) بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے تو انھوں نے جھٹلائے جانے اور تکلیف دیے جانے پر صبر کیا حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور یقیناً آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں آچکی ہیں۔“^②

⑦ امنت مسلمہ کی تربیت: تمام قصص قرآنی کا اصل مقصد صحیح عقیدے پر مسلمانوں کی تربیت کرنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، موت کے بعد جی اٹھنے اور یوم آخرت کو اعمال کے مطابق جزا و سزا ملنے پر ایمان، مرسلین پر ایمان اور کافروں کی ایذا رسانیوں اور حق سے منہ موڑنے پر ان کے صبر کے سلسلے میں ان کا عقیدہ صحیح ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب و فتح یاب اور اس کے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دے۔ بطور مثال یہ کیفیت ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے جادوگروں کے واقعے میں پاتے ہیں۔ فرعون نے انھیں قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ اس بھیاں تک دھمکی کے باوجود اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہے۔ اصحاب کھف کے قصے میں بھی مسلمانوں کی توحید پر ثابت قدم رہنے اور بعث و جزا پر پکا ایمان رکھنے کی تربیت

① المؤمن 51:40

② الأنعام 34:6، بلاغة نصريف القول في القرآن الكريم: 905/2-913

کی گئی ہے۔

بارکت قرآنی قصص میں انبیاء و مرسلین اور ان کے صاحب ایمان پیروکاروں کے صبر و استقلال اور ثابت قدمی کا بیان بھی مسلمانوں کی تربیت کا آئینہ دار ہے۔ قرآنی قصص میں پائی جانے والی تربیت کی متعدد انواع ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱: قرآنی قصص میں پائی جانے والی تربیت کی اقسام میں سے ایک قسم صبر، نیکی اور اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے کی تربیت ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کے واقعے کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَبَشِّرْنَاهُ بِعِلْمٍ حَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَئِي رِجِّي أَدَّىٰ فِي الْمَنَامِ إِنِّي أَذْهَبُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَكُونُ أَفْعَلُ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۚ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ۚ قَدْ صَدَّقَتِ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝﴾

”چنانچہ ہم نے اسے بہت حلم والے لڑکے کی بشارت دی، پھر جب وہ (لڑکا) اس کے ساتھ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو اس نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا تیری کیا رائے ہے؟ بیٹا بولا: ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کر گزریں، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے، پھر دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور اس (باپ) نے اسے (بیٹے کو) کروٹ کے بل لٹا دیا اور ہم نے اسے آواز دی: اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب یقیناً سچ کر دکھایا ہے بے شک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔“ ﴿۱۰۱﴾

ج: حضرت لقمان علیہ السلام اور ان کے بیٹے کے واقعے میں اعلیٰ اخلاق و فضائل کی تربیت کا خاصا اہتمام ہے۔ اس میں توحید ہے، اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کی ممانعت ہے، والدین سے حسن سلوک کی تاکید ہے، اللہ تعالیٰ اور والدین کا شکر کرنے کی تلقین ہے، غرور اور خود پسندی سے اپنا چہرہ پھیرنے کی ممانعت ہے، زمین پر اکر کر چلنے سے روکا گیا ہے اور چال میں اعتدال اور آواز دھیمی رکھنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ إِنْ شَكَرْ لِلَّهِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّا نُضَاعِلُهُ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَفِيٌّ حَمِيدٌ ۝ وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يُعْطِيهِ يَبْنَىٰ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝ وَصَيْنَا الْإِنْسَانَ بُولَدِيهِ ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفَضَّلَهُ فِي عَامَيْنِ إِنْ شَكَرْ لِي وَلَوْلَا دَيْكَ إِلَىٰ الْبَصِيرِ ۝ وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۖ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ يَبْنَىٰ إِنَّهَا إِن تَكُ مَثْقَلًا حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝ يَبْنَىٰ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۖ وَلَا تَصْعَقْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمَسْ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۖ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاعْصِصْ مِنْ صَوْتِكَ ۖ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝﴾

”اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی کہ اللہ کے شکر گزار رہو اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو یقیناً وہ اپنی ہی ذات کے لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بلاشبہ اللہ بے نیاز اور سب خوبیوں سے متصف ہے۔ اور (یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا، جبکہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا: اے میرے بیٹے! تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا،

بے شک شرک تو ظلم عظیم ہے۔ اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (حسن سلوک کا) حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے (پیٹ میں) کمزوری اور تکلیف جھیل کر اٹھائے رکھا، اور اس کا دودھ دو سال میں چھڑانا ہوتا ہے، (اور) یہ کہ تو میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار رہ (بالآخر) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو (کسی کو) میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کر اور دنیا میں معروف طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کر، اور اس شخص کے طریقے کا اتباع کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے، پھر میری ہی طرف تمھاری واپسی ہے، پھر میں تمھیں بتاؤں گا جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے۔ اے میرے پیارے بیٹے! بے شک اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں اور زمین کے اندر کہیں بھی ہو، تو اللہ اسے نکال لائے گا، بلاشبہ اللہ نہایت باریک بین اور بہت باخبر ہے۔ اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر، اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے، اور تو لوگوں سے بے رخی نہ کر، اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ ہر مغرور اور ڈیگیں مارنے والے کو پسند نہیں کرتا اور تو اپنی چال درمیانی رکھ، اور اپنی آواز دھیمی رکھ، بلاشبہ سب آوازوں سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔“^۱

ج: قرآنی قصص میں تربیت کی نو قسموں میں سے ایک قسم سچائی اور انبیاء و مرسلین کی اقتدا کرنے کی تربیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝﴾

”اور کتاب میں ابراہیم کا تذکرہ کیجیے، بے شک وہ نہایت سچے نبی تھے۔“^۲

9: انھی اقسام میں سے ایک اطاعت اور احکام الہی کے نفاذ میں اخلاص کی تربیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝﴾

”اور کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجیے، بلاشبہ وہ چنے ہوئے رسول (اور) نبی تھے۔“¹

ھ: انھی قسموں میں سے ایک وفاداری اور امانت داری ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی نہایت اعلیٰ مثال بیان کی ہے، بلاشبہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کا وہ احترام ملحوظ رکھا جو اس نے ان کے ساتھ روا رکھا تھا۔ وہ ہمیشہ احسان کا بدلہ احسان ہی کے ساتھ دیتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝﴾

”یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ (عزیز مصر) تو میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا۔ بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔“²

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت کا ثبوت مل گیا تو انھوں نے جو کچھ کہا، اسے اللہ تعالیٰ نے یوں نقل فرمایا ہے:

﴿ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ۝﴾

”(یوسف نے کہا:) یہ اس لیے کہ وہ (عزیز مصر) جان لے کہ بے شک میں نے درپردہ

اس کی خیانت نہیں کی تھی، اور یہ کہ بے شک اللہ خائِنوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔“³

و: انھی اقسام میں سے ایک مسلمانوں کی اعلیٰ اخلاقی تربیت ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے متعدد مواقع پر اپنی قوم کو جو دعوت دی تھی، اس میں یہ بات بڑی نمایاں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح نقل فرمایا ہے:

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ ۚ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ ۚ فَاتَّقُوا الْكَيْدَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝﴾
 ”اس (شعیب) نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ گئی ہے، لہذا تم ناپ اور تول کو پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو، اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔“^۱

حضرت شعیب علیہ السلام نے اصلاح عقیدہ سے ابتدا کی۔ اس کے بعد آپ نے نیچے وقت ناپ تول پورا کرنے کی تاکید کی اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر دینے سے روکا۔ پس آپ نے ایمان اور اخلاق کے درمیان ربط قائم کیا اور گھٹیا اخلاق و افعال سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔^۲

قرآنی قصص کے تربیتی اہداف مندرجہ ذیل تین نکات سے عیاں ہیں:

❖ اسلامی اقدار کے ذریعے سے فرد اور جماعت کی تربیت۔

❖ ہر مسلمان کو قضاء و قدر میں اللہ تعالیٰ پر مطلق اعتماد رکھنے کی تربیت دینا۔

❖ قارئین اور سامعین کو حقائق و معارف کا ایسا زاد راہ دینا جو زندگی بھر کام آئے اور انہیں ایک دوسرے سے حسن سلوک کا سبق دیتا رہے۔^۳

⑧ اصلاح اور نیکی کی دعوت دینا اور فساد سے روکنا: قرآنی قصص کے مقاصد جلیلہ میں

① الأعراف 85:7

② بلاغة تصريف القول في القرآن الكريم: 928-924/2

③ القصة القرآنية و دورها في التربية، أحمد أحمد غلوش، مجلة كلية التربية، جامعة الرياض،

عدد: 1، 1397 هـ، ص: 6

سے ایک مقصد خیر و اصلاح کی دعوت اور نیکی کی ترغیب دینا اور زمین میں فساد مچانے سے روکنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالِی مَدَیْنٍ أَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۖ قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَکُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَیْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَ تَکْذِبُکُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَبِّکُمْ فَأَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْیَاءَهُمْ وَلَا تَفْسِدُوا فِی الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ إِن کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝﴾

”اور ہم نے اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ گئی ہے، لہذا تم ناپ اور تول پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو اور تم زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔“

پس حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعے میں اصلاح کی دعوت، زمین میں فساد برپا کرنے کی ممانعت اور ایک دوسرے کے حق امانت کے احترام کی تاکید کی گئی، بلاشبہ قرآنی قصص نے اصلاح اور فساد کا انجام واضح کر دیا ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا عَلَیْهِمْ نَبَأَ ابْنِیْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۖ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتَقَبَّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ ۖ قَالَ لَا تُتْلٰکَ ۖ قَالَ إِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ لَیِّنٌ بَّسَطْتَ إِلَیْ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَا أَنَا بِبَاسِطٍ یَّدَیْ إِلَیْکَ لِأَقْتُلَکَ ۚ إِنِّیْ أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ۝ إِنِّیْ أُرِیدُ أَنْ تَبْوَءُنَا بِإِثْمِیْ وَإِثْمَکَ فَتَکُونُ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۖ وَذَٰلِکَ جَزَاؤُ الظَّالِمِیْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِیْهِ

فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ
كَيْفَ يُؤَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ۖ قَالَ يُؤَيِّلْكِي آعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ
فَأُؤَارِي سَوْءَةَ أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ۝ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى
بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَلَقَدْ
جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ
لَكُسْرُفُونَ ۝

اور (اے نبی!) آپ انھیں آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک سنائیں؛ جب ان دونوں نے قربانی کی تھی، پھر ان میں سے ایک کی قربانی تو قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ دوسرا بولا: میں تجھے قتل کر دوں گا۔ پہلے نے جواب دیا: اللہ صرف پرہیزگاروں سے (قربانی) قبول کرتا ہے۔ اگر تو نے اپنا ہاتھ میری طرف (اس ارادے سے) بڑھایا کہ مجھے قتل کر دے تو بھی میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کر دوں۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا رب ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے، پھر اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کو قتل کرنے پر اکسایا؛ چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ نے (وہاں) ایک کوا بھیجا، وہ (اپنے پنجوں سے) زمین کریدنے لگا، تاکہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے دفن کرے، وہ کہنے لگا: افسوس! میں اس کو جیسا ہونے سے بھی عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش دفن دیتا؛ چنانچہ وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔ اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو، تو گویا

اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے، تو گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی۔ اور ہمارے رسول واضح نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے پھر بے شک اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں حد سے نکل جانے والے ہیں۔“ ﴿۴۰﴾

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دو باغوں والے آدمی کے قصے میں فرمایا ہے:

﴿وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا زَجَلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ۖ كَلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اتَتْهُمَا كُلَّ يَوْمٍ فَجَرْنَاهُمَا نَهْرًا ۚ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۖ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۚ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۚ وَلَئِنْ رُودْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ۚ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّكَ رَجُلًا ۚ لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۚ وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِنَّ تَرَنَّا أَنَا أَقَلُّ مِنْكَ مَالًا وَلَوْلَا ۚ فَعَلَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ۚ أَوْ يُصْبِحَ مَاءً غَورًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ۚ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ ۖ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرْوَشِهَا وَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ۚ﴾

”اور (اے نبی!) بیان کیجیے ان کے لیے دو آدمیوں کی مثال، ہم نے ان میں سے ایک کو انگوروں کے دو باغ عطا کیے، اور ان کے گرد کھجوروں کی باڑ لگادی، اور ان

دونوں کے درمیان کھیتی اگائی۔ دونوں باغ اپنا پھل لاتے، اور اس میں سے کچھ نہ گھنٹاتے، اور ان کے درمیان ہم نے ایک نہر بہائی۔ اور اسے پھل ملا تو وہ اپنے ساتھی سے کہنے لگا، جبکہ وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا: میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور جتنے میں (بھی) زیادہ معزز ہوں۔ اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا، جبکہ وہ اپنی جان کے لیے ظالم تھا، اس نے کہا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ (باغ) کبھی تباہ ہوگا اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہونی ہے، اور اگر (بالفرض) مجھے اپنے رب کی طرف لوٹنا یا گیا تو یقیناً میں وہاں ان باغوں سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔ اس کے (مومن) ساتھی نے اس سے کہا جبکہ وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا: کیا تو اس سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر تجھے پورا آدمی بنا دیا؟ لیکن (میرا تو عقیدہ ہے کہ) وہی اللہ ہے میرا رب، اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو کیوں نہ کہا: ماشاء اللہ، لا قوۃ الا باللہ! اگر تو مجھے مال اور اولاد میں کمتر دیکھتا ہے تو ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر دے اور اس (تیرے باغ) پر آسمان سے کوئی عذاب بھیجے تو وہ (باغ) چٹیل پھسلواں میدان ہو جائے، یا اس کا پانی گہرا ہو جائے، پھر تو اسے تلاش کرنے کی طاقت نہ رکھے۔ اور اس کا پھل گھیر لیا (تباہ کر دیا) گیا، پھر وہ اس مال پر اپنی ہتھیلیاں ملتا رہ گیا جو اس پر خرچ کیا تھا، جبکہ وہ (باغ) اپنی چھتریوں پر گرا ہوا تھا، اور وہ کہتا تھا: اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔“

مارب کے بند والے قصے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّاتٍ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۙ كُلُوا مِنْ

رَزَقَ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ بَلَدًا طَيِّبَةً ۚ وَرَبُّ عَفُوْرٌ ۝ فَاعْرَضُوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
سَيْلَ الْعُورِ ۚ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِیْ اُكْلٍ خَطِیْطٍ ۚ وَاتَّخَذَ مِنْ سِدْرٍ
قَلِیْلِ ۝ ذٰلِكَ جَزَآئُهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۚ وَهَلْ نُجَازِیْهِ اِلَّا الْكُفُوْرُ ۝ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ
الْقُرٰی الَّتِیْ بُرُكْنَا فِیْهَا قُرٰی ظٰلِمَةً ۚ وَكَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ ۚ وَسِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ
وَآیَّامًا اَمْنِیْنَ ۝ فَقَالُوْا رَبَّنَا بَعْدَ بَیْنِ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ
اَحَادِیْثَ وَمَرْقَنَهُمْ ۚ كُلٌّ مَّزْمُوْرٌ ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝

”سبا (قوم) کے لیے ان کی بستی میں یقیناً ایک عظیم نشانی تھی، دائیں اور بائیں طرف
دوباغ تھے، (ہم نے کہا): تم اپنے رب کا رزق کھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرو، (یہ)
پاکیزہ شہر ہے، اور رب بڑا بخشنے والا ہے، پھر انھوں نے (جب ہدایت سے) منہ موڑا
تو ہم نے ان پر بند (ڈیم) کا سیلاب بھیج دیا، اور ان کے دونوں باغوں کے بدلے میں
ہم نے انھیں دو ایسے باغ دیے جو بدمزہ پھل، (بکثرت) جھاؤ اور کچھ پیڑوں والے
تھے۔ یہ ہم نے انھیں ان کی ناشکری کی سزا دی، اور ہم ناشکروں ہی کو سزا دیتے
ہیں۔ اور ہم نے ان (اہل سبا) کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت
رکھی تھی، کئی بستیاں باہم متصل (سر راہ آباد) رکھی تھیں، اور ان میں ہم نے چلنے
(آنے جانے) کی منزلیں مقرر کر دی تھیں۔ (ہم نے کہا): تم ان میں راتوں اور دنوں
کو امن سے سفر کرو۔ پھر انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارے سفروں میں
دوریاں (مشکلات) پیدا کر دے، اور انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، چنانچہ ہم نے
انھیں افسانے بنا ڈالا اور مکمل طور پر کھڑے کھڑے کر دیا، بلاشبہ اس میں ہر صابروشا کر
کے لیے عظیم نشانیاں ہیں۔“^{۱۱}

قرآن کریم کے مختلف مقامات پر حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا جو واقعہ آیا ہے، اس میں شیطان کے ذریعے سے ابن آدم کی گمراہی اور شیطان اور ابن آدم کے مابین ان کے باپ آدم علیہ السلام سے لے کر تا ابد عداوت کے معاملے سے خبردار کیا گیا ہے۔ اس قصے کے ذریعے سے اس شیطانی عداوت کا اظہار انسانی دل میں بہت گہرا اثر پیدا کرتا ہے۔ یہ قصہ مختلف انداز سے اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ انسان شیطان کی سرکشی اور اس کے شر سے اچھی طرح آگاہ ہو جائے اور شیطان کے جال سے بچے۔

⑨ صبر کے وسیلے سے مایوسی کا مقابلہ: یہ مقصد حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں بہت نمایاں ہے۔ ان آیات میں سے ایک آیت مقدسہ یہ ہے:

﴿وَجَاءُوا عَلَى قَيْصِهِمْ يَدِيهِمْ ۖ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً ۖ فَصَبْرٌ جَبِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ۝﴾

”اور وہ (یوسف کے بھائی) اس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ یعقوب نے کہا: (حقیقت یہ نہیں) بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لیے ایک (بری) بات گھڑ دی ہے، لہذا صبر ہی بہتر ہے اور اس پر اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے جو تم بیان کرتے ہو۔“

نیز فرمایا:

﴿قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَى أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۖ قَالَ لَهُ خَيْرٌ حِفْظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ۝﴾

”یعقوب نے کہا: کیا میں اس (بنیامین) کی بابت تمہارا اعتبار کر لوں جیسے پہلے اس کے (سگے) بھائی (یوسف) کی بابت تم پر اعتبار کیا تھا؟ چنانچہ اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور

❶ التصوير الفني في القرآن، ص: 135 ❷ يوسف 18:12

وہ سب مہربانوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔“ ①

اور فرمایا:

﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَبِيلٌ ۖ عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝﴾

”یعقوب نے کہا: (حقیقت یہ نہیں) بلکہ تمہارے لیے تمہارے دلوں نے ایک (بری) بات گھڑ دی ہے، چنانچہ صبر ہی بہتر ہے۔ شاید اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ بے شک وہی علیم و حکیم ہے۔“ ②

نیز فرمان الہی ہے:

﴿يَبْنَئِي أَدْهُبُوا فَتَحْسَبُوا مِنْ يُونُسَ وَآخِيهِ وَلَا تَأْتِسُوا مِنْ رَّوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْتِسُ مِنْ رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ۝﴾

”اے میرے بیٹو! تم جاؤ، یوسف اور اس کے بھائی کو ڈھونڈو، اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ بے شک اللہ کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔“ ③

⑩ اللہ تعالیٰ کی حیرت انگیز قدرت کا بیان: اس مقصد سے قرآنی قصص اور انسانی قصص کے مندرجات کے مابین بڑا واضح فرق سامنے آتا ہے۔ کیا انسانی قصوں میں ایسی چیز مل سکتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے قصے میں بیان کیا ہے جس کا گزر ایک گری ہوئی بستی سے ہوا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا ۚ قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتُ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَبِثْتُ مِائَةَ عَامٍ ۖ فَانْظُرْ إِلَىٰ

طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهٗ ۖ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ
وَانْظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۖ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ
أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ
تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيُبَيِّنَ لِقَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ
أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ
ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۖ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

”یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جو ایک بستی سے گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گری
پڑی تھی؟ اس نے کہا: اللہ اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا اس کی موت کے بعد؟ تو اللہ
نے اسے ایک سو سال کے لیے موت دے دی، پھر اسے زندہ کیا۔ اللہ نے پوچھا: تو
کتنی دیر (یہاں) رہا ہے؟ اس نے کہا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ نے
فرمایا: (نہیں!) بلکہ تو (موت کی حالت میں) سو سال رہا، البتہ تو اپنے کھانے اور پینے
(کے سامان) کی طرف دیکھ وہ بالکل سڑا بسا نہیں، نیز دیکھ اپنے گدھے (کے ڈھانچے)
کو، اور (یہ سب اس لیے ہوا ہے کہ) ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا چاہتے
ہیں اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کیسے انھیں ابھار کر جوڑتے ہیں، پھر
ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، پھر جب اس کے سامنے (یہ سب) واضح ہو گیا تو اس
نے کہا: میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور جب ابراہیم
نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ نے کہا: کیا تو
(اس پر) ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم نے کہا: کیوں نہیں! (ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن میں
قلبی اطمینان چاہتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا: پھر تو چار پرندے لے اور انھیں اپنے ساتھ
مانوس کر لے، پھر (انھیں ذبح کر کے) ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے، پھر ان کو

بلا، وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لے کہ بے شک اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے۔^۱

کیا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے پرندوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے مظاہرے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے اثر دے میں تبدیل ہونے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیک بندے سے ملاقات کی سرگزشت، یا اس طرح کے دیگر قرآنی واقعات کی کوئی مثال انسانی قصوں میں مل سکتی ہے؟ ایس خیال است و محال است و جنوں!

قرآنی قصص میں جو خرق عادت، حیرت انگیز واقعات و حسنات اور معجزات وارد ہوئے ہیں، ان کا ظہور و صدور اس لیے ہوا تا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ قدرت کاملہ دکھا دیں جس سے کائنات میں کوئی مخلوق بہرہ ور نہیں۔ یہ قصص انسانی نظر کی جلد بازی اور کوتاہ بینی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کاملہ اجاگر کرتے ہیں اور یوں یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کامل ہے اور ماضی، حال اور مستقبل سمیت ہر زمانے کا احاطہ کیے ہوئے ہے، مزید برآں قصص قرآنی یہ بھی بتاتے ہیں کہ کوئی سا بھی زمانہ ہو، خواہ قریب کا ہو یا بعید کا، اللہ تعالیٰ ہر گھڑی کا کامل علم غیب رکھتا ہے۔ اس حقیقت کے ادراک سے مومنوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔^۲

۱۱) انبیاء اور پسندیدہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان: قرآنی قصص کے مقاصد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ان میں انبیاء اور صلحاء پر اللہ تعالیٰ کے جو زبردست انعامات بیان کیے گئے ہیں ان کا مومنوں کے دلوں پر بہت پاکیزہ اور پائیدار اثر ہوتا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء، صلحاء اور دوستوں کے لیے بالکل کافی ہے اور وہ ان پر آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی

۱ البقرة 2: 259, 260

۲ معالم القصص في القرآن الكريم، ص: 45

انعامات کی بارش کرتا ہے۔ جس دین حق پر مومن یقین رکھتے ہیں اس پر انھیں ثابت قدم رکھنے میں قصص قرآنی کا ایک زبردست کردار ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، بلاشبہ انبیاء اور پسندیدہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کئی طرح سے ظاہر ہوتی ہیں جو درج ذیل ہیں: ﴿۱﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنوں اور پرندوں پر تصرف کا انعام دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَنُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنَظِقَ الطَّيْرِ وَأَوْتَيْنَا
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْبَهِينُ ۝﴾

”اور داود کا وارث سلیمان بنا اور اس نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے، اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے، بلاشبہ یہ تو صاف (اللہ کا) فضل ہے۔“ ﴿۲﴾

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو بھی مسخر کر دیا گیا تھا۔ یہ بھی انعام الہی تھا۔ اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

﴿وَسُلِّمْنَ الرِّيحَ عُدُوَهَا شَهْرًا وَرَوَّاحُهَا شَهْرًا ۚ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقَاطِرِ
وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نَذَرُهُ
مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ يَعْلَمُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَتَمَثِيلٌ وَعِجَابٌ كَالْجَوَابِ
وَقُدُورٌ رُّسِيَّتٌ ۚ لِعَمَلِهِمْ دَاوُدَ سُكْرًا ۖ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ۝ فَلَمَّا
قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةٌ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَاتِهِ ۚ فَلَمَّا
خَرَّتْ بَنَكِتِ الْجِنِّ أَنْ تَوُكَّلُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْبَهِينِ ۝﴾

”اور ہوا کو سلیمان کے تابع کیا، اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ (کی مسافت) تھا اور اس کا شام کا چلنا بھی ایک ماہ (کی مسافت) تھا، اور ہم نے اس کے لیے کچلے ہوئے تانبے کا

چشمہ بہادیا، اور کچھ جن (اس کے تابع کر دیے) جو اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے، اور ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرکشی کرتا تو ہم اسے خوب بھڑکتی آگ کے عذاب کا مزہ چکھاتے۔ سلیمان جو چاہتا جن اس کے لیے وہی بنا دیتے، مثلاً عالی شان عمارتیں اور تصویریں اور حوضوں جیسے (بڑے بڑے) لگن اور ایک ہی جگہ (چولھوں پر) جمی ہوئی دیکھیں۔ اے آل داود! شکرانے کے طور پر (نیک) عمل کرو، اور میرے بندوں میں سے شکر گزار تھوڑے ہی ہیں۔ پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کیا تو جنوں کو گھن کے کیڑے کے سوا کسی چیز نے بھی سلیمان کی موت کی اطلاع نہ دی، وہ اس کی لاشی کو کھاتا رہا، پھر جب وہ گر پڑا تو جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو وہ اس رسوا کن مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔“^{۱۴}

اور فرمایا:

﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرٍ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ۝﴾

”اور ہم نے سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا مسخر کر دی، وہ اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی تھی۔“^{۱۵}

ﷻ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے پرندوں اور پہاڑوں کو قابل تسخیر بنایا اور لوہے کو نرم کر کے ان پر انعام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يُجِبَالِ أَوَّي مَعَهُ وَالطَّيْرُ وَالنَّارُ لَهُ الْحَدِيدُ ۝ إِنَّ أَعْمَلَ سِبْغَتِ وَقَدَّرَ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝﴾

”اور یقیناً ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت عطا کی (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! اس کے ساتھ تسبیح دہراؤ، اور (اے) پرندو! (تم بھی) اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کر دیا کہ تو کامل اور کشادہ زرہیں بنا اور کڑیاں جوڑنے میں (مناسب) اندازہ رکھ، اور تم (سب) نیک عمل کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو بلاشبہ اسے میں خوب دیکھ رہا ہوں۔“^①

✽ حضرت داؤد کو زرہوں کی صنعت کی تعلیم دینے کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِنُخَصِّنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ ۚ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ﴾

”اور ہم نے اسے تمہارے لیے زرہ کی صنعت سکھائی تھی، تاکہ تمہاری لڑائی (کی تکلیف) سے تمہیں بچائے، پھر کیا تم شکر کرنے والے ہو؟“^②

✽ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلم والے بیٹے کا انعام دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَبَشِّرْنَاهُ بِعِلْمٍ حَلِيمٍ ۝﴾

”چنانچہ ہم نے اسے بہت حلم والے لڑکے (اسماعیل) کی بشارت دی۔“^③

✽ نیز اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری بھی دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝﴾

”اور ہم نے ابراہیم کو اسحق (بیٹے) کی بشارت دی، جو صالح لوگوں میں سے نبی ہوگا۔“^④

✽ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے سمندر پھاڑ کر راستہ دیا۔ یوں فرعون اور اس کے لشکر سے انھیں نجات دے کر ان پر انعام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

① سبا 11-10:34

② الأنبياء 80:21

③ الصافات 101:37

④ الصافات 112:37

﴿فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰی اِنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ط فَاَنْفَلَتْ فَمَّا كَانَ كُلُّ فِرْقٍ
كَالطُّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ اَجْعُوْنَ
۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخِرِيْنَ ط﴾

”تب ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا سمندر پر مار، تو (عصا مارنے سے) وہ
پھٹ گیا، پھر (سمندر کا) ہر ٹکڑا یوں ہو گیا جیسے عظیم پہاڑ۔ اور ہم وہاں دوسروں
(فرعونیوں) کو قریب لے آئے۔ اور ہم نے موسیٰ اور جو اس کے ہمراہ تھے، ان سب کو
بچا لیا، پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔“

حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کو عظیم ذبیحہ کا فدیہ دے کر ان پر انعام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے:

﴿وَفَدَّيْنَاهُ بِذَبِيْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِۤ فِي الْاٰخِرِيْنَ ط سَلٰمٌ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ ۝
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

”اور ہم نے اس (اسماعیل) کے بدلے میں ایک عظیم القدر (جانور) ذبح کرنے کو دیا
اور ہم نے اس کا ذکر خیر پیچھے آنے والوں میں باقی رکھا۔ ابراہیم پر سلام ہو، ہم
نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔“

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ان کے اوپر کدو کا بیل دار درخت اگا کر
اور اس کے بعد ان کی قوم کو ایمان کی ہدایت عطا کر کے ان پر انعام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ط اِذْ اَبَقَ اِلٰی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ
فَمَا كَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَا اَنَّهُ كَانَ مِنْ

الْمَسْجُونِ ۚ لَلَيْثِ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۚ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۚ
وَأَنبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِطِينَ ۚ وَآرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ آلَافٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۚ فَآمَنُوا
فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَى حِينٍ ۚ ﴿١٠﴾

”اور بے شک یونس رسولوں میں سے تھا۔ جب وہ ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف
بھاگ کر گیا۔ پھر (کشتی والوں نے) قرعہ ڈالا تو وہ مغلوب ہو گیا۔ تب اسے مچھلی نے
نگل لیا جبکہ وہ (خود کو) ملامت کر رہا تھا۔ پھر اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بے شک وہ تسبیح
کرنے والوں میں سے تھا تو وہ لوگوں کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے دن
(روز قیامت) تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا۔ پھر ہم نے اسے چھیل میدان
میں ڈال دیا، جبکہ وہ بیمار تھا۔ اور ہم نے اس پر ایک نیل دار درخت (کدو) اگا دیا۔
اور ہم نے اسے ایک لاکھ (انسانوں) کی طرف بھیجا، یا وہ اس سے کچھ زیادہ ہوں
گے۔ چنانچہ وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے انھیں ایک (مقرر) وقت تک فائدہ
(اٹھانے کا موقع) دیا۔“ ﴿١٠﴾

✽ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کثیر معجزات کا ظہور بھی ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا، اسی سلسلے
میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْرِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ
اللَّهِ ۚ وَأُبْرِئُ الْكَرْمَ وَالْأَبْرَصَ وَأُنْجِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَأَنْبِئُكُمْ بِمَا
تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ ۚ ﴿١١﴾

”بے شک میں تمہارے لیے گارے سے پرندے کی شکل بناتا ہوں، پھر اس میں

پھونک مارتا ہوں تو اللہ کے حکم سے وہ واقعی پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھے اور برص والے کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور تمہیں بتاتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ بے شک اسی میں تمہارے لیے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔“

حضرت مریم علیہا السلام پر ان کی قوم نے جس گناہ کی تہمت لگائی تھی، اس سے ان کی براءت کر کے اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام کیا، چنانچہ فرمایا ہے:

﴿قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ط إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝﴾

”مریم نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ مجھے کسی شخص نے نہیں چھوا؟ فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا خُتْلُوْنَ هَرُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ أَمْرًا سَوِيًّا وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا ۖ فَاشَارَتْ إِلَيْهِ ط قَالُوا كَيْفَ نَكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْأَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ط الْبَنَى الْكَتَبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي ۖ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝﴾

”(قوم مریم نے کہا:) اے ہارون کی بہن! تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں بدکار تھی، چنانچہ مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا، تو وہ کہنے لگے: ہم (اس سے) کیسے کلام کریں جو گود کا بچہ ہے؟ بچہ بول اٹھا: بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب

دی اور مجھے نبی بنایا ہے اور اس نے مجھے برکت والا بنایا، جہاں بھی میں ہوں، اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ سے نیکی کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے سرکش (اور) بد بخت نہیں بنایا۔“ ﴿۱﴾

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاتَّبَعْنِي أَتَّبِعْكَ فَتَقْتُلْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ﴾

”اور اس عورت کو (یاد کریں) جس نے اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اسے اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو اہل عالم کے لیے عظیم نشانی بنا دیا۔“ ﴿۲﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرما کر اور ان کی بیوی کی اصلاح کر کے ان پر انعام کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ۚ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾

”وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا: میرے رب! مجھے (اپنے پاس سے) پاکیزہ اولاد عطا کر، بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے۔ پھر جب وہ حجرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا تو فرشتوں نے اسے آواز دی: بے شک اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، وہ اللہ کے ایک کلمے (عیسیٰ) کی تصدیق کرے گا، اور سردار، نفس پر ضبط رکھنے والا اور

نبی ہوگا نیکو کاروں میں سے!“^①

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ذَوَّهْبًا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا

يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَذْعُرُونَ رِعْبًا وَرَهْبًا وَكَانُوا لَنَا خُشْعِينَ ۝

”چنانچہ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اسے بچی عطا کیا، اور ہم نے اس کے

لیے اس کی بیوی (کے ہانچہ پن) کو درست کر دیا، بے شک وہ (انبیاء علیہم السلام)

نیکوں میں جلدی کرتے، اور ہمیں رغبت اور ڈر سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے ہی

نیاز مند تھے۔“^②

انبیاء اور پسندیدہ لوگوں پر انعامات الہی میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان

کے ذکر جمیل کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ گزشتہ زمانے میں انھوں نے جو اعمال کیے تھے، ہم

انھیں آج تک پڑھتے آرہے ہیں۔ ہمارے بعد بھی لوگ ان کی پیروی کے لیے آتے

رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنے کا اعلان فرما دے گا۔ اس طرز عمل

میں کس قدر بھلائی اور دوام ہے! جو لوگ ان انبیاء کے بعد آئے ہیں انھیں معلوم ہونا

چاہیے کہ وہ جو بھی نیکی کا کام کریں گے اسے بھلایا جائے گا نہ اس کا انکار کیا جائے گا۔ یہ

مومنوں کے لیے نہایت گراں مایہ پیشگی بشارت ہے۔



باب 3

قرآن کریم کی تاثیر اور اس کے
ذریعے سے دعوت دینے کی اہمیت



قرآن کریم کے ذریعے سے دعوت دینے کی اہمیت

بلاشبہ قرآن عظیم نے لوگوں کے دلوں پر نسل در نسل عجیب اثر ڈالا ہے۔ قرآن کریم نے جزیرہ نمائے عرب میں عربوں کی زندگی کو جہالت سے علم میں، شرک سے توحید میں اور فرقہ بندی اور انتشار سے اجتماعیت، اتحاد اور نظم و ضبط میں لا کر اس طرح تبدیل کر دیا کہ اس کے بعد ایک تیز رو سیلاب کے مانند ان کا ریلا جزیرہ نمائے عرب کے تمام گوشوں اور دیگر علاقوں تک پھیل گیا اور انھوں نے کرہ ارض کے عظیم الشان بادشاہوں قیصر و کسری کے تخت الٹ دیے، شرک اور ظلم کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں اور ہر طرف توحید، حق اور عدل کے پرچم لہرا دیے۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔ انھوں نے قرآن کریم کے ذریعے سے ہدایت پائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اولین چیز جو اس تبدیلی کا سبب بنی وہ قرآن عظیم ہی کی تاثیر ہے۔

بلاشبہ جو نبی عربوں نے قرآن کریم کو غور سے سنا اس نے آناً فاناً انھیں حیران کر دیا۔ ان میں وہ افراد بھی تھے جن کے سینے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیے اور ان کی بصیرت کو روشن کر دیا، اور وہ بھی تھے جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ

ڈال دیا، جیسے ولید بن مغیرہ وغیرہ۔

قرآن کریم کی شان و شوکت اور حسن و جمال کو ہر عاجز اور گڑگڑانے والا دل محسوس کرتا ہے اور کسی نہ کسی طرح اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، لیکن عرب جھگڑا لڑنے والے تھے جیسا کہ قرآن عظیم نے ان کے بارے میں بتایا ہے:

﴿قَوْمٌ خَصَوْنَ ۝﴾

”یہ لوگ نرمے جھگڑا لڑنے والے تھے۔“^۱

اور وہ بہت جھگڑا کرنے والے دشمن تھے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَتُنذِرُهُمْ قَوْمًا لَّدَا ۝﴾

”اور اس کے ساتھ جھگڑا لڑنے والے قوم کو ڈرائیں۔“^۲

یہ جھگڑا لڑنے والے قرآن کریم کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے اور اس کی شان میں گستاخی کرنے پر اتر آئے اور اس کی قدر و قیمت گھٹانے کے لیے ہمہ گیر مہم چلانے لگے۔ بلاشبہ بعض ایسے مبلغین اور داعیوں پر تعجب ہوتا ہے جو قرآن کی آیات سے عمداً یا مخاطبین کے دلوں پر قرآن کریم کی اثر اندازی سے عدم توجہ کے باعث غفلت برتتے ہیں۔ وہ اپنی دعوت کے دوران میں کلام الہی کے علاوہ ہر اس کلام کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں جو ان کے دل میں سما جاتا ہے۔ وہ آیات قرآنیہ سے بہت کم استدلال کرتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لمبی چوڑی اور ہمہ گیر گفتگو کرنے کے باوجود ان کے لبوں سے قرآن کریم کی ایک آیت بھی سنائی نہیں دیتی۔^۳

۱ الزخرف 58:47 ۲ مریم 97:19

۳ اس گفتگو کا یہ مقصد نہیں ہے کہ مبلغین اور داعی حضرات اپنی دعوت و تبلیغ کے دوران میں فقط قرآنی آیات کی تلاوت ہی پر اکتفا کریں اور توضیح و تفصیل، تفسیر، وجوہ بیان، ضرب الامثال، شواہد اور عبرت انگیز

عہد قدیم اور دور جدید میں دعوت دین عام کرنے اور لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے میں قرآن کریم کی اثر آفرینی نہ صرف مسلم ہے بلکہ اسے زبردست اہمیت بھی حاصل ہے، لہذا اس باب میں مدعوین کے دلوں پر قرآن کریم کی اثر اندازی کے بارے میں گفتگو ہوگی۔

بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کی نصرت و تائید فرمائی ہے تاکہ وہ لوگوں کو قرآن کریم کے ذریعے سے دعوت دیں اور اس پر اعتماد کریں۔ دلوں پر قرآن کریم کی زبردست اثر اندازی ہی کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایسی بہت سی قرآنی نصوص ملتی ہیں جو قرآن عظیم کی آیات مقدسہ کے ذریعے سے دعوت دینے کا حکم اور ترغیب دیتی ہیں۔ ان میں سے چند آیات درج ذیل ہیں:

① اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَوْحَىٰ إِلَيْنَا هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأَنَّكَ كُنتُمْ بِهِ وَمِن بَلَعِ ط﴾

”اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے، ان سب کو ڈراؤں۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اے مخاطبوا! بلاشبہ یہ قرآن لوگوں کے فائدے اور ان کی اصلاح کے لیے وحی کیا گیا ہے کیونکہ اس میں تمہارے لیے اور قیامت تک جن لوگوں کو یہ قرآن پہنچے گا، ان سب کے لیے ڈراوا ہے اور خطرے سے آگہی اور احتیاط ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

« واقعات سے پرہیز کریں، کیونکہ یہ بات قرآن کریم کی نص اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور سنت کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ الْبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝﴾ ”اور ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا، اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔“ (النحل 4: 16)

”قرآن کریم جب بھی اور جہاں بھی رونق افروز ہو، وہ دعوت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔“ پھر انھوں نے بطور استدلال یہی آیت تلاوت کی: ﴿لَا تُنْذِرُ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ﴾ ”تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمہیں اور جس جس تک یہ پہنچے، اُن سب کو ڈراؤں۔“ ﴿

② اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حِزَابٌ مِّنْهُ لِيُنْذِرَ بِهِ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾

”(اے نبی!) یہ کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس سے آپ کے سینے میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہونی چاہیے، تاکہ آپ اس کے ذریعے سے (لوگوں کو) ڈرائیں اور یہ مومنوں کے لیے نصیحت ہے۔“ ﴿

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ آپ کفار کو قرآن کریم کے ذریعے سے ڈرائیں اور مومنوں کو نصیحت کریں، کیونکہ قرآن کریم ہر اس چیز کا حامل ہے جس کے بندگان رب العزت دنیا و آخرت میں محتاج ہیں، نیز یہ حکم اس لیے بھی دیا گیا ہے کہ صرف مومنین ہی اس کی ہدایت سے مستفید ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا داعی اور مبلغ جب قرآن کے ذریعے سے قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے لیے کھڑا ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس کے دل و دماغ میں کسی قسم کا کوئی شک، تردد اور تنگی نہ ہو۔ اس آیت کریمہ میں ”حَرَجٌ“ سے یہی مراد ہے کہ کسی قسم کی تنگی اور شک و شبہ داعی کے دل میں نہ ہو کیونکہ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کتاب ہے۔ باطل کسی طور اس کتاب کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا، لہذا داعی کو کامل انشراح صدر ہونا چاہیے اور اس پر اس کا

دل پوری طرح مطمئن ہونا چاہیے۔ اس کا فرض ہے کہ قرآن احکام اور اس کی نواہی کا اعلان کرے اور کسی ملامت گر اور رکاوٹ ڈالنے والے سے ہرگز نہ ڈرے۔^①

③ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝﴾

”اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا اتارا تاکہ آپ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں، اور ہم نے اسے بتدریج ہی نازل کیا ہے۔“^②

پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو مختلف حالات و حوادث اور واقعات پیش آنے پر تقریباً 23 برس کی مدت میں وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا تاکہ آپ اسے وقفے وقفے سے لوگوں تک پہنچائیں اور ان کے روبرو اس کی تلاوت فرمائیں تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور اس پر ایمان لائیں۔^③

یہ بات ہر مبلغ کے لیے شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ دل و جان سے حضرت محمد ﷺ کی اقتدا کرے اور لوگوں کو قرآن کریم کی دعوت توقف کے ساتھ وقتاً فوقتاً دے اور اس کی تلاوت دھیرے دھیرے کرے تاکہ قرآن کریم میں جو حکمتیں اور نفع بخش علوم ہیں وہ نمایاں ہو جائیں اور لوگ ان سے مستفید ہو سکیں۔

④ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أُذِّنُكُمْ بِأَلْوَحْيٍ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ۝﴾

”کہہ دیجیے: بس میں تو تمہیں وحی کے ذریعے سے ڈراتا ہوں، اور بہرے پکار کو نہیں

① تفسیر الطبری: 297/12، تفسیر القرطبی: 160/7-161، تفسیر السعدی، ص

245-246 و فی ظلال القرآن: 1203/3-1209

② بنی اسرائیل 106:17

③ تفسیر ابن کثیر: 94/3

سنئے جب انھیں ڈرایا جائے۔“^①

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کو واضح حکم دیا گیا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو اس قرآن عظیم کے ذریعے سے دعوت دیں اور انھیں ڈرائیں کیونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔ اگر وہ اسے قبول کر لیں تو اس میں انھی کا فائدہ ہے۔ اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس بہرے کے مانند ہیں جو کوئی آواز سنتا ہے نہ یہ جانتا ہے کہ اس سے گفتگو کرنے والا کیا کہتا ہے کیونکہ جو قرآن حکیم کی آواز سنے اور اس کا دل اس کی ہدایت قبول نہ کرے تو وہ بد بخت درحقیقت بہرا ہے۔^②

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا لوگوں کو قرآن کے ذریعے سے خوف دلاتا ہے۔ پس جو شخص دعوت الی اللہ قبول کرے نہ اس سے متاثر ہو تو یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کا دل خیر اور بھلائی سے خالی ہے اور وہ بھلائی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یوں دعوت قرآن میں جو خبریں اور ہدایات ہیں، وہ ان سے مستفید نہیں ہوتا۔ درحقیقت یہی شخص بہرا ہے۔

⑤ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تُطِيعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۝﴾

”پس آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں اور ان سے بذریعہ قرآن بڑے زور کا جہاد کریں۔“^③

یہ آیت کریمہ اس بات پر نص صریح ہے کہ قرآن عظیم کی آیات مقدسہ کے ذریعے سے دعوت دینا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے عظیم الشان دروازوں میں سے ایک ہے کیونکہ

① الأنبياء 45:21

② تفسیر القرطبی: 292/11 و تفسیر ابن کثیر: 181/3 و تفسیر السعدی، ص: 473

③ الفرقان 52:25

اللہ تعالیٰ نے اسے نہ صرف جہاد کا نام دیا ہے بلکہ اسے بڑا جہاد بھی کہا ہے۔ اس اعتبار سے لوگوں کو رجوع الی اللہ کی دعوت دینے والے افراد کس قدر شرف عظیم کے مالک ہیں کہ انھیں ”سب سے بڑا جہاد کرنے والے مجاہدین“ کا لقب دیا گیا ہے۔ یہ لقب ان کے لیے ایسی نعمت عظمیٰ ہے جو یہ حق رکھتی ہے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں، فرض تبلیغ اور دیگر اعمال صالحہ اخلاص سے ادا کریں، کفار اور گناہ گار مسلمانوں کے ساتھ قرآن عظیم کے ذریعے سے جہاد کرنے میں جانفشانی سے کام لیں کیونکہ جو شخص بذریعہ قرآن کفار سے جہاد کرتا ہے اسے گناہ گار مسلمانوں کو بدرجہ اولیٰ قرآن کے پیغام سے روشناس کرانا چاہیے۔

⑥ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ٥٨﴾

”اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں حتیٰ کہ وہ ان کی بڑی بستی میں کوئی رسول بھیجتا ہے، جو ان پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے۔ اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر (اس وقت) جبکہ ان کے باشندے ظالم ہوں۔“^①

یہ آیت کریمہ بھی قرآن کریم کے ذریعے سے دعوت دینے کی اہمیت اجاگر کرتی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کافروں کے لیے آیات قرآنیہ کی تلاوت سننے کو عذاب الہی کے نزول سے بچاؤ کا قلعہ قرار دیا ہے کیونکہ قرآن عظیم اللہ عزوجل پر ایمان لانے اور اس کے دین میں داخل ہونے کے لیے سب سے بڑا سبب اور سب سے زیادہ کارآمد وسیلہ ہے، اس لیے اسے سن لینے کے بعد ان کے خلاف جہت قائم ہو جاتی ہے۔^②

① القصص 28: 59

② تفسیر القرطبی: 301/13-303 و تفسیر ابن کثیر: 3/397 و تفسیر السعدی، ص: 571

اسی آیت کریمہ کی طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں فرمایا ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَا مَنَّهُ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

”اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں، اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔“

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ﴾ ”یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے“ سے مراد یہ ہے کہ وہ اس قرآن حکیم کو سن لے جسے آپ تلاوت کرتے ہیں، اس پر غور و فکر کر لے، معاملے کی حقیقت پر مطلع ہو جائے اور یوں اس پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ پھر اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کے وہی حقوق و واجبات ہیں جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں اور اگر وہ انکار کر دے تو اسے اس کے امن کی جگہ یا اس کے گھر واپس پہنچا دیں جہاں وہ پر امن رہ سکے، پھر اگر آپ (اس کی اسلام دشمنی کے باعث) اس سے لڑنا چاہیں تو لڑ سکتے ہیں۔“

اگر قرآن حکیم کو سننے والے لوگوں کے دلوں تک قرآن کے اثرات پہنچنے والے نہ ہوتے تو مشرک کی پناہ ختم کرنے کے لیے اسے حد فاصل قرار نہ دیا جاتا۔

⑦ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَيْدِ ۝﴾

”لہذا آپ اس قرآن کے ذریعے سے اس شخص کو نصیحت کرتے رہیں، جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔“

یہ اس لیے کہ اگر آدمی قرآن کریم پر ایمان لائے نہ اس کے مطابق عمل کرے تو قرآن دلوں کو جھنجھوڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ہولناکی اور شدت سے انھیں خوف دلاتا ہے، لہذا قرآن حکیم لوگوں کو دعوت دینے کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر ترین وسیلہ ہے، رجوع الی اللہ کی دعوت دینے کے لیے مبلغین کو یہی وسیلہ بروئے کار لانا چاہیے۔^①



① الدعوة إلى الله بالقرآن الكريم، الدكتور خالد القرشي، مجلة جامعة محمد بن سعود الإسلامية، عدد: 31 رجب، 1421ھ، ص: 273-278

قرآن کریم کے ساتھ دعوت دینے کا عملی نفاذ

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ قرآن عظیم کے ذریعے سے اپنے قول و عمل، رہنمائی اور ہدایت کی روشنی میں بڑے وقار اور تمکنت سے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

«فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللَّهِ كَانَ الْقُرْآنَ»

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا خلق قرآن تھا۔“^①

یعنی نبی اکرم ﷺ اپنے تمام اقوال، افعال، احوال اور امور زندگی میں ٹھیک ٹھیک قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کرتے تھے، بلکہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق قیامت کے دن آپ کے پیروکاروں کی کثرت کا سب سے بڑا سبب آپ پر قرآن کریم کا نزول ہی

① صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل ومن نام.....، حدیث: 746

اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کا عمل ٹھیک قرآن حکیم کے مطابق تھا۔ آپ قرآن کی حدود کا پاس کرتے تھے، اس کے آداب ملحوظ خاطر رکھتے تھے، اس کی مثالوں اور واقعات سے عبرت حاصل کرتے، اس میں غور فکر کرتے اور احسن طریقے سے اس کی تلاوت کرتے تھے۔

ہے۔ بلاشبہ قرآن وہ سب سے بڑا معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمایا۔^①

چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيَتْ وَحِيًّا أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”ہر نبی کو جو کچھ دیا گیا اس کے مطابق ہی اس پر لوگ ایمان لائے اور بلاشبہ مجھے جو چیز دی گئی ہے وہ وحی (قرآن) ہے جسے اللہ نے میری طرف نازل کیا ہے، لہذا میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میں پیروکاروں (کی بہتات) کے اعتبار سے سب سے (آگے) بڑھ جاؤں گا۔“^②

معجزہ قرآن عظیم اور دیگر انبیاء کے معجزات کے مابین اہم فرق

بلاشبہ قرآن عظیم کا معجزہ سابقہ معجزوں سے مختلف ہے۔ قرآن عظیم کے معجزے اور سابقہ انبیاء کے معجزات کے مابین مندرجہ ذیل فرق ہیں:

❖ بلاشبہ قرآن عظیم کا معجزہ یوم قیامت تک ابدی ہے جبکہ دیگر انبیاء کے معجزات ان کے ادوار ختم ہوتے ہی صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ انھیں صرف انہی لوگوں نے دیکھا جو ان ادوار میں موجود تھے۔

① الدعوة إلى الله بالقرآن الكريم، الدكتور خالد القريشي، مجلة جامعة محمد بن سعود الإسلامية، عدد: 31 رجب، 1421ھ، ص: 282-283

❖ صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحي و أول ما نزل، حديث: 4981 و صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا.....، حديث: 152

✽ قرآن عظیم اپنے اسلوب، بلاغت اور اپنی غیبی خبروں کے لحاظ سے یکسر خلاف معمول اور خرق عادت چیز ہے، لہذا کوئی دور ایسا نہیں گزرتا جس میں قرآن کریم کی دی ہوئی خبریں ظاہر نہیں ہوتیں اور یہ وہ چیز ہے جو قرآن کے سوا دیگر معجزات میں نہیں پائی جاتی۔

✽ ماضی کے معجزات حسی تھے جن کا ہچشم خود مشاہدہ کیا جاسکتا تھا، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاشی وغیرہ جبکہ قرآن عظیم کا معجزہ صرف نگاہ بصیرت ہی سے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن عظیم کے پیروکار زیادہ ہوں گے کیونکہ جو معجزہ براہ راست آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہو وہ مشاہدہ منقطع ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے اور وہ معجزہ جسے صرف عقل کی بینائی ہی دیکھ سکتی ہو، باقی رہتا ہے اور اسے ہر عہد میں ہر شخص مستقل طور پر دیکھ سکتا ہے۔“^۱

جب رسول اللہ ﷺ جیسی جلالت مآب، بارعب اور دعوت دین میں مؤثر ترین شخصیت آیات قرآنی کے ذریعے سے دعوت دینے سے بے نیاز نہیں ہے تو آج ہماری کیا اوقات ہے۔ بھلا ہم کس باغ کی مولیٰ ہیں! ہم تو کوتاہیاں کرنے والے خطا کار اور قصور وار ہیں۔ بلاشبہ ادنیٰ ترین درجے میں ہم جو کچھ بھی ہیں، اس لحاظ سے تو ہمیں آیات قرآنی کے ذریعے سے دعوت الی اللہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

لہذا داعیان عظام کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کو دعوت دیتے وقت ابدی معجزے، قرآن عظیم سے مدد لیں اور اسی کی طرف رجوع کریں تاکہ ہدایت، استقامت اور تقویٰ کے متوقع عظیم نتائج اور نقوش جگمگا اٹھیں۔

یہاں ہم مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں قرآن عظیم کے ذریعے سے دعوت دینے کے مؤثر

طریقوں اور مدعوین کے دلوں پر اس کے اثرات کی مثالیں پیش کرتے ہیں:

سفر حج میں قرآنی آیات سنا کر دعوت اسلام دینا

حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ بنفس نفیس عرب قبائل کے سامنے دعوت اسلام پیش کریں تو اس حکم کی تعمیل کے لیے آپ مجھے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر نکلے حتیٰ کہ ہم مجالس عرب میں سے ایک مجلس تک پہنچے (آپ ﷺ نے اہل مجلس کو دعوت دی)..... تو مفروق بن عمرو نے دریافت کیا: ”اے قریش کے بھائی! آپ ہمیں کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟“ اس پر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطْنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝﴾

”کہہ دیجیے! آؤ میں پڑھ کر سناتا ہوں جو کچھ تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی اور انھیں بھی رزق دیتے ہیں، اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے ہوں، اور کسی

❖ الدعوة إلى الله بالقرآن الكريم، الدكتور خالد القريشي، مجلة جامعة محمد بن سعود الإسلامية، عدد: 31، رجب 1421 هـ، ص: 284-309، من أسرار عظمة القرآن، ص: 31-33، من مشاهد الأعجاز النفسى فى القرآن الكريم، الدكتور على البدرى، مجلة الجامعة الإسلامية، عدد 44: 1411 هـ، ص: 85-94، خصائص القرآن الكريم، الدكتور فهد الرومى،

ایسی جان کو قتل مت کرنا جسے اللہ نے حرام کیا ہو، سوائے اس کے جس کا قتل برحق ہو۔
ان ساری باتوں کی اللہ نے تمہیں تاکید کی ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو۔“^①
مفروق نے پھر پوچھا: اے قریش کے بھائی! آپ اور کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ تو
رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُم لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝﴾

”بے شک اللہ عدل اور احسان کرنے اور قربت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور
بے حیائی، برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم
نہایت پکڑو۔“^②

یہ آیت کریمہ سن کر مفروق کہنے لگا: ”اے قریش کے بھائی! اللہ کی قسم! آپ نے اعلیٰ
اخلاق اور بہترین اعمال کی طرف بلایا ہے۔“^③

سفری صعوبتیں اور قرآن کے ذریعے دعوت

حضرت خالد عدوانی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بنو ثقیف سے حصول تعاون
کی جستجو میں ان کے پاس آئے تو خالد نے دیکھا کہ آپ بنو ثقیف کے مشرق میں کمان یا لائٹھی
کے سہارے کھڑے تھے۔ خالد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ آپ اس سورت کی تلاوت
کر رہے تھے: ﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ﴾ ”قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی۔“^④

① الأنعام 151:6 النحل 90:16

② الثقات لابن حبان: 88-80/1 ودلائل النبوة للبيهقي: 422-427/2 اس کی سند کو

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”حسن“ کہا ہے۔ (فتح الباری: 220/7)

④ الطارق 1:86

آپ نے یہ سورت آخر تک پڑھی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سورت کو ذہن نشین کر لیا جبکہ یہ جاہلیت کا زمانہ تھا اور میں مشرک تھا۔ اس کے بعد میں نے اسے دور اسلام میں بھی پڑھا۔ وہ فرماتے ہیں: ”مجھے بنو ثقیف نے بلایا اور پوچھنے لگے: تو نے اس آدمی سے کیا سنا ہے؟ میں نے انھیں سورہ طارق پڑھ کر سنائی تو ان (بنو ثقیف) کے ساتھ جو قریشی تھے انھوں نے کہا: ہم اپنے ساتھی کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اگر ہم اسے حق سمجھتے تو ضرور اس کی پیروی کرتے۔“

پس یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بستیوں کا سفر کرتے تھے، لوگوں کے پاس جاتے تھے اور قرآن عظیم کی آیات تلاوت کر کے انھیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دیتے تھے۔ قرآنی آیات سن کر سامعین کے دلوں پر جو زبردست اثر پڑتا تھا وہ اثر طائف کے جلیل القدر صحابی خالد بن ابوجہل عدوانی رضی اللہ عنہ نہیں بھولے کیونکہ وہ کہتے ہیں: ”میں نے اس سورت کو زمانہ جاہلیت ہی میں ذہن نشین کر لیا تھا جبکہ میں مشرک تھا، پھر میں نے اسے دور اسلام میں بھی پڑھا۔“

بادشاہوں اور سرداروں کو قرآن کے ذریعے سے دعوت اسلام دینا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (نجاشی کے ملک) حبشہ کی طرف ہجرت کے بارے میں فرماتی ہیں: نجاشی نے بڑے بڑے پادریوں کو بھی بلالیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ حضرت جعفر کے گرد اپنی مذہبی کتابیں انجیل وغیرہ کھول کر رکھیں۔ حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”جو تعلیمات وہ نبی لے کر آیا ہے کیا اس میں سے کچھ تم سنا سکتے ہو؟“ پھر نجاشی نے حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جی ہاں!“ چنانچہ آپ نے ان کے روبرو سورہ مریم زبانی پڑھی

❶ مسند أحمد: 335/4، صاحب فتح الربانی نے اس کی سند کو ”جید“ کہا ہے (الفتح الربانی: 243/20)

تو اللہ کی قسم! نجاشی رو پڑا۔ وہ اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی پادری بھی رونے لگے اور وہ بھی اس قدر روئے کہ ان کے صحیفے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔“

نبی اکرم ﷺ نے جو خط رومی بادشاہ ہرقل کو لکھا تھا، اس کا مضمون یہ ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ
الرُّومِ، سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدَعَايَةِ
الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْتَ تَسْلَمَ، وَأَسْلِمْتُ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ
تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْإِرْسِيَيْنِ

”شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے شاہ روم ہرقل کے نام!

جو شخص سیدھے راستے کی پیروی کرے اس کو سلام ہو!

اما بعد! میں تمہیں اسلام کے کلمے کی طرف بلاتا ہوں، اسلام قبول کر لو، سلامت رہو

گے اور اللہ تمہیں دو ہر ا ثواب دے گا۔ اگر تم نے منہ پھیر لیا تو بلاشبہ تمہارے عوام کا

گناہ بھی تم پر ہوگا۔ (اس کے بعد آپ نے یہ آیت کریمہ تحریر کرائی)

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ

وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا ۚ مِّنْ دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا

فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝﴾

”اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں

✽ مسند أحمد: 1/201، 5/290-292 امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس حدیث کو امام احمد نے روایت

کیا ہے۔ اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں ماسوا ابن اسحاق کے اور اس نے بھی سماع کی تصریح

کی ہے۔“

ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔“

سننے والے چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، عوام الناس میں سے ہوں یا ان کے بادشاہوں اور سرداروں میں سے ہوں، قرآن عظیم کا سامعین کے دلوں پر بلا امتیاز کس قدر زبردست اور فوری اثر ہوتا ہے، یہ بات نجاشی کی مثال سے واضح ہے۔ نجاشی اور اس کے پادری قرآن عظیم کی آیات سن کر بے خود ہو گئے حتیٰ کہ اس کی تاثیر کی بنا پر وہ رونے لگے اور ان کی ڈاڑھیاں بھیگ گئیں۔

دشمنوں کے قلوب پر قرآن کریم کا حیرت انگیز اثر

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن قریش اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے: دیکھو تم میں سے جو شخص سب سے زیادہ جادو، کہانت اور اشعار جانتا ہے وہ اس شخص کے پاس جائے جس نے ہماری جماعت میں تفریق پیدا کر دی ہے، ہمارا معاملہ بگاڑ دیا ہے، ہمیں منتشر کر دیا ہے اور ہمارے دین پر طعن و تشنیع کی ہے۔ ہمارا شخص اس سے جا کر گفتگو کرے اور دیکھے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے، چنانچہ عتبہ بن ربیعہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے آپ سے طویل گفتگو کی۔ جب عتبہ اپنی ساری باتیں کر چکا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے ابو ولید! کیا تم اپنی گفتگو سے فارغ ہو گئے؟“ اس نے جواب دیا: جی ہاں! تب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آل عمران: 64/3۔ صحیح البخاری، الوحي، باب كيف بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿حَمَّ ۚ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۚ كِتَابٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۚ بِشٰیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضْ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۚ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْ اَكْثَمَةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَیْهِ وَ فِیْ اَذٰنِنَا وَ قُرْ وَّ مِنْ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ فَاَعْمَلْ اِنَّا عَمِلُوْنَ ۝﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ”حم (یہ قرآن) رحمن اور رحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ (یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں، حالانکہ (یہ) قرآن عربی ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں، جو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے، پھر ان میں سے اکثر نے (اس سے) منہ پھیر لیا، تو وہ سنتے ہی نہیں۔ اور انھوں نے کہا: جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں، اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہیں، اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ ہے، لہذا تو (اپنا) کام کر، بلاشبہ ہم (اپنا) کام کرنے والے ہیں۔“¹

رسول اللہ ﷺ مسلسل قرآن پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان تک آ پہنچے:

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝﴾

”پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دیجیے: میں نے تمہیں ایسی کڑک (آسمانی عذاب) سے ڈرا دیا ہے جو عاد اور ثمود کی کڑک کے مانند ہوگی۔“²

عتبہ نے یہ آیت سن کر آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور قرابت داری کی قسم دیتے ہوئے کہا کہ اب رک جائیے، پھر عتبہ لوٹ گیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس جا کھڑا ہوا۔

وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: ہم حلفیہ کہتے ہیں کہ ابو ولید جس کام کے لیے گیا تھا، وہ اس کے بغیر ہی لوٹ آیا ہے..... اس کے بعد ابو ولید نے قریش سے جو گفتگو کی، اس میں اس نے ایک بات یہ بھی کہی: ”اے جماعت قریش! میری بات مانو اور اس کے مطابق کوئی قدم اٹھاؤ۔ محمد (ﷺ) اور اُن کے عقائد کو جانے دو اور ان سے الگ تھلگ رہو۔ اللہ کی قسم! جو خبر میں نے ان سے سنی ہے (اس کے پیش نظر) ہو سکتا ہے تم پر عذاب آ جائے..... اس پر وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! اے ابو ولید! محمد (ﷺ) نے اپنی زبان سے تم پر جادو کر دیا ہے۔“^۱

قرآن کریم دشمنانِ دین کے دلوں میں ہیبت بٹھا دیتا اور ان کے دل دہلا دیتا ہے اور ان کی آنکھوں سے نیند اڑ جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قریش مکہ کو دین حق قبول کرنے سے صرف ان کے تکبر اور عناد نے روکا۔ کفار مکہ اچھی طرح جانتے تھے کہ قرآن کا کلام بے حد مؤثر ہے، سامعین کے دلوں پر فوراً اثر کرتا ہے، لہذا وہ قرآن کریم کے سننے سے خود بھی ڈرتے تھے اور دیگر لوگوں کے دلوں پر اس کے غلبے سے خوف کھاتے تھے، چنانچہ زیارت کعبہ کے لیے جو وفد مکہ آتے، وہ ان کا استقبال کرتے تھے اور انھیں پہلے ہی سے نبی اکرم ﷺ کی گفتگو سننے اور آپ کی مجلس میں جانے سے ڈراتے تھے۔ وہ اسی پر بس نہ کرتے بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو قرآن عظیم نہ سننے کی وصیت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾

”اور کافروں نے (ایک دوسرے سے) کہا: تم اس قرآن کو مت سنو اور (جب پڑھا جائے تو) شور مچاؤ تا کہ تم غالب آ جاؤ۔“^۲

۱ دلائل النبوة، اسماعیل بن محمد الفضل تمیمی: 220/2-222، مسند ابی یعلیٰ: 350/3.....

ایک اور روایت میں ہے کہ جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا اور جس نے سورہ (ختم السجدہ) کی تلاوت رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی تھی وہ ولید بن مغیرہ تھا۔ (تفسیر الطبری: 157/28)

انہوں نے یہ بات بلاوجہ نہیں کہی تھی۔ بلاشبہ وہ قرآن کریم کی تاثیر سے آگاہ تھے اور انہوں نے اپنے اطراف و اکناف میں قرآن کی شان و شوکت اور شدتِ تاثر کو محسوس کر لیا تھا، بصورتِ دیگر وہ اپنی قوم کو قرآن کریم سننے سے اس شدت سے نہ ڈراتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود قرآن کریم سے بہت متاثر ہوتے تھے لیکن اسے قبول کرنے سے ان کا غرور و تکبر آڑے آتا تھا۔

خطبات میں لوگوں کو قرآنی آیات سنا کر نصیحت کرنا

حضرت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں:

«لَقَدْ كَانَ تَنْوَرُنَا وَتَنْوَرُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَاحِدًا سَتَيْنِ، أَوْ سَنَةً وَبَعْضَ سَنَةٍ، وَمَا أَخَذْتُ ﴿ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ﴾ إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، يَقْرُوهَا كُلُّ يَوْمٍ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ، إِذَا خَطَبَ النَّاسَ»

”بلاشبہ تقریباً ڈیڑھ دو سال تک ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا تنور ایک ہی رہا، اور میں نے سورہ ق رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی جسے آپ ہر جمعے کے دن خطبہ دیتے ہوئے پڑھا کرتے تھے۔“^①

پس رسول اللہ ﷺ یومِ جمعہ کو منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے جو کہ دعوت کا سب سے بڑا دروازہ اور اس کا سب سے بڑا میدان ہے، اور آپ خطبے میں قرآن کریم کی سورہ ق کی تلاوت فرما کر اس کے ذریعے سے لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے تھے۔

① صحیح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة و الخطبة، حديث: 873

قرآن کریم سن کر دل کی دھڑکن تیز ہو جانا

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورہ طور کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا دل ابھی پرواز کر جائے گا:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۖ أَمْ خُلِقُوا السَّابِقُونَ ۖ أَمْ هُمُ الْمُصْطَفُونَ ۖ أَمْ لَا يُوقِنُونَ ۖ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَتِ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُهْضِيطُونَ ۖ﴾

”کیا وہ بغیر کسی خالق کے پیدا کیے گئے ہیں، یا وہ (خود اپنے) خالق ہیں؟ کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا وہ (ان کے) داروغہ ہیں؟“

ان کا دل کیوں پرواز نہ کرتا؟ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کیونکہ قرآن کی اثر انگیزی بڑی زبردست ہے۔ بھلا یہ اثر انگیزی کیسے نہ ہو؟ اگر اس قرآن کریم کو پہاڑ پر نازل کر دیا جاتا تو وہ بھی لرز جاتا اور اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتا۔



معروف نو مسلم سکالرز کے قبول اسلام میں قرآن کریم کا کردار

دور قدیم و جدید میں دعوت دین پھیلانے کے سلسلے میں قرآن عظیم کا کردار بہت اہم اور عظیم الشان رہا ہے۔ غیر مسلموں کے عقلی طرزِ عمل میں غور و تأمل کرنے والا شخص اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ان کے اس طرزِ عمل کے مقابلے میں اسلام کا طرزِ فکر و عمل درج ذیل دو متضاد رجحانات کے مابین نقطہ توازن پر استوار ہے:

❖ پہلا رجحان: اس پر علمی اور موضوعی جذبہ غالب ہے اور اس میں ذاتی خواہشات و رجحانات سے دور رہتے ہوئے رائے زنی اور نتائج اخذ کرنے میں بلا تعصب غیر جانبدارانہ رویہ اپنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

❖ دوسرا رجحان: اس پر جانبداری، گروہ بندی اور اس سے ملتے جلتے دوسرے جذبات غالب ہیں۔ یہ گروہ اپنی تہذیب و افکار کے برتر ہونے کے احساس سے مغلوب ہو کر اہل مشرق کی جانب اپنے تیر و تفنگ کا رخ پھیر دیتے ہیں۔

اس وقت ہمارا مقصود رجحان اول رکھنے والے افراد کی شہادت اور ان کے اقوال ہیں، لیکن

لازم ہے کہ ہم صرف ان باتوں کو ملحوظ رکھیں جو ہمارے مقصد کے لیے اہم ہیں اور وہ یہ ہے کہ بلاشبہ اسلام یا قرآن کے بارے میں یہ اقوال اور شہادتیں ہمارے دین، ہماری تہذیب، ہمارے مضبوط اصولوں اور مستحکم حقائق کی تصدیق کرتی ہیں، اس سے زیادہ ان کی اور کوئی حیثیت نہیں۔^①

یہ اقوال اور شہادتیں ایسے اشخاص کی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو چکے ہیں، انھوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے یا بعد میں اسلام کے کسی نہ کسی پہلو کی بابت یہ کلمات کہے ہیں، ان کے یہ اقوال اور شہادتیں درج ذیل ہیں:^②

✽ ابراہیم خلیل احمد: قَسْبَسُ کے مرتبے پر فائز عیسائی پادری ابراہیم خلیل احمد نے اسلام اور بالخصوص قرآن کریم کا انتہائی باریک بینی سے مطالعہ کرنے کے بعد 1380ھ میں اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ وہ قرآن عظیم کے بارے میں فرماتے ہیں:

”میں یقیناً اس بات کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ اگر میں دہریہ انسان ہوتا، یعنی اس کائنات کے خالق کے وجود پر ایمان رکھتا نہ آسمانی رسالتوں میں سے کسی رسالت پر ایمان رکھنے والا ہوتا اور میرے پاس کچھ لوگ آتے جو مجھے مختلف جدید علوم کی ایسی باتیں بتاتے جو قرآن کریم نے پہلے ہی بیان کر دی ہیں تو یقیناً میں رب العزت، صاحب جبروت، خالق ارض و سماء پر ایمان لے آتا اور اس کے ساتھ کسی کو کبھی شریک نہ ٹھہراتا۔“^③

① الدعوة إلى الله بالقرآن الكريم، الدكتور خالد القريشي، ص: 311-313، قالوا عن الإسلام،

الدكتور عماد الدين خليل، ص: 11-22

② الدعوة إلى الله بالقرآن الكريم، ص: 314-331، بالقرآن أسلم هؤلاء، عبدالعزيز الغزالي،

ص: 67-162، قرآنكم يا مسلمون، إبراهيم الضبيعي، ص: 53-55، 65-70، القرآن الكريم

من منظور غربي، الدكتور عماد الدين خليل، ص: 17-26، 44-72، 79.

③ قالوا عن الإسلام، ص: 49

ایک اور موقع پر انھوں نے ہم سے اور بالخصوص ان لوگوں سے جو مادی علوم میں ترقی یافتہ اقوام سے نفسیاتی طور پر مرعوب ہو کر شکست خوردگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، نہایت اہم اور فکر انگیز بات کہی۔ وہ فرماتے ہیں:

”مسلمان کو چاہیے کہ قرآن پر فخر کرے اور اس سے قوت حاصل کرے کیونکہ قرآن کریم پانی کے مانند ہے جس میں ہر اس شخص کے لیے زندگی کی بشارت ہے جو اسے سیر ہو کر پیتا ہے۔“¹

اسی طرح وہ فرماتے ہیں:

”قرآن کریم ہر اعتبار سے مختلف جدید علوم مثلاً: طب، فلکیات، جغرافیہ، جیالوجی (ارضیات) قانون، عمرانیات اور تاریخ وغیرہ پر سبقت لے گیا ہے۔ پس ہمارے دور میں جدید علوم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ قرآن عظیم کس کس چیز کا پہلے ہی تذکرہ فرما چکا ہے۔“²

✽ ڈاکٹر گرینیا: جن لوگوں نے قرآن عظیم سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ان میں سے ایک ڈاکٹر گرینیا بھی ہیں۔ جب ان سے اسلام قبول کرنے کا سبب پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

”بلاشبہ میں نے قرآن کی وہ تمام آیات تلاش کیں جن کا تعلق طبی اور سائنسی علوم سے تھا اور انھیں میں نے چھوٹی عمر ہی میں پڑھ لیا تھا اور میں انھیں بخوبی جانتا تھا۔ پس میں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ آیات جدید علوم و معارف سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہیں، چنانچہ میں نے اسلام قبول کر لیا کیونکہ مجھے پورا یقین ہو گیا تھا کہ حضرت محمد ﷺ ایک ہزار سال پہلے، جب کہ اس دور میں وہاں بنی نوع انسان میں سے کوئی معلم اور مدرس ہی موجود نہیں تھا، واضح حق لے کر آئے۔ اگر جدید علوم و فنون

1 بالقرآن أسلم هؤلاء، ص: 131-136

2 محمد ﷺ فی التوراة والإنجیل والقرآن، ص: 47-48

کے ماہرین میری طرح دنیاوی اغراض سے خالی ہو کر غیر جانبداری سے اپنے علم و فن کے متعلق قرآنی آیات کا اپنے ان علوم و فنون سے موازنہ کریں جو انھوں نے بڑی تنگ و دو اور اعلیٰ معیار کے مطابق حاصل کیے ہیں تو بشرط دانش مندی وہ یقیناً اسلام قبول کر لیں گے۔“^۱

❖ فرانسیسی مستشرق ایٹن دانیاء: بلاشبہ قرآن کریم بعض ایسے عجیبوں پر بھی اثر انداز ہوا ہے جو عربی سے واقف نہیں تھے حتیٰ کہ قرآن کی صداقت نے انھیں مجبور کر دیا کہ وہ اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیں اور قرآن نے ان کے قلوب پر جو اثر کیا ہے اس کا تذکرہ کریں۔ ان عجیبوں میں سے ایک فرانسیسی مستشرق ایٹن دانیاء ہیں۔ انھوں نے قبول اسلام کا اعلان کیا اور فرمایا:

”ہر مومن ہر زمان و مکاں میں نہایت آسانی سے صرف کتاب اللہ کی تلاوت ہی سے اس معجزے کو دیکھ سکتا ہے، اسی معجزے کی بدولت اسلام ساری دنیا میں پھیل گیا مگر اسلام کی زبردست قبولیت اور پھیلاؤ کے حقیقی سبب کا ادراک یورپی لوگ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ قرآن کریم سے بالکل بے خبر ہیں، یا پھر وہ قرآن کریم کو ایسے ترجموں کے ذریعے سے جانتے ہیں جن میں عملی زندگی کی کوئی رمت نہیں، مزید براں وہ تراجم قرآن کریم کے لطیف اور دقیق نکات سے یکسر خالی ہیں۔“^۲

ایک اور مقام پر وہ فرماتے ہیں:

”اگر قرآنی اسلوب اور اس کے معانی کا سحرانِ علماء کے دلوں کو اس قدر متاثر کرتا ہے جو عربوں سے کوئی رشتہ داری رکھتے ہیں نہ مسلمانوں سے ان کا کوئی تعلق ہے تو

❶ بالقرآن أسلم هؤلاء، ص: 76

❷ قالوا عن الإسلام، ص: 63-64، الإسلام في العقل العالمي، ص: 197-198

ان حجازی عربوں پر قرآنی اثرات اور ان کے جوش و جذبے کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جن کی حسین و بلیغ زبان میں قرآن کریم نازل ہوا..... بلاشبہ قرآن کریم سنتے وقت یکایک زبردست تاثرات ان کے دل و دماغ پر چھا جاتے، وہ دم بخود ہو جاتے اور یوں محسوس ہوتا جیسے وہ قرآن سنتے سنتے پوری رات بسر کر دیں گے.....“⁶⁴

✽ پادری جان ہائٹ اہونیو: سامعین کے قلوب و اذہان پر قرآن کریم کے زبردست اثرات کی ایک مثال ”قسیس“ مرتبے کے عیسائی پادری جان ہائٹ اہونیو کی ہے۔ وہ اپنے قبول اسلام کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”میرے قبول اسلام کے مرحلے کی تکمیل کا سبب ایک علمی لیکچر میں میری موجودگی ہے۔ یہ لیکچر درحقیقت ایک مسلمان اور ایک عیسائی کے درمیان مناظرے کی روداد پر مشتمل تھا۔ میں اس لیکچر کے دوران میں سورہ مریم اور ایک دوسری سورت سنتے ہی اس بات پر مطمئن ہو گیا کہ بلاشبہ اسلام ہی اصل دین حق ہے۔“⁶⁵

✽ ڈاکٹر احمد نسیم سوسہ: ڈاکٹر صاحب جو اسلام قبول کرنے سے پہلے یہودی تھے، فرماتے ہیں:

”اسلام کی طرف میرا میلان اس وقت ہوا جب میں نے سب سے پہلے قرآن کریم کا مطالعہ شروع کیا تھا۔ میں اسی وقت سے قرآن کا دلدادہ ہو گیا تھا..... اور میں قرآنی آیات کی تلاوت سن کر جھوم اٹھتا تھا.....“⁶⁶

موصوف قرآن کریم کی تاثیر کے بارے میں سلسلہ گفتگو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں:

”میں یہ گمان نہیں کرتا کہ کوئی چیز ایسی ہو جو دین اسلام اور اس کی روحانیت کی

✽ قالوا عن الإسلام، ص: 64

✽ بالقرآن أسلم هؤلاء، ص: 89

✽ قالوا عن الإسلام، ص: 70

حقیقت کا ادراک رکھنے والے آدمی پر اس قدر اثر انداز ہو جس قدر قرآن مجید کی آیات اس کے حواس پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جب وہ قرآن سنتا ہے تو روحانی تعلق اور اتصال کا پر جوش جذبہ اسے گھیر لیتا ہے، اللہ جل جلالہ کی ہیبت اور جلال اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اور وہ کامل خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے رب کے کلام عظیم کے سامنے اپنی عاجزی، انکسار اور ضعف کا اقرار کرتا ہے..... سرودست ہم مغرب کے گرجوں کے حالات کے بارے میں غور و فکر کریں گے..... تا کہ ہمارے لیے اسلامی روحانیت اور انسانی احساسات میں قرآن کے نفوذ، حق و باطل کے درمیان تفریق کرنے والے قرآن مجید اور دوسرے عقائد اور ان کی کتابوں کے مابین موازنہ آسان ہو جائے۔

✽ برطانوی گلوکار کیٹ سٹیونز: قرآن کریم نے بعض ایسے مغربی لوگوں پر بھی اپنی زبردست تاثیر کے نقوش چھوڑے ہیں جنہوں نے شہرت بھی پائی اور مال بھی خوب کمایا۔ انہوں نے اس فنا پذیر دنیاوی زندگی کے سارے ساز و سامان اکٹھے کر لیے تھے اور سمجھنے لگے تھے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوش نصیب ہیں، پھر جب انہوں نے قرآن کریم سنا تو وہ سناٹے میں آ گئے۔ انہیں معلوم ہوا کہ انہوں نے تو خوش نصیبی کی راہ پہچانی ہے نہ ایسا ذائقہ چکھا ہے جو اس خوش بختی کے قریب پھٹک سکے جس کا احساس انہیں قرآن عظیم کو سنتے وقت ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور دین اسلام کے مبلغین میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص عالمی شہرت یافتہ سابقہ برطانوی گلوکار کیٹ سٹیونز ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”قبول اسلام سے پہلے اپنی زندگی کے اس عرصے میں میری رائے یہ تھی کہ گویا میں نے

ہر کارنامہ سرانجام دے دیا ہے اور میری شہرت اور کامیابی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور میں نے دولت اور عورت سمیت ہر چیز حاصل کر لی لیکن سچ پوچھو تو میں ایک بندر کی طرح تھا۔ میں ایک درخت سے دوسرے درخت پر کودتا پھرتا تھا، میں نے کبھی قناعت نہیں کی لیکن قرآن کریم کی قراءت میری فطرت میں موجود ہر اس چیز کے لیے تصدیق و توثیق ثابت ہوئی جسے میں حق سمجھتا تھا اور قرآن کریم سن کر یوں محسوس ہوا گویا وہ میری حقیقی شخصیت کی تشکیل اور اس کی حقیقی رہنمائی کرنے والی کتاب ہے۔“⁹³

✽ فنسائے مونتائے: اسلامی عربی فکر پر قرآن عظیم کی تاثیر کے جو گہرے نقوش ثبت ہیں، اس سلسلے میں فرانسیسی مفکر فنسائے مونتائے کہتے ہیں:

”قرآن عظیم کی تاثیر سے دوری اختیار کرنے والے اسلامی عربی فکر کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس کے بدن سے خون نکال لیا گیا ہو۔“⁹⁴

✽ برطانوی خاتون ہوئی: برطانوی خاتون ہوئی فلسفے کی دیوانی تھی۔ فلسفہ اس کے دل اور دماغ میں رچ بس گیا تھا۔ اسی مضمون میں اس نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ وہ قرآن عظیم کی اثر انگیزی کے بارے میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہے:

”چاہے میں کتنی ہی کوشش کر لوں حقیقت یہ ہے کہ میں قرآن عظیم کی اس تاثیر کو بیان کرنے کی استطاعت نہیں رکھتی جو قرآن عظیم نے میرے دل میں سودی ہے۔ میں ابھی قرآن عظیم کی تیسری سورت بھی ختم نہیں کر پائی تھی کہ میں نے اپنے آپ کو خالق کائنات کے سامنے سجدہ ریز دیکھا۔ قبول اسلام کے بعد یہ میری پہلی نماز تھی۔“⁹⁵

✽ قالوا عن الإسلام، ص: 68، بالقرآن أسلم هؤلاء، ص: 91-93

✽ رجال و نساء أسلموا: 51-50/5

✽ أيضاً: 60-59/1

✽ عامر علی داود: سابق بھارتی عیسائی عامر علی داود جو بعد میں مسلمان ہو گئے، وہ قرآن عظیم کے سلسلے میں پیش آنے والا اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”میں نے انگریزی زبان میں قرآن کریم کے ترجمے کا ایک نسخہ لیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ مسلمانوں کے ہاں یہی ایک مقدس کتاب ہے، پھر جب میں نے قرآن کو پڑھنا شروع کیا اور اس کے معانی و مفاہیم پر غور و فکر کرنے لگا تو میری سہاری دلچسپیاں اور توجہات صرف قرآن کریم سمجھنے پر مرکوز ہو گئیں۔ کیا بتاؤں! مجھے اس وقت کس قدر مسرت بخش حیرت کا سامنا کرنا پڑا جب مجھے یکایک قرآن کریم کے ابتدائی صفحات ہی میں تخلیق کائنات کے مقصد کے سلسلے میں اپنے خلجان انگیز سوال کا نہایت تسلی بخش اور صحیح جواب مل گیا۔ میں نے سورہ بقرہ کی 30 سے 39 تک کی آیات پڑھیں..... اور یہ وہ آیات ہیں جو ہر جوئے حقیقت، انصاف پسند قاری اور محقق پر اصل حقیقت واضح کر دیتی ہیں..... بلاشبہ یہ آیات نہایت وضاحت و شرح اور تسلی بخش انداز سے تخلیق و ہبوطِ آدم کا قصہ بیان کرتی ہیں۔“

✽ براؤن اور گہرے سمندر کا راز: براؤن نے قرآن کریم کا مطالعہ شروع کیا حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تک پہنچ گیا:

﴿أَوْ ظَلَمْتَ فِيْ بَحْرِ لُّؤِيٍّ يَّغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ط ظَلَمْتَ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْدِ يْ رِيْهَاءُ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾

”یا (کافروں کے اعمال) گہرے سمندر میں اندھیروں کی طرح ہیں، جسے ایک موج ڈھانپتی ہو، اس کے اوپر ایک اور موج ہو، اس کے اوپر بادل ہو، (غرض) اوپر تلے

اندھیرے (ہی اندھیرے چھائے ہوئے) ہوں۔ اگر وہ اپنا ہاتھ نکالے تو لگتا ہے کہ وہ اسے بھی نہ دیکھ سکے، اور جس کے لیے اللہ نے نور نہیں بنایا تو اس کے لیے (کہیں بھی) کوئی نور نہیں۔“

اس آیت کریمہ میں گہرے سمندر کی طرف اشارہ ہے جسے حال ہی میں سمندری ماہرین نے اس وقت دریافت کیا جب وہ سمندر کی ان نہایت عمیق گہرائیوں تک غوطہ زن ہونے کے قابل ہو گئے جہاں سمندری اندھیرے درجہ کمال کو پہنچتے ہیں اور جہاں اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے اور زبردست ٹھنڈک ہے۔

اس آیت پر پہنچ کر براؤن نے ایک ہندوستانی مسلمان عالم سے پوچھا: ”کیا تمہارے نبی حضرت محمد ﷺ نے کبھی سمندر کا سفر کیا تھا؟ اس عالم نے جواب دیا: ”نہیں!“ براؤن نے دوبارہ پوچھا: ”تو پھر انھیں سمندری علوم کس نے سکھائے؟“ اس مسلمان عالم نے جواب میں اس سے پوچھا: ”آپ اس سوال کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی، آپ کا اصل مقصد کیا ہے؟“ براؤن نے کہا:

”میں نے اسلام کی کتاب (قرآن) کی ایک آیت پڑھی ہے۔ سمندر کی گہرائی کے متعلق اس میں جو کچھ بیان کیا گیا اسے صرف وہی شخص جان سکتا ہے جسے سمندر کا وسیع علم دیا گیا ہو، پھر براؤن نے اس عالم کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور کہا: جب محمد ﷺ نے کبھی سمندر کا سفر کیا نہ سمندری علوم کے ماہرین اور اساتذہ سے کوئی معلومات حاصل کیں اور نہ انھوں نے کسی یونیورسٹی یا تحقیقی ادارے میں کوئی تحقیق کی بلکہ وہ ناخواندہ تھے تو پھر انھیں یہ نفع بخش علم کس نے سکھایا؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ یہ خالق کائنات کی طرف سے بالکل سچی وحی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں:

”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“^①

✽ ایک جرمن سائنسدان اور ہاتھوں کی انگلیوں کے نشانات: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ لَّجَمْعِ عِظَامِهِ ۖ بَلَىٰ قَدِيرِينَ عَلَىٰ أَنْ تُسَوَّىٰ بَنَانُهُ﴾

”کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کر پائیں گے؟ کیوں نہیں! بلکہ ہم تو

اس کی پور پور ٹھیک کرنے پر قادر ہیں۔“^②

یہ آیت کریمہ پوروں کے نشانات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ آیت ایک جرمن سائنسدان کے قبول اسلام کا سبب بن گئی۔ تفسیر جواہر القرآن کے مصنف، محمود سامی کے ایک سفر نامے سے نقل کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ رحمت الہی نے اس جرمن سائنسدان کو ایسا گھیرا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے سائنسدانوں کی ایک محفل میں اپنے اسلام کا برملا اعلان کیا۔ جب ان سے اسلام قبول کرنے کا سبب پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

”میرے اسلام کا سبب یہ آیت کریمہ ہے:

﴿بَلَىٰ قَدِيرِينَ عَلَىٰ أَنْ تُسَوَّىٰ بَنَانُهُ ۝﴾

”کیوں نہیں! بلکہ ہم تو اس کی پور پور ٹھیک کرنے پر قادر ہیں۔“^③

”پوروں کے نشانات کے فکر انگیز معاملے کا انکشاف یورپ پر آج کے جدید دور میں

ہوا ہے جبکہ عربوں کو اس کی مطلق کوئی خبر ہی نہیں تھی، لہذا قرآن کریم فی الحقیقت

کلام الہی ہے یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔“^④

① بالاسلام أسلم هؤلاء، ص: 130، تفسیر الجواہر، طنطاوی جوہری 309:24

② القيامة 3:70 4-3:75

④ مع کتاب اللہ، أحمد عبدالرحیم السایح، مجلة الجامعة الإسلامية، عدد: 40 ربيع الأول،

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ کسی شخص کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ قرآن کریم کی عظمت اور اس کی دلوں میں اتر جانے والی تاثیر کے تمام گوشوں کا ادراک کر سکے۔ یہ تو اسلام میں بعض نو وارد افراد کے دلوں میں سلگنے والے جذبات اور احساسات ہیں جو انہوں نے اپنے اپنے اسلوب میں ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے عجائب و اسرار بے شمار ہیں اور اس کی عظمت و تاثیر کا صحیح اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں۔



باب 4

قرآن کریم کی عظمت و رفعت کا تذکرہ



اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام

قرآن کریم کی فضیلت اور شرف و منزلت کے لیے یہ حقیقت تسلیم کرنا ہی کافی ہے کہ یہ یقیناً علیم و حکیم اللہ تبارک و تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کا ظہور و صدور اسی کی ذات عالی سے ہوا اور اسی کے طرف یہ لوٹے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ﴾

”اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔“^۱

یہ آیت کریمہ اس حقیقت کی خبر دیتی ہے کہ یہ قرآن کریم، جس کی تلاوت کی جاتی ہے، جسے سنا جاتا ہے اور جسے مصحف کی جلد کے مابین لکھا جاتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے نہ کہ یہ محض کلام الہی کی نقل اور حکایت ہے۔

اسی طرح یہ آیت کریمہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ یہ قرآن کریم بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمایا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے انسان سے مخاطب ہے۔

جبریل علیہ السلام نے اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا اور رسول اللہ ﷺ کو من وعن ٹھیک اسی طرح پہنچا دیا جس طرح انھوں نے اسے رب ذوالجلال سے حاصل کیا تھا۔^①

قرآن کریم کی یہ فضیلت ہے کہ وہ بلاشبہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔ یہ اس ذات عالی کا کلام ہے جس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور اسی ذات کا یہ وصف ہے جس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کے مثل ہے! اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں وہ قوت پیدا نہ کرتا جس نے انھیں قرآن کریم اٹھانے کا حوصلہ عطا کیا، تو بصورت دیگر وہ نہ صرف اسے اٹھانے سے عاجز آ جاتے بلکہ بے جان اور منہدم ہو کر رہ جاتے۔ بھلا وہ کیوں کر اس کی قدرت رکھ سکتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے:

﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۖ﴾

”(اے نبی!) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا (اور) پھٹ کر پاش پاش ہو جاتا۔“^②

”بھلا پہاڑوں کی قوت سے دلوں کی طاقت کا کیا مقابلہ؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسے اٹھانے کی قوت عطا کی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل اور رحمت سے سرفراز فرماتا ہے۔“^③

① شرح العقيدة الواسطية، محمد خليل هراس، ص: 153-154

② الحشر 21:59

③ التذكار في أفضل الأذكار، ص: 45

عرب کے لیے بالخصوص اور پوری امت کے لیے بالعموم نعمتِ عظمیٰ

بلاشبہ دور جاہلیت میں عرب جہالت کی زندگی بسر کرتے تھے، ان کے عقائد، عبادات، احکام، طرز عمل اور اجتماعی نظم و نسق کے معاملات میں طرح طرح کے فسادات پھیلے ہوئے تھے۔ قرآن کریم نے پسماندگی، درماندگی، جہالت اور دیگر برائیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گری ہوئی اس قوم کو بزرگی، کمال اور جملہ خوبیوں کی معراج پر پہنچا دیا، پھر یہ قوم سب سے زیادہ برگزیدہ اور بہترین امت قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو دینِ قیم کے ابلاغ کے لیے چن لیا اور اس قوم نے تمام امتوں کی قیادت کی۔

پس قرآن کریم خصوصی طور پر عربوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے، بلاشبہ قرآن کریم نے جب ان کی زبان کی حفاظت کی تو درحقیقت اس نے عربوں کے وجود اور ان کی ہستی کی حفاظت کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی بدولت عربوں پر فضل نہ فرماتا تو وہ بھی اسی طرح ختم اور ناپید ہو جاتے جس طرح اکثر قومیں نابود ہو گئی ہیں۔

قرآن عظیم نے عربی سلطنت کو اس قدر وسعت دی کہ وہ دنیا کے متعدد براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ (سپین) وغیرہ تک پھیل گئی اور عربی زبان ایک تہذیب کی زبان کی صورت اختیار کر گئی۔ ہر مسلمان یہ سمجھنے لگا کہ گویا عربی اس کی مادری زبان ہے کیونکہ قرآن کریم اسی زبان میں نازل ہوا ہے۔

پس قرآن کریم عجمی قوموں کو عربی بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ اور بے شمار غیر عربی لوگوں کے درمیان مسلمانوں کے افکار اور ان کی ثقافت پھیلانے کا بے خطا وسیلہ ہے۔ آج بھی دور حاضر کے مسلمانوں بالخصوص عربوں کو پکارا جا رہا ہے کہ وہ قرآن عظیم کے ذریعے سے دنیا کو اس سفاکی اور ظلم و ستم سے نجات دلائیں جو باہم متصادم، مادہ پرست اور حریص قوموں نے ساری دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنے اور قیمتی قدرتی وسائل لوٹنے کے لیے برپا کر رکھا ہے۔ یہ اپیل اس لیے کی جا رہی ہے کہ ماضی میں بھی مسلمانوں ہی نے قرآن کریم کی بدولت دنیا کو طبقاتی سلطنتوں کے غلبے سے نجات دلائی تھی۔^①

قرآن کریم کی تین آیات بڑی صراحت سے یہ حقیقت اجاگر کرتی ہیں کہ بلاشبہ قرآن کریم عربوں کے لیے بالخصوص اور امت محمدیہ کے لیے بالعموم بڑے شرف اور فخر کا باعث ہے، وہ آیات درج ذیل ہیں:

① اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأِنَّهُ لَنَازِلٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ۝﴾

”اور یقیناً یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے ایک نصیحت ہے، اور جلد تم لوگوں سے پوچھ گچھ ہوگی۔“^②

① من أسرار عظمة القرآن، الدكتور سليمان بن محمد صغير، ص: 11-13

② الزخرف 43: 44

بقول مفسرین اس آیت کریمہ میں دو مفاہیم کا احتمال ہے:

❖ بلاشبہ قرآن کریم نبی اکرم ﷺ اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے اور عنقریب قیامت کے روز ان سے اس کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔

❖ بلاشبہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے تذکرے کو بلند کرے گا اور یہ بات برحق ثابت ہو چکی ہے۔

جہاں تک نبی اکرم ﷺ کے تذکرے کا تعلق ہے تو کروڑوں مسلمانوں کی زبانیں آپ پر شام و سحر درود و سلام پڑھتی رہتی ہیں اور یہ مبارک عمل چودہ سو سال سے زیادہ مدت سے شب و روز ہر وقت محبت اور مشاق شخص کے ذکر محبوب کے مانند غیر منقطع طور پر جاری ہے اور اس وقت تک قائم رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ اس زمین اور اس میں بسنے والی مخلوقات کا وارث نہیں بن جاتا، یعنی قیامت قائم ہونے تک۔

جہاں تک آپ کی قوم کے تذکرے کو بلند کرنے کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ نزول قرآن سے پہلے یہ قوم اس قدر پسماندہ تھی کہ اہل دنیا اس کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے بلکہ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اس کو گری پڑی چیز شمار کرتے تھے۔ یہ قرآن کریم ہی کا معجزہ ہے کہ اس نے انسانی تاریخ میں عربوں کے دور کو سب سے عظیم دور بنا دیا۔^❶

② اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝﴾

”بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے، اس میں تمہارا ہی ذکر ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔“^❷

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فِيْهِ ذِكْرُكُمْ﴾ میں ”ذکر“ سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم میں تمہارا شرف، فخر اور بلندی ہے۔ اگر تم اس میں موجود احکام کی تعمیل کرو اور اس کے نواہی سے اجتناب کرو تو تمہارا مقام و مرتبہ بہت عظیم ہو جائے گا۔^①

عرب قرآن کریم کے علاوہ کسی ایسے ذخیرہ عمل کے مالک نہیں تھے جسے وہ انسانیت کے سامنے پیش کرتے اور نہ ان کے پاس اس منہج کے سوا کوئی اور منہج تھا جسے وہ دنیا کو دکھا سکتے، لہذا انسانیت انھیں صرف ان کی کتاب، ان کے عقیدے اور اس کتاب اور اس عقیدے سے حاصل شدہ عمل و کردار کے ذریعے سے جانتی ہے، یعنی وہ اسے ان کے صرف عرب ہونے کی حیثیت سے نہیں جانتی بلکہ ان کی اصل شناخت ان کا حسن کردار ہے اور یہ حسن کردار قرآن پر عمل کی وجہ سے نمایاں ہوا تھا۔ یہ وہ نادر وصف ہے جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔^②

③ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿صَّ وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ﴾

”ص، قسم ہے ذکر والے قرآن کی۔“^①

سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن کریم انتہائی عظیم قدر و منزلت اور شرف و مجد والا ہے۔ وہ انسان کو ہر اس علم کی نصیحت کرتا ہے جس کے وہ ضرورت مند ہیں۔ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے اسماء و افعال کے علم کی تاکید و نصیحت کرتا ہے، احکام شریعت سے متعلق علم، جزا و سزا اور یوم آخرت کے احکام کی یاد دہانی کراتا ہے اور انھیں ان کے دین کے اصول اور فروع کا علم یاد دلاتا ہے۔“^②

① تفسیر السعدی: 269/3

② فی ظلال القرآن: 2370/4

③ ص 1:38 ④ تفسیر السعدی: 279/4

راہ راست کی رہنمائی کرنے والا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾

”بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔“^❶

”اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ واضح فرمایا ہے کہ بلاشبہ قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں سے زیادہ عظیم، سب سے زیادہ جامع اور اللہ رب العالمین کی طرف سے سب سے آخر میں نازل ہونے والا بے مثل کلام ہے ﴿يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ یعنی قرآن کریم اس راہ کی طرف رہبری کرتا ہے جو سب سے زیادہ راست، سب سے زیادہ انصاف والی اور سب سے زیادہ صحیح ہے.....

اس آیت عظیمہ میں اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ اجمال کے ساتھ بیان فرما دیا ہے جو بہترین، نہایت عدل پر مبنی اور سب سے صحیح راستے یعنی صراطِ مستقیم کی طرف رہبری کے بارے میں قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔ اگر ہم اس آیت کریمہ کی تفسیر و تفصیل سے پوری آگہی

❶ بنی اسرائیل: 9/17

حاصل کرنا چاہیں تو اس کے لیے پورے قرآن کریم کا مطالعہ ضروری ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں درحقیقت وہ سب کچھ آگیا ہے جو فلاح دارین کے لیے قرآن کریم میں موجود ہے۔ یوں یہ آیت اپنی جگہ تمام احکام پر مشتمل اور ان کی جامع ہے۔

عقائد، اخلاقیات، اعمال، سیاسیات، صنعت و حرفت اور دیگر پیشوں غرضیکہ دین و دنیا کے ہر معاملے میں قرآن کریم سیدھی اور سچی راہ دکھاتا ہے اور امور خیر کی ترغیب دیتا ہے۔^①



ایک بابرکت کتاب

اللہ تعالیٰ نے چار مقامات پر اپنی کتاب عظیم کو (مبارک) یعنی ”بابرکت“ سے متصف قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾

”اور یہ کتاب (قرآن مجید)، ہم نے اسے نازل کیا ہے۔ یہ برکت والی، تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے آئی تھی۔“^۱
فرمان الہی ہے:

﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

”اور یہ (قرآن) ایک عظیم کتاب ہے۔ ہم نے اسے نازل کیا ہے۔ (یہ) برکت والی ہے، پس تم اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“^۲
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهَذَا ذِكْرٌ مُبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ ۖ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾

”اور یہ (قرآن) بابرکت ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ کیا پھر تم اس کے منکر ہو؟“^۳

اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

۱ الانعام 6: 92 ۲ الانعام 6: 155 ۳ الانبیاء 21: 50

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝﴾

” (یہ قرآن) ایک کتاب ہے۔ ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا۔ (یہ) بڑی برکت والی ہے، تاکہ وہ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل مند اس سے نصیحت حاصل کریں۔“^۱

”خیر کے ثبوت و دوام اور بہتات کو برکت کہا جاتا ہے اور یہ قرآن عظیم کی خاص شان ہے۔“^۲

پس قرآن کریم اپنی اصل کے اعتبار سے بابرکت ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ آسمانوں سے لے کر اترنے والے حضرت جبریل علیہ السلام کے حوالے سے بھی بابرکت ہے۔ اپنے محل نزول، یعنی رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کے اعتبار سے بھی بابرکت ہے۔ بلحاظ حجم اور بلحاظ مشمولات بھی بابرکت ہے کیونکہ یہ انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کی ضخامت و طوالت کے مقابلے میں بہت محدود صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس کی ایک ایک آیت میں اتنے علوم اور فوائد ہیں جن کا احاطہ و شمار انسانوں کی دس ضخیم کتابیں بھی نہیں کر سکتیں۔ اس کتاب کی تلاوت بابرکت ہے۔ یہ کتاب اپنے علوم و معارف میں بابرکت ہے، اپنے معانی و مفاہیم میں بابرکت ہے، اپنے اثرات و مظاہر میں بابرکت ہے اور اپنے مبنی برحق اہداف و مقاصد میں بابرکت ہے۔^۳

بلاشبہ قرآن کریم کا وصف ”مبارک“ ہونا موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات کے وصف فرقان اور ”ضیاء“ ہونے سے زیادہ کامل ہے۔^۴

جب ہم قرآن کریم اور تورات کے حجم کا موازنہ کرتے ہیں تو قرآن کریم کا حجم تورات سے چھوٹا پاتے ہیں۔ اس کے برعکس جب ہم قرآن کریم کی برکات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم

۱ ص 29:38

۲ التبرک أنواعه و أحكامه، الدكتور ناصر بن عبدالرحمن الحدید، ص: 45-46

۳ فی ظلال القرآن: 2/1147، لطائف قرآنیہ، الدكتور صلاح عبدالفتاح الخالدي، ص: 15-16

۴ التحرير و التنوير: 17/66-67

انھیں لامحدود پاتے ہیں۔ قرآن کریم کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ عجائب و غرائب کے نئے نئے دروازے کھولتا ہے اور ہر لحظہ نئی آن اور نئی شان دکھاتا ہے۔ جب بھی پڑھیے یہ نیا تحفہ دیتا ہے اور نئی کارگزاریوں کے چراغ روشن کر دیتا ہے۔ قرآن کریم کے عجائب و نوادر کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے برکات و حسنات لامتناہی ہیں۔ لوگ اس کی قراءت کرتے ہیں تو ان کا ایک گروہ اس کا ایک مفہوم سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ جداگانہ مفہوم سمجھتا ہے۔ یہ بات اس حقیقت عظمیٰ کی دلیل ہے کہ اسے کہنے والا بڑی زبردست حکمت والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہے جس نے ایک چھوٹی سی کتاب میں بے شمار فوائد رکھ دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿کِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ﴾ ”(یہ قرآن) ایک کتاب ہے ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا۔“^① کا یہی مفہوم ہے کہ اس کتاب مبارک سے پہلے کی تمام کتابوں کے اودار محدود تھے اور انھیں اپنے اپنے وقت کی مخصوص امتوں کے لیے نازل کیا گیا تھا۔ اب جہاں تک قرآن کریم کا معاملہ ہے تو وہ اپنے نزول سے لے کر قیامت تک عہد بہ عہد تمام جدید مسائل و معاملات کا مؤثر حل پیش کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔

آج انسان کی بلند خیالی، تہذیب و تمدن اور عقل و دانش اپنے ارتقا کے باوجود قرآن کریم کے بلند معارف کے مقابلے میں پیچھے ہے۔ زمانے اور زندگی کے ہر موڑ پر جب بھی انسان کو کسی معاملے میں رہنمائی کی ضرورت پیش آئی ہے، جدید عقل و دانش کے برعکس قرآن کریم نے سبقت کر کے انسان کی بھرپور رہنمائی کی ہے۔ قرآن کریم کے اس وصف خاص کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے متن و مفاہیم کے اعتبار سے بجائے خود نہایت متبرک ہے۔^②

قرآن کریم ہر چیز کا بیان ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۖ﴾

”اور ہم نے آپ پر ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی یہ کتاب نازل کی ہے۔“^①

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«وَقَدْ بَيَّنَّ لَنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ كُلَّ عِلْمٍ، وَكُلَّ شَيْءٍ»

”بے شک قرآن کریم میں ہمارے لیے ہر علم اور ہر چیز کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔“^②

پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مصداق قرآن کریم نے دنیا کے کثیر علوم کا صراحۃً، ضمناً، اشارۃً یا تلخیصاً احاطہ کر رکھا ہے۔ انسان، حیوان، نباتات، اشجار، اثمار، زمین، سمندر، فضاء، افلاک، زمینی اور کائناتی مظاہر وغیرہ کے متعلق علوم میں مسلسل علمی تحقیقات ہوتی چلی آ رہی ہیں اور یہ علمی تحقیقات تسلسل سے ایسے جدید اور اہم انکشافات کر رہی ہیں جنہیں

① النحل 89:16

② تفسیر ابن کثیر: 594/4

قرآن کریم نے صدیوں پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔ اس حقیقت عظمیٰ نے اکثر غیر مسلم محققین اور ماہرین کو حلقہٴ بغوش اسلام کر دیا۔ پس انسان اصلاح احوال اور اصلاح انجام آخرت کے لیے جس چیز کا بھی محتاج ہے وہ قرآن کریم میں بہ تمام و کمال موجود ہے۔



انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: یہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے، لہذا (لوگوں کو) چاہیے کہ وہ خوش ہوں۔ یہ ان چیزوں سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“ ﴿۱﴾

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿بِفَضْلِ اللَّهِ﴾ سے مراد یہ قرآن کریم ہے اور ﴿وَبِرَحْمَتِهِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرآن کریم کا اہل قرار دیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت جلیلہ پر خوشی منانے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ کتاب مقدس ہدایت اور دین حق لے کر آئی ہے اور ہمیں دین حق مرحمت فرمانا ہم پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل و کرم اور احسان عظیم ہے، لہذا اس کے برعکس دولت قرآن کے آگے سونے چاندی کی چمک دمک اور دنیاوی مال و متاع کی کیا حقیقت ہے؟ یقیناً مال و دولت جمع کرنے کے مقابلے

میں قرآن کی متاع عظیم اور بہت بہتر ہے۔

بلاشبہ صحابہ کرام نے یہ آیت کریمہ بخوبی سمجھ لی تھی، لہذا یہ دنیا اور اس کا فانی مال و متاع انھیں دھوکا نہیں دے سکا۔ جب عراق کا خراج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو پیش کیا گیا اور امیر المؤمنین اپنے آزاد کردہ غلام کے ساتھ باہر نکلے اور اونٹ گننے لگے تو وہ سابقہ خراج سے زیادہ نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: [اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی] ”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔“ آپ کا غلام کہنے لگا: ”اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔“ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تو جھوٹ بولتا ہے۔“ یہ وہ چیز نہیں ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِۦ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝﴾

”(اے نبی) کہہ دیجیے! یہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے، لہذا لوگوں کو چاہیے کہ وہ خوش ہوں۔ یہ ان چیزوں سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“^①

”بلکہ یہ تو ان چیزوں میں سے ہے جنہیں لوگ جمع کرتے ہیں۔“^②

پس دنیاوی رزق اور مادی قدریں دنیاوی زندگی میں لوگوں کا درجہ متعین نہیں کرتیں چہ جائیکہ وہ اُخروی زندگی میں ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کریں۔ ہو سکتا ہے کہ دنیاوی رزق اور چمک دمک والے مال و متاع انسانی بدبختی کے اسباب بن جائیں آخرت میں نہیں بلکہ اسی دنیاوی زندگی میں شقاوت و بدبختی کی آگ بھڑکا دیں، جس کے مختلف المناک مظاہر و مناظر ہم آج کی پریشان کن مادی تہذیب میں جا بجا دیکھ رہے ہیں۔

① یونس 58:10

② تفسیر ابن کثیر: 289/4

اے سونے اور چاندی کی چکا چوند کے متوالو اور مغرب کی مادی بھڑکیلی تہذیب پر رکتھنے والو! کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ تمہیں نگاہ حقیقت بین میسر آ جائے اور تم اس سچائی کا سراغ پا جاؤ کہ رب ذوالجلال نے ہمیں قرآن کریم کی جو عظیم دولت عطا کی ہے اور جس فضل و رحمت کا ہم پر فیضان کیا ہے، ہماری ساری راحت و مسرت اس پر موقوف ہے اور ہمیں اسی متاع بے بہا پر خوشی محسوس کرنی چاہیے۔^❶



مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ مقدس کتاب:

﴿وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝﴾

”مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔“^❶

”اللہ تعالیٰ نے ہدایت، رحمت اور بشارت کی زبردست اہمیت کی وجہ سے ان کا خصوصی

طور پر ذکر کیا ہے۔“

❶ الْهُدَى: وہ ہدایت جس کے واضح بیان اور وضاحت سے عقائد اور فہم کی اصلاح کی

جائے اور گمراہی سے بچ کر قدم راہ نجات کی طرف بڑھنے لگیں۔

❷ الرَّحْمَةُ: وہ رحمت جس کی بدولت دنیا و آخرت دونوں زندگیوں کی خوش بختی حاصل

کی جائے۔

❸ الْبُشْرَى: وہ بشارت جس میں دنیا و آخرت کی بھلائیوں اور مسرتوں کا وعدہ ہوا ہو۔

یہ تمام نعمتیں غیر مسلموں کے لیے نہیں، صرف مسلمانوں کے لیے ہیں کیونکہ جب

کافروں نے قرآن کریم سے منہ موڑ لیا تو انھوں نے اپنے آپ کو ان تمام نعمتوں سے از خود محروم کر لیا۔^①

علامہ شنقیتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا ہے:
”اس آیت کریمہ کے مخالف مفہوم سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غیر مسلم ایسے نہیں ہیں (یعنی وہ ان خصوصیات کے مستحق نہیں ہیں)۔“^②
اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے مخالف مفہوم کی صراحت دوسرے مقامات پر اس طرح کی ہے:

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَاقِبٌ﴾

”کہہ دیجیے: وہ ان کے لیے جو ایمان لائے، ہدایت اور شفا ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ ان کے حق میں اندھا پن ہے۔“^③
اور فرمایا:

﴿وَنُزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾

”اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کو خسارے ہی میں زیادہ کرتا ہے۔“^④

① التحریر و التنویر: 204/13

② أضواء البيان: 315/3

③ حم السجدة: 41:44

④ بنی اسرائیل: 82:17

قرآن کریم نور ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۝﴾

”اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک دلیل آگئی ہے، اور ہم نے تمہاری طرف ایک نور مبین نازل کیا ہے۔“^①

فرمان الہی ہے:

﴿كَتَبْنَا أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝﴾

”(اے نبی!) یہ عظیم الشان کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال لائیں، ان کے رب کے اذن سے، غالب اور لائق تعریف کے راستے کی طرف۔“^②

قرآن کریم کو نور اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ حق کو روشن کرتا ہے اور جہالت، شک، شرک،

② ابراہیم 1:14

النساء 4:174

کفر، برے اخلاق اور طرح طرح کے گناہوں کی ظلمتوں کو علم، ایمان اور اخلاق حسنہ کے نور میں تبدیل کرتا ہے، لہذا جس مقصد کے لیے قرآن عظیم نازل کیا گیا ہے وہ انسانیت کو وہم، خرافات اور جاہلیت کی تقلید کے اندھیروں سے نکال کر توحید اور حق و ثبات کے اجالے میں لاکھڑا کرتا ہے۔ مت پوچھو کہ جب لوگوں کی حکمت ان کی خواہشات بن جائیں اور وہ صراطِ مستقیم سے بھٹک جائیں تو اس کے نتیجے میں کس قدر فساد و ہلاکت اور تباہی ہوگی؟ اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا و آخرت میں لوگوں کی اصلاح و نجات اور انھیں ہدایت یافتہ بنانے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آئی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پروا ہے۔ وہ فرماتا ہے:

﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝﴾

”یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آگئی ہے جس کے ذریعے سے اللہ اس شخص کو سلامتی کی راہ دکھاتا ہے جو اللہ کی رضا کی پیروی کرنا چاہتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔“^۱



قرآن کریم اپنے پیروکاروں کے لیے سرمایہ حیات ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾

”اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو جب وہ تمہیں اس (امر) کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشتا ہے۔“ ﴿۱﴾

پس اللہ اور اس کے رسول کی بات قبول کرنے سے راحت بخش اور پاکیزہ زندگی نصیب ہوتی ہے۔ جس شخص کو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا ماننے کی نعمت میسر نہ ہو اس کی کوئی زندگی نہیں ہے، بلاشبہ ایسے فرد کی زندگی چوپائے کی سی زندگی ہے۔ اس صورت میں اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان اور حقیر ترین جانور کے مابین بہیمانہ زندگی ایک مشترک چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ کے بارے میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یہ زندگی بخشنے والی چیز قرآن کریم ہی ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی باوقار زندگی، اعتماد، بھروسا، نجات اور عصمت ہے۔“

لہذا حقیقی پاکیزہ زندگی اسی شخص کی زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ظاہری اور باطنی طور پر کہنا مان لیتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہر چند مرجائیں، پھر بھی وہ زندہ رہتے ہیں جبکہ ان کے برعکس نافرمان لوگ اگرچہ جسمانی طور پر زندہ ہوں لیکن درحقیقت وہ مردہ ہی ہوتے ہیں:

﴿أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَشْهَدُ بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا﴾

”کیا ایک ایسا شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا، اور ہم نے اس کے لیے نور بنادیا، وہ اس کی روشنی میں لوگوں میں چلتا ہے، وہ اس شخص جیسا (ہو سکتا) ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں پڑا ہے (اور) ان سے نکلنے والا نہیں؟“^۱

پس زندگی کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل اور مثالی شخص وہ ہے جو قرآن کریم کے احکام ماننے میں زیادہ کامل ہے کیونکہ قرآن کریم میں حیات کامل ہے۔ جس شخص سے قرآن کی قبولیت کا ایک جز چھوٹ جائے، بلاشبہ وہ ایک حقیقی کامل زندگی کے ایک حصے سے محروم ہو گیا۔^۲

کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ وہ قرآن کریم کے اعزازات و امتیازات اور فضائل و مکارم کا احاطہ کر سکے۔ اگر کوئی ایسا کرنے کی کوشش بھی کرے تو حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کی استطاعت ہی نہیں رکھتا۔ اگر کسی کو ان کا احاطہ کرنے کی قدرت میسر آ جائے تو زمین کے تمام اوراق بھی کافی نہ ہوں گے کہ انہیں اپنے اندر سمو سکیں۔ اس کے اوصاف و محاسن پوری طرح لکھنے سے پہلے ہی سارے قلم فنا ہو جائیں گے۔ اگر عقل و دانش کے سارے ذخیرے بھی اس کا

۱ الانعام 6: 122

۲ الفوائد، ص: 88

قرآن کریم اپنے پیروکاروں کے لیے سرمایہ حیات ہے

احاطہ کرنے کے لیے جمع ہو جائیں تب بھی وہ انھیں جمع کرنے سے عاجز رہیں گے اور محض اسی پر اکتفا کر لیں گے جس کی بدولت محض ان کی ذمہ داری ادا ہو جائے جیسے دودھ پینے والا بچہ چند گھنٹوں ہی سے سیر ہو جاتا ہے اور انھی پر اکتفا کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَ عَلَيْهِ التُّكْلَانِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ^❶



❶ عَصَائِفُ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ، ص: 124-125

باب ۵

قرآن کریم کے فضائل و برکات کا تذکرہ



قرآن کریم کی سماعت کے فضائل

جس طرح قرآن عظیم کی تلاوت کرنا عبادت ہے، اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت سننا بھی عبادت ہے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام سے قرآن کریم سننا پسند فرماتے تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ انھیں قرآن کریم پڑھ کر سنائیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کی تلاوت سن کر آپ پر خشوع طاری ہو گیا حتیٰ کہ آپ کی مبارک آنکھیں چھلک پڑیں۔ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں ملے گی۔

دلکش آواز اور دلنشین قراءت والے قاری سے قرآن کریم کی تلاوت سننے کا مطالبہ کرنا متفقہ طور پر مستحب ہے اور یہ اس امت کے سلف صالحین اور اہل خیر کی عادت رہی ہے۔ عمدہ اور بے عیب تلاوت سننے سے قرآن کریم کے معانی و مفاہیم سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ قرآن عظیم سننے کے فضائل متنوع اور بہت زیادہ ہیں، ان میں سے اہم فضائل کے بارے میں مندرجہ ذیل نکات ملاحظہ فرمائیں:

قرآن عظیم کی تلاوت سننا رحمت الہی کا سبب ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے (کان لگا کر) سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“^①

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو توجہ سے قرآن کریم سننے اور اس کے لیے خاموشی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ اس سے استفادہ کر سکیں، اس میں جو حکمتیں اور مصالح ہیں ان پر تدبر کر سکیں اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت تک پہنچ جائیں۔

حضرت لیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جو شخص قرآن کریم کو توجہ سے کان لگا کر سنتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سب سے جلد اسی کی طرف لپکتی ہے۔“ اس لیے کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے (کان لگا کر) سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“^②

نیز لیث رحمہ اللہ کا یہ بھی فرمان ہے: ”شاید کتاب اللہ کو غور سے کان لگا کر سننا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو۔“^③

جو لوگ قرآن کریم سے منہ پھیرتے ہیں وہ اتنا شدید نقصان اٹھاتے ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی متاع بھی اس نقصان کا مداوا نہیں کر سکتی، بلاشبہ بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ اگر ایک آیت ہی غور سے اور کامل سکون اور سکوت کے ساتھ سن لی جائے تو تنہا وہی دل کی دنیا بدل کر عجیب و غریب فرحت بخش تاثرات اور جذبہ قبولیت و طمانیت پیدا کر دیتی ہے۔ اس حقیقت کا

① الأعراف 204:7 ② الأعراف 204:7

③ تفسیر القرطبی: 23/1

ٹھیک ٹھیک ادراک وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اس کا ذائقہ چکھا ہو اور اس مبارک تجربے سے گزر چکا ہو۔^①

نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس حقیقت سے روشناس کرایا ہے کہ قرآن کریم کے لیے جمع ہونے، آپس میں ایک دوسرے کو قرآن سمجھانے (سکھانے) اور توجہ سے اسے سننے کے بڑے عظیم و جلیل فوائد ہیں۔ ان فوائد میں سے ایک رحمت الہی کا حصول بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ، وَيَتَذَكَّرُونَ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ، وَخَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»

”جب کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں جمع ہوتی ہے اور وہ کتاب (قرآن) کی تلاوت کرتے اور اسے آپس میں ایک دوسرے کو سمجھاتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، رحمت الہی انھیں ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ ان لوگوں (فرشتوں) سے کرتا ہے جو اس کے پاس موجود ہوتے ہیں۔“^②

قرآن کریم کی سماعت انسانوں اور جنوں کی ہدایت کا ذریعہ ہے

یہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرمادیا ہے کہ قرآن عظیم دنیا و آخرت میں ہدایت کا منبع ہے۔ جس شخص نے بھی اسے تلاوت، سماع، تدبر اور عمل کے ذریعے سے تھام لیا، وہ ہرگز گمراہ

① فی ظلال القرآن : 1425/3-1426

② صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن.....، حدیث: 2699

ہوگا نہ کبھی بدبختی اس کے قریب پھٹے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾

”بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔“^①

قرآن کریم کو غور سے کان لگا کر سننا ان جلیل القدر اعمال صالحہ میں سے ہے جنہیں انجام دینے والوں کو قرآن کریم نے ہدایت کی بشارت دی ہے اور ان کی یہ صفت بتائی ہے کہ وہ عقل سلیم و رشید کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ ۚ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ ۖ وَوَلَّيْنَا لَهُمُ الْأَلْبَابَ ۖ﴾

”آپ میرے (ان) بندوں کو بشارت دے دیں جو غور سے بات سنتے ہیں، اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور وہی لوگ عقل والے ہیں۔“^②

اس میں کوئی شک نہیں کہ علی الاطلاق سب سے اچھی بات اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا﴾

”اللہ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایک کتاب ہے باہم ملتی جلتی۔“^③

اللہ تعالیٰ کے کلام پر مشتمل نازل شدہ کتابوں میں سے بہترین کتاب قرآن عظیم ہے۔ پس جو لوگ قرآن عظیم کو پوری توجہ سے کان لگا کر سنتے ہیں اور اس کا اتباع کرتے ہیں، وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اخلاق حسنہ سے نوازا ہے اور خفیہ اور علانیہ نیک عمل کرنے کی توفیق و ہدایت مرحمت عطا فرمائی ہے اور یہی لوگ ہیں جو پاکیزہ عقل کے مالک ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے سماع کو کفار کی ہدایت اور ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ﴾

”اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔“^۱

اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم کو غور سے سننے کو جنوں کی ہدایت اور ان کے قبول اسلام کا سبب قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝

يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ط وَكُنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا، تو انھوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ وہ رشد و ہدایت کی راہ دکھاتا ہے، تو ہم اس پر ایمان لائے، اور ہم کسی کو بھی رب کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔“^۲

اللہ تعالیٰ نے جنوں کے اس گروہ سے بھلائی کا ارادہ کیا تو انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ کر دیا تاکہ وہ قرآن کریم کو سن لیں، ان پر حجت قائم ہو جائے، نعمت مکمل ہو جائے اور وہ اپنی قوم کے لیے ڈرانے والے بن جائیں۔ یہ اس وقت ہوا جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور انھوں نے آپس میں کہا: ”خاموش ہو جاؤ۔“ جب وہ خاموش ہو گئے تو انھوں نے قرآن کریم کے معانی سمجھ لیے اور قرآنی حقائق ان کے دلوں تک سرایت کر گئے، پھر وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے اور خوش خبری دینے والے بن کر لوٹے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْعِبَرِ يَسْتَعِثُونَ الْقُرْآنَ ۖ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ ۝ قَالُوا يَبْقَاؤُنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝﴾

”اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا، جبکہ وہ قرآن سنتے تھے، پھر جب وہ اس (کی تلاوت سننے) کو حاضر ہوئے، تو (ایک دوسرے سے) کہا: خاموش رہو، چنانچہ جب تلاوت ختم ہوگئی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے۔ انھوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، وہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں، وہ حق کی طرف اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔“

قرآن کریم کی سماعت دل کے خشوع اور آنکھوں کی رقت کا سبب ہے

قرآن کریم کی سماعت سے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے اور آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوئے یا اسے غور سے کان لگا کر سنتے وقت مومنوں کے دل سہم جاتے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں اور وہ اپنے رب کی طرف رغبت رکھتے اور ڈرتے ہوئے متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ اس کی خوشنودی کی حرص رکھتے ہیں اور اس کے غضب اور سزا سے کانپتے ہیں۔

اس میں ہمارے آئیڈیل اور بلند ترین نمونہ امام الخاشعین نبی مکرم حضرت محمد ﷺ ہیں جن کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِقْرَأْ عَلَيَّ، قَالَ: قُلْتُ: اَقْرَأْ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ
أَنْزِلَ؟ قَالَ: إِنِّي أَشْتَهِي أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي قَالَ: فَقَرَأْتُ النِّسَاءَ
حَتَّى إِذَا بَلَغْتُ

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”مجھے قرآن کریم کی قراءت سناؤ۔“ میں نے عرض
کیا: بھلا میں آپ کو قرآن کریم کی تلاوت سناؤں، حالانکہ یہ آپ پر نازل کیا گیا
ہے؟ آپ نے فرمایا: ”میں چاہتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی اور سے (بھی) قرآن
کریم سنوں۔“ چنانچہ میں نے سورۃ النساء کی قراءت شروع کی حتیٰ کہ جب میں نے
یہ آیت کریمہ پڑھی:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾
”پھر ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو اس
امت پر گواہ بنائیں گے۔“

قَالَ لِي: كُفَّ، أَوْ أَمْسِكَ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَذَرِفَانِ
تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”رک جاؤ“ یا فرمایا: ”ٹھہر جاؤ“ اس وقت میں نے
دیکھا کہ آپ کی چشم مبارک سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔*

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس میں اس بات کا امکان ہے کہ آپ نے اپنے علاوہ
دوسرے فرد سے قرآن کریم سننا اس لیے پسند فرمایا تاکہ قرآن سنانا بھی سنت بن جائے اور
اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ نے یہ عمل اس لیے کیا تاکہ قرآن کریم میں غور و فکر کر سکیں
اور اسے اچھی طرح سمجھ سکیں کیونکہ غور سے سننے والا شخص غور و فکر کرنے کی زیادہ قوت رکھتا

* النساء 4:41، صحيح البخارى: فضائل القرآن، باب البكاء عند قراءة القرآن، حديث :

5055 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل استماع القرآن.....، حديث : 800

ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دل تلاوت کرنے والے کی نسبت زیادہ فارغ اور بات سمجھنے کے لیے زیادہ مستعد ہوتا ہے کیونکہ تلاوت کرنے والا تو قراءت اور قراءت کے احکام کی پابندی میں مشغول ہوتا ہے۔“

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ نے جو فوائد لکھے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے: ”اس حدیث سے تلاوت قرآن کو غور سے سننے، اس کے لیے کان لگا کر متوجہ ہونے، تلاوت سن کر رونے اور اس میں غور و فکر کرنے کا استجاب (مستجب ہونا) ثابت ہوتا ہے، مزید برآں اسے غور سے کان لگا کر سننے کے لیے کسی اور شخص سے قرآن کریم کی قراءت کے مطالبے کا مستجب ہونا بھی ثابت ہے اور یہ امر قرآن کریم کی بذات خود تلاوت کرنے کی نسبت قرآن کو اچھی طرح سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے کے لیے زیادہ بلیغ اور موثر ہے۔ اس میں اہل علم اور اصحاب فضل کے لیے تواضع اور انکسار بھی ہے، چاہے وہ اپنے پیروکاروں ہی سے اس کا مطالبہ کریں۔“

یہ تو تمام انبیائے کرام کی سنت مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے تھے، ان کے دل ڈرجاتے اور قادر مطلق کے کلام سے متاثر ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَآئِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذِ اتَّخَذُوا عَلَيْهِمْ أَيُّتُ الرِّحْمٰنِ خُرُوءًا سَاجِدًا وَبُكِّيًّا ۝﴾

”(یہ وہ انبیاء) ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا جو اولادِ آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں

(کی نسل) میں سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، اور ابراہیم اور اسرائیل کی اولاد میں سے ہیں، اور ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔ جب ان پر رحمن کی آیات تلاوت کی جاتیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے اور روتے (تھے)۔“^①

اسی طرح اہل علم کا بھی یہ وصف ہے کہ جب وہ غور سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں تو اس سے متاثر ہوتے اور رونے لگتے ہیں اور یہ چیز انہیں خشوع و خضوع اور علم و یقین میں مزید بڑھا دیتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْآذْقَانِ سُجَّدًا ۖ وَيَقُولُونَ سُبْحَنَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۖ وَيَخِرُّونَ لِلْآذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۖ﴾

”بلاشبہ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا، جب ان کے رو برو تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں: پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔ اور وہ روتے ہوئے اپنی ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع کو زیادہ کرتا ہے۔“^②

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ اہل علم کی صفت میں مبالغہ ہے اور ان کی مدح سرائی ہے۔ ہر وہ شخص جو فہم و فراست سے علم کی حقیقت جان لیتا ہے، اس پر علم کا رنگ چڑھ جاتا ہے اور یوں وہ اس قدر علم حاصل کر لیتا ہے کہ اس میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ قرآن کریم کو غور سے سننے تو ڈر جائے اور اس میں تواضع اور اکسار پیدا ہو جائے۔“^③

① مریم 58:19 ② بنی اسرائیل 107:17-109

③ الجامع لأحكام القرآن: 347-348، نیز دیکھیے: تفسیر البیضاوی: 471/3،

تفسیر ابن کثیر: 134/5

قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے کے فضائل

بلاشبہ اسلام نے عمومی طور پر تعلیم و تعلم کی ترغیب دی ہے اور اسے ان افضل عبادتوں میں شمار کیا ہے جن کے ذریعے سے آدمی اپنے رب ذوالجلال کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا»

”جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی تو اس کی پیروی کرنے والوں کے اجروں کی مثل اس (دعوت دینے والے) کا اجر ہے جبکہ وہ اتباع کرنے والوں کے اجر میں ذرہ بھر کی کا باعث نہیں بنے گا۔“^۱

انسان کی موت کے بعد جب تک اس کے علم سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اس وقت تک اسے اس کے علم کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱ صحیح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة، حدیث: 2674

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

”جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اسوالتین اعمال کے سب اعمال انسان سے منقطع ہو جاتے ہیں: صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا رہے، یا نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا کرے۔“^۱

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”علم کے شرف و فضل اور اس کے ثمر کی یہ حدیث سب سے بڑی دلیل ہے کہ آدمی کے فوت ہو جانے کے بعد بھی جب تک اس کے علم سے استفادہ کیا جاتا رہے گا اس کا ثواب اس آدمی کو پہنچتا رہے گا۔ گویا وہ شخص زندہ ہے اور ذکر و ثناء والی زندگی نہ ہونے کے باوجود اس کے اعمال منقطع نہیں ہوئے۔ جب لوگوں کے اعمال کا ثواب ان سے منقطع ہو جاتا ہے اس وقت اس آدمی کے لیے اجر کا جاری ہونا دراصل اس کے لیے دوسری نئی زندگی کا حکم رکھتا ہے۔“^۲

آدمی جس موضوع کو اختیار کرتا ہے اس کے اعتبار سے علم کے درجات اور منازل میں فرق ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سب سے زیادہ شرف و منزلت والا اور جلیل القدر علم اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم ہے، لہذا جو شخص قرآن کریم کی خود تعلیم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو قرآن کی تعلیم دیتا ہے وہ اس شخص سے زیادہ شرف و منزلت والا ہے جو قرآن کے علاوہ کوئی اور علم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔

بلاشبہ اس امت کے سلف صالحین رحمہم اللہ قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے کے بے حد مشتاق رہتے تھے۔ ان کے اس اشتیاق کی پہچان ان بہترین اور چنیدہ افراد کے طرز عمل سے ہوتی

۱ صحیح مسلم، الوصیۃ، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حدیث: 1631

۲ مفتاح دار السعادة: 1/175

ہے۔ اس عمل میں ان کا آئیڈیل اور نمونہ معلم بشریت اور ہادی انسانیت رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہے جن پر قرآن کریم نازل کیا گیا اور وہی تھے جو سب سے زیادہ قرآن کریم کے مقام و منزلت کا احساس و ادراک رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صحابہ کرام کو قرآن کریم کی تعلیم دینے کے بے حد خواہش مند تھے، لہذا آپ بہ نفس نفیس اور صحابہ کرام کو اپنا نائب بنا کر تعلیم قرآن کی عظیم مہم کے قیام کی جستجو فرماتے تھے۔ ہم مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں قرآن عظیم کی تعلیم حاصل کرنے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دینے کے فضائل کے متعلق گفتگو کریں گے۔

قرآن سیکھنے اور سکھانے والے فرشتوں اور رسولوں کے مشابہ ہیں

قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے والوں کے شرف و منزلت کے لیے یہی فضیلت کافی ہے کہ بلاشبہ وہ معزز فرشتوں اور رسولوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اسی لیے مبعوث فرمایا تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو تعلیم دیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿عَلَّمَكَ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝﴾

”اے مضبوط قوتوں والے (جبریل) نے سکھایا۔“^①

پس رسول ﷺ کے اولین معلم جبریل علیہ السلام ہیں جو معزز فرشتوں میں سب سے افضل، سب سے طاقت ور اور سب سے زیادہ کامل ہیں۔ وہ نبی اکرم ﷺ پر وحی لے کر نازل ہوئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام ظاہری اور باطنی طور پر نہایت مضبوط قوتوں والے ہیں۔ جس چیز کے نفاذ کا اللہ تعالیٰ انھیں حکم دیتا ہے، اسے نافذ کرنے میں وہ بہت قوی ہیں۔^②

معلم کی مدح درحقیقت معلم کی مدح ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ صرف یہ فرماتے کہ انھیں جبریل نے تعلیم دی ہے اور جبریل علیہ السلام کو عظیم اور قابل تعریف صفات سے متصف نہ کرتے تو نبی اکرم ﷺ کو واضح فضیلت حاصل نہ ہوتی۔^①

سب سے افضل لوگ قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے والے ہیں

بلاشبہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنا، اس کی تعلیم کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو اس کے معانی اور احکام سے روشناس کرانا نہایت افضل اور باعث تقرب الہی اعمال میں سے ہے۔ اس کا معلم اور معلم دونوں دنیا و آخرت میں بھلائی اور فضل خاص حاصل کرتے ہیں، بلاشبہ قرآن کریم سیکھنے اور اس کی تعلیم کی ترغیب دینے والی احادیث بڑی کثرت سے وارد ہوئی ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو شخص اس مبارک کلام کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہو وہ انبیاء کے بعد افضل ترین لوگوں میں سے ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»

”تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن کریم سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔“^②

اور انھی سے منقول ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»

”بلاشبہ تمہارا افضل ترین آدمی وہ ہے جو قرآن کریم سیکھے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔“^③

① التفسیر الکبیر، للرازی: 245/28

② صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن و علمه، حدیث: 5027

③ صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن و علمه، حدیث: 5028

یہ ارشاد اہل قرآن کے حق میں اس امر کی سب سے زیادہ مستند گواہی ہے کہ وہ سب سے بہتر اور افضل لوگ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جس کا مال یا اولاد زیادہ ہو یا اس کی جاگیر زیادہ وسیع ہو یا اس کے پاس اس فانی دنیا کا کوئی اور سامان ہو۔

یہ رسول اللہ ﷺ کے پیروکار سچے مومنوں کی صفات میں سے ہے کہ وہ قرآن کریم سیکھنے اور اس کے ذریعے سے اپنا تزکیہ نفس کرنے کی اسی طرح شدید خواہش رکھتے ہیں جس طرح وہ دوسروں کو اس کی تعلیم دینے، اس کی ہدایت اجاگر کرنے اور اس کی دعوت دینے کے آرزو مند رہتے ہیں تاکہ اس کا نفع اوروں کو بھی پہنچے۔

❖ **تعلیم اور تعلیم کا مفہوم:** قرآن کریم کا تعلم (علم حاصل کرنا) اور تعلیم (علم سکھانا) قرآن کے حروف کا علم حاصل کرنے اور ان کی تعلیم دینے اور اس کے معانی کا علم حاصل کرنے اور ان کی تعلیم دینے پر مشتمل ہے۔ معانی قرآن کی تعلیم و تعلم قرآن کریم کے تعلم اور اس کی تعلیم سے متعلقہ دونوں قسموں میں سب سے اشرف ہے کیونکہ حقیقی مقصود معانی و مفاہیم ہیں اور الفاظ اس مقصد تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔^❶

بلاشبہ سلف صالحین نے اس خیر و برکت اور افضلیت کا ادراک کر لیا تھا جس سے قرآن کریم کا معلم اور محترم ممتاز ہوتا ہے، لہذا وہ اس کے حصول کی شدید خواہش اور کوشش میں ہمیشہ مصروف رہے۔

حضرت سعد بن عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو عبد الرحمن سلمی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک سے حجاج کے دور تک مسلسل قرآن کریم پڑھایا۔ حضرت ابو عبد الرحمن سلمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہی وہ حدیث ہے جس نے مجھے اس مسند عزت پر لا بٹھایا ہے۔“^❷

❶ مفتاح دار السعادة: 74/1

❷ صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ، حدیث: 5027

ابو عبد الرحمن سلمیؓ نے کوفہ کی مسجد میں چالیس سال تک لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔

ابو عبد الرحمن سلمیؓ کے اس ارشاد کہ ”یہی وہ حدیث ہے جس نے مجھے اس مسند عزت پر لا بٹھایا ہے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم سیکھنے اور دوسروں کو سکھانے والے کی افضلیت کے بارے میں حضرت عثمانؓ کی بیان کردہ حدیث نے حضرت ابو عبد الرحمن کو اس افضلیت کے حصول کا ایسا زبردست شوق دلایا کہ وہ مدت العز لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیتے رہے۔^۱

اسی طرح ان کے مثل امام المقرئ نافع بن عبد الرحمن بن ابونعیم مدنیؒ ہیں، جو سات مشہور قراء میں سے ایک ہیں۔ وہ ستر سال سے زیادہ عرصے تک لوگوں کو قرآن کریم پڑھاتے رہے اور وہ طویل عمر پانے والے لوگوں میں سے تھے۔^۲

اسی طرح امام ابو منصور خیاط بغدادیؒ ہیں۔ ان کے ہاتھوں قرآن کریم کے قراء کی ایک بہت بڑی تعداد نے سند فراغت حاصل کی۔ امام ذہبیؒ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ”وہ ایک طویل زمانے تک کتاب اللہ کی تعلیم دینے کے لیے بیٹھے رہے اور ان سے بڑی تعداد میں لوگوں نے قرآن کریم پڑھا۔“^۳

انھوں نے ایک زمانہ فی سبیل اللہ نایباؤں کو قرآن کریم ذہن نشین کرانے میں بسر کیا۔ وہ ان پر اپنا مال بھی خرچ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ جن نایباؤں کو آپ نے قرآن کریم پڑھایا ان کی تعداد ستر تک پہنچ گئی۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ”جس شخص نے ستر نایباؤں کو قرآن کریم ذہن نشین کروایا، بلاشبہ اس نے بڑی کثرت سے بھلائی اور لا متناہی نیکی کا عمل انجام دیا۔“^۴

۱ فتح الباری: 97/9

۲ معرفة القراء الکبار، للذہبی، ص: 64

۳ سیر أعلام النبلاء: 222/19

۴ سیر أعلام النبلاء: 223/19

قرآن سیکھنا اور سکھانا دنیا اور اس کے خزانوں سے بہتر ہے

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے جبکہ ہم صفہ میں بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا:

«أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ إِلَىٰ بُطْحَانَ أَوْ إِلَى الْعَقِيقِ فَيَأْتِي مِنْهُ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ، فِي غَيْرِ إِيْتِمٍ وَلَا قَطْعِ رَحِمٍ؟» فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! نَحِبُّ ذَلِكَ، قَالَ: «أَفَلَا يَغْدُو أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمَ أَوْ يَقْرَأَ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ خَيْرٌ لَهُ مِنْ نَّاقَتَيْنِ. وَثَلَاثَ خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثٍ وَأَرْبَعٌ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَرْبَعٍ وَمِنْ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ»

”تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ صبح سویرے بطحان یا عقیق وادی کی طرف جائے اور وہاں سے کسی زیادتی، گناہ یا قطع رحمی کے بغیر دو بڑی کوہان والی اونٹنیاں لے آئے۔“ ہم نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! یہ چیز تو ہم سب پسند کرتے ہیں۔“ اس پر آپ نے فرمایا: ”تو پھر کیا تم میں سے کوئی آدمی صبح سویرے مسجد میں نہیں جاسکتا کہ وہ وہاں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے دو آیات کی تلاوت کرے یا ان کی تعلیم حاصل کرے جو اس کے لیے دو اونٹیوں سے بہتر ہیں اور تین آیات اس کے لیے تین اونٹیوں سے بہتر ہیں اور چار آیات اس کے لیے چار اونٹیوں سے بہتر ہیں، اسی طرح آیات کی زیادہ تعداد زیادہ اونٹیوں سے بہتر ہے۔“

بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن عظیم کی تعلیم حاصل کرنے اور قرآنی تعلیم کے حصول کے

لیے اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی مسجد میں جانے کی ترغیب دینے کے لیے یہ مثال پیش فرمائی ہے۔ مساجد کی ترغیب اس لیے دی ہے کہ ان میں سکینت اور طمانیت ہوتی ہے جہاں آدمی کا دل دنیا کے مشاغل اور مصروفیات سے لائق ہو جاتا ہے۔ آپ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ مسلمان کا صرف ایک آیت کی تعلیم حاصل کرنا دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے۔ اونٹنیوں کے ساتھ یہ مثال بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ شروع اسلام میں اونٹنیاں عربوں کا سب سے قیمتی مال سمجھی جاتی تھیں اور ان کے مالک بے حد غنی اور مال دار لوگ ہی ہوا کرتے تھے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو اس چیز کی ترغیب دلائی جو ان سے افضل ہے کیونکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکیوں کا سرمایہ ہونا دنیا میں شتر بانوں کے پاس اونٹنیوں کے ریوڑ سے افضل ہے اور یہ فضیلت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعلیم حاصل کریں، چنانچہ قرآن مجید کی ایک آیت جس کی تعلیم مسلمان حاصل کرتا ہے، وہ نیکیوں کے ترازو میں اس بڑی کوہان والی اور بے عیب اونٹنی سے بھی افضل ہے جسے وہ صدقہ کرے۔

بلاشبہ نبی اکرم ﷺ نے نیکی اور خیر سیکھنے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینے کی ترغیب دی ہے اور کامل اور مقبول حج کرنے والے کے اجر کی مانند اس کا اجر بتلایا ہے، آپ نے فرمایا:

«مَنْ عَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ، كَانَ لَهُ كَأَجْرِ حَاجٍّ، تَامًا حَجَّتُهُ»

”جو صبح سویرے مسجد جاتا ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ بھلائی اور خیر کی تعلیم حاصل کرے یا کسی کو اس کی تعلیم دے تو اس کے لیے اس حاجی کے برابر اجر ہے جس کا حج مکمل اور مقبول ہو۔“^۱

۱ المعجم الكبير للطبرانی: 94/8، حدیث: 7473 علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”حسن صحیح“ کہا ہے۔ (صحیح الترغیب و الترهیب: 1/145، حدیث: 86)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنا اور اس کی تعلیم دینا ہر اس نیکی اور فلاح کا پیش خیمہ ہے جس کی آدمی دوسروں کو تعلیم دیتا ہے یا خود اس کی تعلیم حاصل کرتا ہے کیونکہ یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے۔

ایک دوسری حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ بلاشبہ خیر کا متعلم اور معلم دونوں بجائے خود مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔ فرمایا:

«مَنْ جَاءَ مَسْجِدِي هَذَا، لَمْ يَأْتِهِ إِلَّا لَخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ أَوْ يُعَلِّمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى مَتَاعٍ غَيْرِهِ»

”جو شخص میری اس مسجد میں آئے (اور) صرف اس لیے مسجد میں آئے کہ کسی بھلائی اور خیر کی تعلیم حاصل کرے یا اس کی تعلیم دے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے مقام و مرتبہ پر فائز ہے اور جو شخص اس کے علاوہ کسی اور مقصد سے آئے تو وہ اس آدمی کے مقام و مرتبہ پر ہے جو دوسروں کے سامان کی طرف نظریں دوڑاتا ہے۔“

قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے والا یقیناً اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے آدمی کے مقام و مرتبہ پر فائز کیا جائے کیونکہ بلاشبہ اس نے ان مبارک حلقوں میں حاضر ہونے اور دنیا اور اس کی زیب و زینت کو ترک کرنے میں اپنے نفس اور اس کی خواہشات کے خلاف جہاد کیا، شیطان کے خلاف جہاد کیا، صبر سے کام لیا، ثابت قدم اور حق کی خدمت میں سرگرم عمل رہا۔ پس وہ کُلّی طور پر اس شرف عظیم کا مستحق ٹھہرا۔

سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب فضل العلماء و الحث علی طلب العلم، حدیث: 227 سے شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح ابن ماجہ: 44/1، حدیث: 186)

جس نے ایک آیت بھی سکھائی وہ اس کے لیے صدقہ جاریہ ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں کو قرآن عظیم کی تعلیم دینا ایک ہمہ گیر نفع ہے اور معلم کے ان اعمال صالحہ میں سے ہے جن کا ثواب اسے اس کی موت کے بعد بھی ملتا رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ، عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ»

”بلاشبہ مومن کے وہ اعمال اور نیکیاں جو اس کے مرنے کے بعد بھی اسے ملتی رہتی ہیں

ان میں سے ایک علم بھی ہے جو اس نے لوگوں کو سکھایا اور پھیلایا ہو۔“^①

لوگوں کو قرآن عظیم کی تعلیم دینا خیر اور نیکی کی طرف رہنمائی کرنے کے عمومی حکم میں

داخل ہے، لہذا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ ذَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ»

”جس نے کسی نیکی کی طرف رہنمائی کی، اس کے لیے (خود) نیکی کرنے والے کے

اجر کے برابر ثواب ہے۔“^②

مزید براں قرآن کریم کی تعلیم دینے کے اجر و ثواب کی بابت نص بھی وارد ہوئی ہے۔ ہر چند

ایک آیت ہی کیوں نہ سکھائے، اس کا اجر بھی ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَلَّمَ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، كَانَ لَهُ ثَوَابُهَا مَا تُلِيَتْ»

① سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب ثواب معلم الناس الخیر، حدیث: 242 اس حدیث کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے

حسن قرار دیا ہے۔ (صحیح ابن ماجہ: 46/1، حدیث: 198)

② صحیح مسلم، الإمارة، باب فضل إعانة الغازی، حدیث: 1893

”جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے ایک آیت بھی سکھائی، جب تک اس کی تلاوت کی جاتی رہے گی اسے اس کا ثواب ملتا رہے گا۔“^①

یہ قرآن کریم کے معلم کی میزان میں لکھے جانے والے بہترین آثار میں سے ہے کیونکہ وہ ان آثار کی تعلیم کا براہ راست سبب بنا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَنُكْتَبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ط﴾

”اور جو (اعمال) وہ آگے بھیج چکے، انھیں ہم لکھ رہے ہیں اور ان کے آثار (نشانات قدم) کو بھی۔“^②

﴿مَا قَدَّمُوا﴾ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جنہیں لوگ موت سے پہلے پہلے انجام دیتے ہیں۔ دنیاوی زندگی میں ان کے ایسے اعمال کو اشیاء کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے جنہیں وہ آگے دار آخرت کی طرف بھیجتے ہیں، جیسے مسافر اپنے بوجھ اور بھاری ساز و سامان کو آگے بھیجتا ہے۔“^③

پس جو اعمال انھوں نے براہ راست بذات خود انجام دیے ہیں انھیں بھی لکھا جاتا ہے اور ان آثار کو بھی لکھا جاتا ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اگر وہ اعمال اچھے ہوں تو اچھے اور برے ہوں تو برے لکھے جاتے ہیں۔

اولاد کو قرآن کریم کی تعلیم سے آراستہ کرنے کا ثواب

اپنی اولاد کو بچپن ہی سے قرآن عظیم کی تعلیم دینا ہمارے تمام سلف صالحین کے نزدیک التزاماً قابل اتباع سنت ہے۔

① سلسلۃ الأحادیث الصحیحة: 323/3، حدیث: 1335

② یس: 36

③ التحریر و التنویر: 204/22

اللہ تعالیٰ نے اپنی اولاد کو کتاب اللہ کی تعلیم دینے اور دلانے اور اس مقدس فرض کے سلسلے میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والے والدین کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب رکھا ہے۔ اس سلسلے میں انھیں دو ایسی عمدہ پوشاکیں پہنائی جائیں گی جن کے سامنے اہل دنیا ٹھہر نہیں سکیں گے۔

حضرت بریدہ بن حبیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ الْقُرْآنَ يَلْقَىٰ صَاحِبَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يَنْشَقُّ عَنْهُ قَبْرُهُ كَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ، فَيَقُولُ لَهُ: هَلْ تَعْرِفُنِي؟ فَيَقُولُ: مَا أَعْرِفُكَ، فَيَقُولُ: أَنَا صَاحِبُكَ الْقُرْآنُ الَّذِي أَطْمَأْتُكَ فِي الْهَوَاجِرِ، وَأَسْهَرْتُ لَيْلَكَ، وَإِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ مِّنْ وَرَاءِ تِجَارَتِهِ، وَإِنَّكَ الْيَوْمَ مِنْ وَرَاءِ كُلِّ تِجَارَةٍ، فَيُعْطَى الْمُلْكُ بِمِثْلِهِ، وَالْخُلْدُ بِشِمَالِهِ، وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ، وَيُكْسَى الْإِدَاهُ حُلَّتَيْنِ لَا يَقُومُ لَهُمَا أَهْلُ الدُّنْيَا، فَيَقُولَانِ: بِمِ كَسِينَا هَذَا؟ فَيَقَالُ: بِأَخَذِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ»

”قیامت کے روز قرآن کریم اپنے ساتھی سے پھیکی رنگت کے آدمی کی شکل میں اس وقت ملے گا جب اس کی قبر شق ہوگی۔ قرآن کریم اس سے پوچھے گا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تجھے نہیں پہچانتا۔ قرآن کریم کہے گا: میں تیرا ساتھی اور دوست قرآن ہوں۔ میں نے تجھے دوپہر کی شدید گرمی میں پیاسا اور راتوں کو بیدار رکھا۔ بلاشبہ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوتا ہے اور بے شک آج تو (بھی) اپنے مال تجارت کے پیچھے ہوگا، چنانچہ اس کے داہنے ہاتھ میں بادشاہت دے دی جائے گی اور بائیں ہاتھ میں ہیشگی اور دوام رکھ دیا جائے گا۔ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے

گا۔ اس کے والدین کو دوائیے قیمتی جوڑے پہنائے جائیں گے جن کا سامنا اہل دنیا نہیں کر سکیں گے۔ اس کے والدین پوچھیں گے: ”ہمیں یہ جوڑے کیوں پہنائے گئے ہیں؟“ کہا جائے گا: ”تم دونوں کے بیٹے کے حصول قرآن کی وجہ سے!“

«ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: اقْرَأْ، وَاصْعَدْ فِي دَرَجِ الْجَنَّةِ وَغُرْفِهَا، فَهُوَ فِي صُعُودٍ مَا دَامَ يَقْرَأُ، هَذَا كَانَ، أَوْ تَرْتِيلاً»

پھر صاحب قرآن سے کہا جائے گا: ”قرآن کریم کی تلاوت شروع کرو اور جنت کے درجات اور اس کے بالا خانوں پر چڑھتے چلے جاؤ۔ چاہے وہ تیزی سے پڑھے یا ترتیل کے ساتھ آہستہ آہستہ، جب تک وہ قرآن پڑھتا رہے گا اس وقت تک وہ اوپر کے درجوں پر چڑھتا چلا جائے گا۔“^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَيُكْسَى وَالِدَاهُ حُلَّتَيْنِ، لَا تَقُومُ لَهُمُ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، فَيَقُولَانِ: يَا رَبِّ! أَنَّى لَنَا هَذَا؟ فَيَقَالُ: بِتَعْلِيمِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ»

”اس کے والدین کو دو ایسی (عظیم الشان) پوشاکیں پہنائی جائیں گی کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گے۔ تب وہ دونوں ماں باپ کہیں گے: ”اے ہمارے رب! یہ ہمیں کیوں نصیب ہوئی ہیں؟“ ان سے کہا جائے گا: ”تم دونوں کے بیٹے کی تعلیم قرآن کی وجہ سے.....“^②

یہ عظیم انعام انھیں ایسی جگہ سے حاصل ہوگا جس کا انھیں وہم و گمان بھی نہیں ہوگا۔ اس

① مسند أحمد: 5/348 حدیث: 23000 مسند کے محققین شیخ شعیب الارؤط اور ان کے ساتھیوں نے اس کی سند کو حسن قرار دیا۔ (42:38)

② المعجم الأوسط للطبرانی: 51/6، حدیث: 5764 اسے شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلۃ الأحادیث الصحیحة میں ذکر کیا ہے (6/792، حدیث: 2829)

وجہ سے ان والدین کا حیران ہو جانا قابل فہم ہے، چنانچہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ان سب سے زیادہ قیمتی جنت کے جوڑوں میں سے دو عظیم جوڑے ان کے والدین کو پہنائے جائیں گے تو وہ ہکا بکارہ جائیں گے اور بڑی حیرت سے پوچھیں گے: ”ہمارے لیے ایسے زبردست قیمتی جوڑے کہاں سے آ گئے جب کہ ہمارے علم کے مطابق ہمارے اعمال اور اطاعت گزاریاں ہرگز ایسی نہیں ہیں جو اس عظیم عزت و کرامت کی مستحق ہوں۔“ انھیں جواب دیا جائے گا: ”تمہیں یہ عزت تمہارے بیٹے کے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے، اس راہ میں مشقت پیش آنے پر صبر کرنے اور اس کی خیر خواہی میں مخلص ہونے کی وجہ سے عطا کی گئی ہے۔“

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح بلاشبہ دنیا میں صاحب قرآن اپنے والدین سے سب لوگوں سے بڑھ کر حسن سلوک سے پیش آنے والا ہوتا ہے۔ اگر تمام والدین اس مقام و مرتبہ سے آگاہ ہو جائیں جو ان کے بچوں کی تعلیم قرآن عظیم کی وجہ سے انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں نصیب ہوگا تو وہ اپنی اولاد کو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے اس کی تلاوت کرنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی زبردست ترغیب دیں اور انھیں علوم قرآن کے حصول کے لیے مجبور کر دیں۔^❶



تلاوتِ قرآن کریم کے فضائل

رسول اللہ ﷺ بڑی کثرت اور تواتر سے قرآن عظیم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، آپ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، وضو کرتے، گفتگو کرتے، چلتے پھرتے، سواری پر، غرضیکہ ہر حالت میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، وَهُوَ يَقْرَأُ عَلَى رَاحِلَتِهِ سُورَةَ الْفَتْحِ»

”میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی سواری پر سورۃ الفتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔“^①

اس سنت کا احیاء بہت ضروری ہے۔ ہمیں موجودہ زمانے میں نقل و حرکت کی مختلف آرام دہ سواریوں پر سوار ہوتے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت ضرور کرنی چاہیے، خاص طور پر ان حالات میں جب کہ بڑی، بحری اور فضائی سفر طویل گھنٹوں اور بسا اوقات مسلسل کئی روز پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان اوقات میں نہایت آسانی سے قرآن کریم کی تلاوت کی جاسکتی

① صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب القراءة على الدابة، حدیث: 5034

ہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ عالی سے عظیم الشان ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ قرآن کی قراءت علی الاطلاق محبوب عمل ہے ماسوا ان چند مخصوص حالات کے جن میں شریعت نے قرآن کریم کی تلاوت سے منع کیا ہے جیسے قیام کے سوار کو، سجدے، تشہد اور دوسری حالتوں میں قرآن کریم کی تلاوت ممنوع ہے۔ بیت الخلا میں بیٹھے ہوئے، اونگھ کی حالت میں اور خطبہ سننے والے کے لیے دوران خطبہ قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں، اسی طرح اگر کسی کے لیے قرآن کریم پڑھنا دشوار ہو اور اسے یہ پتا نہ چل رہا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اس وقت بھی قرآن پڑھنا ٹھیک نہیں۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو خود اپنے عمل مبارک سے راستوں میں قرآن کریم کی قراءت کی دعوت دیتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ متعدد آیات آپ پر دوران سفر نازل ہوئیں اور آپ ان کی قراءت کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ عمل مبارک سر راہ چلتے چلتے تلاوت قرآن کے بارے میں آپ کی اقتدا کرنے کی بالواسطہ دعوت ہے۔

ان ساری باتوں سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد اپنی امت کو قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کرنے کی ترغیب دینا تھا تاکہ یہ کتاب حکیم ان کی زندگی کے تمام احوال میں جس قدر بھی ممکن ہو، ان کی زندگی کا جز بن کر رہے۔“ ①

تلاوت قرآن عظیم کے فضائل بڑے بابرکت اور کثیر ہیں اور یہ تمام فضائل صاحب تلاوت کے لیے دنیا و آخرت میں باعث فلاح ہیں۔ اگر مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ تلاوت میں کس قدر فضائل و برکات ہیں تو وہ اپنے سامنے سے یہ مقدس کتاب کبھی اوجھل نہ ہونے دیں بلکہ رات کی تاریکیوں اور دن کے اجالوں میں ہر وقت اس کی تلاوت کرتے رہیں۔

پیش نظر اوراق میں تلاوت کے اہم فضائل کے بارے میں گفتگو کی جا رہی ہے۔

تلاوت قرآن نہایت نفع بخش تجارت ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ۚ لِيُؤْفِقَهُمْ أَجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝﴾

”بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے، اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز تباہ نہ ہوگی۔ تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) انھیں ان کے اجر پورے دے، اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ دے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت قدردان ہے۔“^①

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم پڑھنے والوں کی شان دار تعریف و توصیف ہے۔
امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ قرآن کریم کا علم رکھنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور اس کی قراءت کرنے والوں کی آیت ہے۔“^②

پس یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے قرآن عظیم کی تلاوت کرنے والوں کی ستائش اور تعریف ہے کہ وہ تلاوت قرآن کا تسلسل قائم رکھتے ہیں اور اس پر مداومت اختیار کرتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کے الفاظ پڑھ کر اس کی تلاوت کرتے ہیں اور پھر اس کے معانی پر غور و فکر

کر کے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔^①

بلاشبہ تلاوت قرآن ایک نفع بخش تجارت ہے جس کے بے بہا منافع کی بارگاہ باری تعالیٰ سے پکی گارنٹی ہے، لہذا کیا کثرت تلاوت کے ذریعے سے جنت کی جستجو میں مستعدی دکھانے والا کوئی شخص ہے؟

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِيُؤْتِيَهُمْ أَجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّنْ فَضْلِهِ﴾

”تاکہ وہ (اللہ) انھیں ان کے اجر پورے دے اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ دے۔“^②

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن کریم پر عمل پیرا ہونے والے اہل قرآن کو اپنی طرف سے اجر عظیم دینے اور بطور عزت افزائی مزید اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور اس اضافے کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ یقیناً وہ فضل عظیم کا مالک ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَلِهَا، لَا أَقُولُ "الْم" حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَا مٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ»

”جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھتا ہے، اس کے لیے اس کے بدلے میں ایک نیکی ہے اور ایک نیکی اپنی مثل دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ﴿الْم﴾ ایک حرف ہے بلکہ ”الف“ ایک حرف ہے، ”لام“ ایک حرف ہے اور

① فتح القدیر: 348/4 و تفسیر السعدی: 216/4

② فاطر 30:35

”میم“ ایک حرف ہے۔“^①

یہ عظیم حدیث بتاتی ہے کہ کتاب اللہ کے ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں عطا کی جاتی ہیں۔ یہ نیکیوں کو کئی گنا کرنے کی وہ کم سے کم مقدار ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾

”جو شخص (وہاں) ایک نیکی لے کر آئے گا، اس کے لیے دس گنا (ثواب) ہوگا۔“^②
اور فرمایا:

﴿وَاللَّهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝﴾

”اور اللہ جس کے لیے چاہے (اجر) بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔“^③

اس میں کوئی شک نہیں کہ اجر میں اضافہ اور اسے دوچند کرنا درحقیقت قاری کے اخلاص، خشوع، غور و فکر اور کتاب اللہ کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کی کیفیات کی مناسبت سے ہوتا ہے، اسی لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَقُولُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ، فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَأَزِيدُ»

”اللہ عزوجل فرماتا ہے: جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا تو اس کا دس گنا ثواب ہوگا اور میں اس سے زیادہ بھی اسے دوں گا۔“^④

① جامع الترمذی، فضائل القرآن، باب ماجاء فیمن قرأ حرفاً.....، حدیث: 2910 اسے شیخ البانی رحمہ اللہ

نے صحیح قرار دیا ہے (صحیح سنن الترمذی: 9/3، حدیث: 2327)

② الأنعام 6: 160 البقرة 2: 261

③ صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل الذکر والدعاء، حدیث: 2687

ہمیں کسی اور ایسے عمل کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا جس کے بدلے میں اسے انجام دینے والا اس قدر اجر حاصل کر سکے جس قدر وہ شخص حاصل کرتا ہے جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے۔ جو شخص قرآن کریم کی ایک سطر ایک صفحے یا ایک پارے کی تلاوت کرتا ہے وہ کس قدر عظیم نیکیاں حاصل کرے گا، یہ اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

جب ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن لوگ ایک نیکی کی خاطر آپس میں جھگڑا کریں گے تاکہ وہ اس کے ذریعے سے اپنے میزان وزنی بنا سکیں تو اس وقت ہمیں اس اجر کی عظمت کا ادراک ہوتا ہے جس کے وہ لوگ منتظر ہیں جو کتاب اللہ کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ طالب علم ایک کتاب کے لیے نو دس گھنٹے مقرر کر کے اس کے مطالعے میں مستغرق رہتا ہے اور بسا اوقات وہ کئی کئی دن اور کئی کئی ہفتے اس میں ڈوبا رہتا ہے، پھر وہ اس کا اعادہ کرتا ہے، دُہرائی کرتا اور خلاصہ تیار کرتا ہے اور اس کے ایک بڑے حصے کو زبانی یا نیم زبانی طور پر حفظ کر لیتا ہے۔ اتنی محنت وہ صرف اس لیے کرتا ہے کہ نصاب کی تکمیل کو پہنچ جائے جس سے ایک دنیاوی معاملے میں اس کی جزوی کامیابی یقینی ہو جائے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ کیا ایک مسلمان کا قرآن عظیم کی تلاوت سے منہ پھیرنا بصیرت کا اندھا پن اور جہالت نہیں ہے جبکہ اس میں بے پایاں دنیاوی اور اخروی بھلائیاں اور برکتیں مضمر ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ تحریری شکل میں ضمانت دی گئی ہے۔

تلاوت قرآن پر سکینت، رحمت اور فرشتوں کا نزول

قرآن کی تلاوت، اس کی تعلیم کے حصول اور ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دینے کے

لیے اجتماع کرنے کی بڑی فضیلت ہے، خاص طور پر اگر یہ اجتماع مسجد میں ہو جو مومنوں کے دلوں کا ٹھکانا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللَّهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ، وَيَتَذَكَّرُونَ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»

”اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں لوگ جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو اس کا درس دیتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ ان کا تذکرہ ان فرشتوں کے روبرو کرتا ہے جو اس کے پاس موجود ہوتے ہیں۔“^①

یہ حدیث ان عظیم بشارتوں میں سے ایک ہے جن کی خوش خبری نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو دی جو قرآن کریم کی تلاوت اور آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دینے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں، بلاشبہ آپ نے قرآن کریم کے درس و تدریس کی بڑی ترغیب دی ہے کیونکہ اس میں لوگوں کی عزت، شرف اور ان کے احوال کی اصلاح ہے، نیز اس میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ اس اجر و ثواب میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ ان کا اجتماع مسجد میں ہو یا اس کے باہر کسی مدرسے یا گھر میں ہو۔

جو شخص بھی اس مبارک و مسعود مجلس میں حاضر ہوتا ہے وہ چار عظیم انعامات حاصل کرتا ہے:

✽ نزول سکینت: تلاوت قرآن کریم اور اس میں تدبر کرنے کے لیے جمع ہونے والوں کو جو پہلا انعام اور تحفہ دیا جاتا ہے وہ ان پر نزول سکینت ہے جو طمانیت اور دلی راحت و سکون کا

① صحیح مسلم، الذکر، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذکر، حدیث: 2699

نام ہے، لہذا جس قلق، افسوس، اضطراب، نفسیاتی بیماریوں، لایخل مسائل اور خوفناک امور سے آج عام لوگوں کے دل بھرے ہوئے ہیں اور انھوں نے ان کی زندگی کو ایسا جہنم بنا دیا ہے جسے برداشت کرنے کی ان میں طاقت نہیں، تلاوت کے لیے جمع ہونے والے لوگ ان میں ہرگز مبتلا نہیں ہوتے۔^❶

سکینت سے مراد ایسا سکون اور طمانیت ہے جس سے دل پوری طرح مطمئن ہو جاتا ہے اور اسے وحشتوں سے سکون میسر آ جاتا ہے۔^❷

اکثر اوقات دل حزن و ملال سے بھرا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں مومن جب اپنے بھائیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ارد گرد حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دیتے ہیں تو اس حالت میں دل کے تمام غم دور ہو جاتے ہیں اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے دل و دماغ میں رنج و غم نے آشیانہ بنا لیا ہے اور وہ اپنے غم و آلام سے نجات پانے کے لیے دم بدم نفسیاتی بیماریوں کی علاج گاہوں میں پناہ لیتے ہیں؟ وہ ان مجلسوں سے دور کیوں ہیں جن کے شرکاء پر سکینت نازل ہوتی ہے؟ ان کے لیے ایک ہی راہ نجات ہے کہ وہ نافرمانیوں سے بچیں، گناہوں کی زندگی ترک کر دیں اور راحت و سکینت کی ان نورانی محفلوں میں آ بیٹھیں جہاں قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے دلوں سے گناہوں کی آلائش دھو ڈالیں، اپنے آپ کو پاکیزہ اور مطہر بنا لیں اور تکالیف سے راحت اور سکون حاصل کر لیں۔^❸ جو نہی وہ قرآنی تعلیم کے حلقوں میں آئیں گے، ان کے سارے دکھ دور ہو جائیں گے۔

❖ رحمت کا ڈھانپنا: رحمت اہل قرآن کے قریب ہے بلکہ وہ ان کی مجالس کو ڈھانپ لیتی

❶ ورتل القرآن ترتیلاً، ص: 15

❷ تحفة الأحوذی: 156/8

❸ أنوار القرآن، ص: 107-108

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہے جسے اہل دنیا جمع کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝﴾

”اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“^①

اس آیت مقدسہ کی رو سے یہ حقیقت اجاگر ہو جاتی ہے کہ تلاوت قرآن اور کتاب اللہ کے درس و تدریس کی مجلس میں شرکت کرنے والے افراد جس عظیم خیر اور بھلائی کی خوشہ چینی کرتے ہیں، اس کا مقابلہ اور برابری وہ ساری چیزیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں جنہیں اہل دنیا جمع کرتے رہتے ہیں کیونکہ وہ سب فنا پذیر ہیں۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کی طرف اپنی وحی کو ”الرَّحْمَةُ“ کے نام سے موسوم کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا:

﴿قَالَ يَقُومُوا آذَنُيْتُمْ اِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَالتَّبٰىيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِيْ﴾

”نوح نے کہا: اے میری قوم! دیکھو تو، اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح ہدایت پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت (وحی) بخشی ہو۔“^②

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی، علم اور حکمت کے لیے چن لیا تھا، وہ اسی خصوصیت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

اس طرح حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَالْتَّبٰىيْ مِنْهُ رَحْمَةً﴾

”اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (وحی) دی ہے۔“^③

قرآن عظیم اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اسے ”الرَّحْمَةُ“ کا نام دیا جائے، چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ
لِّلْمُسْلِمِينَ ۝﴾

”اور ہم نے آپ پر ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی یہ کتاب نازل کی ہے جو مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوش خبری ہے۔“^۱

جب اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اور اس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہے:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط﴾

”اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔“^۲

تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اہل قرآن اور اس کی تلاوت کرنے والوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لینا بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔

✽ فرشتوں کا گھیرنا: قرآن کریم کی تدریس و تشریح کے بلند پایہ کام کی عزت افزائی کے لیے معزز فرشتے اپنے پر پھیلا کر اہل قرآن کو گھیر لیتے ہیں۔

بلاشبہ ایک مرتبہ معزز فرشتے نازل ہوئے اور جلیل القدر صحابی حضرت اسید بن خضیر رضی اللہ عنہ کے قریب آگئے جبکہ اس وقت وہ قرآن کریم پڑھ رہے تھے۔ حضرت اسید بن خضیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ سُورَةَ الْبَقَرَةِ . . . إِلَى أَنْ قَالَ : فَرَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى السَّمَاءِ ، فَإِذَا مِثْلُ الظِّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ ،

۱ النحل 89:16. النهج الأسنى فى شرح أسماء الله الحسنى: 78/1

۲ الأعراف 156:7

فَخَرَجْتُ حَتَّى لَا أَرَاهَا، قَالَ: وَتَذَرِي مَا ذَلِكَ؟ قَالَ: لَا،
قَالَ: "تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ ذَنُتْ لِمَصَوَّتِكَ، وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَضْبَحْتُ يَنْظُرُ
النَّاسُ إِلَيْهَا، لَا تَتَوَارَى مِنْهُمْ"

”میں رات کو سورہ بقرہ کی تلاوت کر رہا تھا..... (اچانک) میں نے اپنا سر آسمان کی
طرف اٹھایا تو ناگہاں دیکھا کہ سائبان کے مانند کوئی چیز ہے جس میں چراغوں جیسی
روشنی جھللا رہی ہے، پھر وہ روشنی دور ہونے لگی حتیٰ کہ میری نظر سے وہ سائبان نما چیز
اوجھل ہو گئی۔ (یہ ماجرا سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تو جانتا ہے وہ کیا تھا؟“
میں نے جواب دیا ”نہیں!“ آپ نے فرمایا: ”وہ فرشتے تھے جو تیری آواز سننے کے
لیے تیرے قریب آ گئے تھے۔ اگر تو پڑھتا رہتا تو وہ یہیں صبح کر دیتے اور لوگ انھیں
دیکھتے جبکہ وہ ان سے اوجھل نہ ہوتے۔“¹

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس میں تلاوت قرآن کی فضیلت عیاں ہے کہ بلاشبہ وہ
رحمت کے نزول اور فرشتوں کے حاضر ہونے کا سبب ہے۔“²

❁ اللہ تعالیٰ کا اپنے ہم مجلس فرشتوں میں تذکرہ کرنا: نبی اکرم ﷺ کے فرمان
”ذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ“ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود انبیائے کرام
اور معزز فرشتوں میں ان کی تعریف فرماتا ہے اور انھیں انعام اور ثواب دیتا ہے۔³

اس سے زیادہ باعزت اور باعظمت مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام
اپنے فقیر، ضعیف اور ناتواں بندے کا تذکرہ خیر اپنے قریب موجود معزز فرشتوں کی محفل
میں فرمائے۔

❶ صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب نزول السکینۃ و الملائکۃ، حدیث: 5018

❷ فتح الباری 81:9

❸ عون المعبود شرح سنن أبی داود: 230/4

جب کسی مسلمان کو یہ پتہ چلے کہ بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ اپنے مصاحبین اور مقربین میں اس کی مدح سرائی کرتا ہے تو کیا اس کا دل مسرت سے لبریز نہیں ہو جائے گا؟ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی بے مثال ہے۔ وہ بے ہمتا قادر مطلق ہے۔ پس اس آدمی کی کیا حالت ہوگی جسے یہ معلوم ہو جائے کہ رب ذوالجلال اپنے اعلیٰ اور معزز فرشتوں میں اس کی تعریف کرتا ہے، کیا وہ اس سے خوشی محسوس نہیں کرے گا؟

بلاشبہ یہ بات قرآن کریم کی تلاوت، درس و تدریس اور اس پر تدبر اور عمل کے لیے قائم ہونے والی بابرکت مجالس کی طرف جلد از جلد جانے پر مجبور کرنے کے لیے سب سے عظیم محرک ہے۔

پس اہل قرآن کو اس فضل عظیم اور رفیع الشان قدر و منزلت کی خوش خبری ہو۔ تعجب ہے اس شخص پر جو ان زبردست فضائل کے باوجود قرآن عظیم کی مجالس میں نہ جائے اور سستی اور کسل مندی کا مظاہرہ کرے۔¹

تلاوت قرآن سراسر خیر ہی خیر ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ»

”قرآن کریم کی مہارت رکھنے والا (روز قیامت) معزز اور نیکو کار فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور انک انک کر اسے پڑھتا ہے اور اس سے اسے مشقت اٹھانی پڑتی ہے تو اس کے لیے دو گنا اجر ہے۔“²

¹ أنوار القرآن، ص: 111، ورتل القرآن ترتیلاً، ص: 15

² صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب الماهر بالقرآن،.....، حدیث: 798

✽ قرآن کریم کا ماہر: یہ اس شخص کے لیے عظیم بشارت ہے جو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتا ہے، اس کی تلاوت مستحکم کرتا ہے اور کثرت سے اسے پڑھتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کا ماہر بن جاتا ہے تو وہ سفیروں کے ساتھ ہوگا۔ سفیروں سے مراد یا تو رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا یا پھر اس سے مراد مقرب فرشتے ہیں۔ اس کے فرشتوں کی معیت میں ہونے کا سبب یہ ہے کہ ماہر قرآن بھی ان کی اس خصوصی صفت سے متصف ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے انہیں خصوصی شرف ملا ہے اور وہ صفت ہے حامل قرآن ہونا، اس کی تبلیغ کرنا اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔^❶

✽ دو گنا اجر والا: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور مسلمانوں کے لیے قرآن کریم کی سہولت رسانی ہے کہ جو شخص بھی قرآن عظیم کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کی تلاوت کرتا اور اس میں غور و فکر کرتا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم ہے، چاہے وہ قراءت قرآن میں ماہر ہو یا اسے انک انک کر پڑھتا ہو اور جو شخص اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے اور اس پر تلاوت قرآن دشوار ہے، اس کے لیے دو گنا اجر ہے۔ ایک اجر تلاوت پر ہے اور دوسرا اجر مشقت پر ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس آدمی کے لیے دو گنا اجر ہے، کیا وہ ملحوظ اجر ماہر قرآن سے بڑھ کر ہے؟

اس سوال کا جواب امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ جو شخص قرآن انک انک کر پڑھتا ہے اس کا اجر ماہر قرآن سے زیادہ ہے، بلکہ ماہر افضل ہے اور اجر کے اعتبار سے بڑھ کر ہے کیونکہ وہ سفیروں کے ساتھ ہے اور اس کے لیے کثیر تعداد میں اجر عظیم ہیں۔ یہ مقام و مرتبہ ماہر قرآن کے علاوہ کسی دوسرے کا نہیں بتایا گیا، لہذا وہ شخص

❶ شرح النووی: 85/6، ورتل القرآن ترتیلاً، ص: 19

ماہر قرآن کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جس نے کتاب مقدس کو حفظ کرنے، اسے پختہ، اس پر عبور حاصل کرنے اور کثرت تلاوت و روایت میں ماہر قرآن کے اہتمام کی طرح کوئی اقدام نہیں کیا تا آنکہ وہ بھی ماہر قرآن بن جائے۔“^۱

ماہر قرآن بذات خود بھی کبھی انک انک کر پڑھتا تھا اور قرآن اس پر دشوار تھا مگر اس نے محنت کی اور اس قدر ترقی کی کہ اس کو فرشتوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔^۲

یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی کیا مسلمان اسی بات پر راضی ہے کہ قرآن کریم اس پر دشوار ہو اور وہ ہمیشہ اس کی تلاوت میں مشقت اٹھائے اور انک انک کر ہی پڑھتا رہے؟

سخت ملامت اور عتاب ہے ان لوگوں پر جو قرآن کریم کی تلاوت میں اکتتے ہیں، حالانکہ قرآن کا ان پر دشوار ہونا ان کے اپنے اختیار پر موقوف ہے کیونکہ وہ علم میں اور قراءت کی تفہیم میں ایک درجہ رکھتے ہیں یا پھر وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو بلند علمی اسناد کے حامل ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس میں کوتاہی کرنے والے ہیں۔ ان کی اس کوتاہی کا سبب دو ایسے امور ہیں کہ ان میں سے جو بہتر ہے وہ بھی برا ہے:

✽ یا تو انھوں نے ابتدا ہی سے کتاب اللہ کو اہمیت نہیں دی، اسے فضول سمجھا اور اس سے منہ موڑا تو ان پر تلاوت قرآن دشوار ہو گئی۔ پس ان لوگوں نے قرآن کریم کی بالکل تعلیم حاصل نہیں کی۔

✽ یا انھوں نے قرآن کریم کی قراءت سیکھی، پھر اس سے منہ پھیر لیا، اسے ترک کر دیا، پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی اور وہ اس کے اجر سے لاپرواہ ہو گئے تو اس کے بعد ان پر تلاوت قرآن دشوار ہو گئی۔ اگر انھوں نے اپنی کوتاہیوں کا تدارک نہ کیا تو وہ شدید خطرے میں ہیں۔ ان

۱ شرح النووی: 326/6

۲ التذکار فی أفضل الأذکار، ص: 83

کی اس کوتاہی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اشارہ ہے:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يُوبْتُ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝﴾

”اور رسول کہیں گے: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔“^۱

مذکورہ حدیث میں اس بات کا قوی اشارہ ہے کہ مسلمان جس حالت میں بھی ہو اس کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ تلاوت قرآن عظیم سے بے رخی برتے، خواہ تلاوت کرنے میں ماہر، مضبوط اور پختہ ہو یا تلاوت میں مہارت حاصل کرنے کی قدرت میں کمزور ہو اور اپنی کمزوری کو تلاوت قرآن سے رُوگردانی کی حجت بنا لے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سخت محنت اور لگاتار مشق عنقریب اسے خوبصورت تلاوت تک پہنچا دے گی۔ بسا اوقات بعد میں یہی چیز اسے بہترین حفظ قرآن کا اعزاز دلائے گی۔ یہ بات تجربے سے ثابت شدہ ہے کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ اسے آسان فرما دے اور اسے اس کی توفیق دے، اس کے لیے یہ نہایت آسان کام ہے۔^۲



حفظِ قرآن کریم کے فضائل

قرآن کریم کا حصول دراصل اسے حفظ کرنا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿بَلْ هُوَ آيَةٌ بَيِّنَةٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾

”بلکہ یہ قرآن تو واضح آیات ہیں، ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں جنہیں علم دیا گیا۔“^❶

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے صلحاء کے دلوں کو اپنے کلام کے لیے محفوظ برتن اور آیاتِ قرآن کے حفظ کے لیے ان کے سینوں کو اوراق بنا کر اس امت کو عزت بخشی ہے۔

ایک حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا:

«إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِابْتِلَايِكَ وَأَبْتَلِيَّ بِكَ، وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ، تَقْرُوهُ نَائِمًا وَيَقْظَانِ»

”بے شک میں نے تجھے اس لیے مبعوث کیا ہے تاکہ تجھے اور تیرے ذریعے سے لوگوں کو آزمائوں۔ تجھ پر میں نے ایسی کتاب نازل کی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا اور

آپ اسے سوتے اور جاگتے ہوئے پڑھیں گے۔“^①
اس حدیث قدسی کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن عظیم سینوں میں اس طرح محفوظ ہے کہ اس کا وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں اور وہ مردِ زمانہ کے باوجود باقی رہے گا۔^②
اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے ان کے لیے قرآن کریم حفظ کرنا آسان بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّكْذِرٍ ۝﴾

”اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟“^③

”یعنی ہم نے قرآن کریم حفظ کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے اور جو شخص اسے حفظ کرنے کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کی اعانت کرتے ہیں، پھر کیا کوئی اسے حفظ کرنے کا طالب ہے تاکہ اس پر اس کی مدد کی جائے؟“^④

واقعات اور مشاہدات حفظ قرآن کے آسان ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ بلاشبہ ہر نسل اور ہر گروہ کے خوش بخت افراد نے اس قدر بہتات سے قرآن کریم حفظ کیا ہے کہ ان کی تعداد شمار کرنا ناممکن ہے۔ ان میں سے کوئی شخص بھی، خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، قرآن کریم کے کسی کلمے میں غلطی کرتا ہے نہ کسی حرف میں، حالانکہ اکثر عجمی حفاظ عربی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے۔ بسا اوقات ان میں سے بعض حفاظ زبانی طور پر قراءت سبع عشرہ پڑھتے ہیں۔^⑤

① صحیح المسلم، الحنة و نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها.....، حدیث: 2865

② صحیح مسلم بشرح النووي: 204/17

③ القمر 54: 40, 32, 22, 17

④ تفسیر القرطبی: 134/17

⑤ کیف تتوجه إلى العلوم و القرآن الكريم مصدرها، الدكتور نور الدين عتر، ص: 83-84

امام ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر کو قرآن کا اعجاز اور ان خصائص میں سے ایک خاص وصف بتایا ہے جن کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کی دیگر کتب سے ممتاز ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”انسانوں کی تمام زبانوں پر قرآن کریم کا آسان ہونا اس کا بہت بڑا اعجاز ہے حتیٰ کہ اسے عجمی اور گونگے افراد نے بھی حفظ کیا ہے اور حفظ قرآن کے مانند کوئی اور کتاب حفظ نہیں کی جاسکتی..... یہ صرف اور صرف الہی خصائص ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو دیگر کتابوں پر ابدی فضیلت عطا کی ہے۔“^۱

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسے اقدامات التزاماً اختیار فرمائے جن کی بدولت قرآن کریم حفظ کرنے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی ہو، چنانچہ آپ صحابہ کرام کی اہلیت و مرتبت قرآن کریم کے حفظ کے اعتبار سے متعین فرماتے تھے۔ آپ جہنڈا سے عطا فرماتے تھے جو قرآن کریم کے حفظ میں زیادہ ماہر ہوتا تھا۔ آپ جب کسی لشکر کو بھیجتے تو اس کا امیر اسے مقرر فرماتے جسے قرآن کریم زیادہ یاد ہوتا اور نماز میں اس شخص کو امام مقرر کرتے تھے جو قرآن کریم کا زیادہ قاری ہوتا۔ شہدائے اُحد کو اجتماعی قبروں میں اتارتے وقت اس آدمی کو اولیت دی جو قرآن کریم کا زیادہ حافظ تھا۔ بسا اوقات یوں بھی ہوا کہ آپ نے کسی آدمی کی شادی بطور حق مہر اس قرآن کی بدولت کر دی جو اس کے حافظے میں محفوظ تھا۔^۲

زیر نظر نکات کی روشنی میں ہماری گفتگو کا محور یہی حفظ قرآن ہے۔

حافظ قرآن کی عظمت و رفعت

جب مومن جنت میں داخل ہوں گے تو اس وقت حافظ قرآن کی شان منفرد اور عجیب ہوگی کہ وہ غیر حافظ کے مقابلے میں جنت کے بلند درجات پر چڑھے گا تا کہ اس کی قدر و منزلت

^۱ أعلام النبوة، ص: 69

^۲ ورتل القرآن ترتیلاً، ص: 69

بلند تر ہو جائے اور جس طرح دنیا میں اس کا درجہ دوسروں سے فائق تھا، اسی طرح آخرت میں بھی اس کا مقام و مرتبہ دوسروں سے ممتاز تر ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُقَالُ لِمُصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ وَارْتَقِ، وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُهَا»

”صاحب قرآن سے (روز قیامت) کہا جائے گا، قرآن پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور اسی طرح ترتیل کے ساتھ آہستہ آہستہ تلاوت کر جیسے تو دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا۔ تیری منزل وہ ہوگی جہاں تو آخری آیت کی تلاوت کرے گا۔“^۱

یہ حدیث قرآن کریم حفظ کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور اس میں مصحف سے دیکھ کر تلاوت کرنے والے کے بجائے قرآن کریم کو زبانی یاد کرنے والے شخص کی عزت افزائی کرتے ہوئے اس کی تخصیص کی گئی ہے۔

ابن حجر ہمتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مذکورہ حدیث اس شخص کے لیے خاص ہے جو قرآن کریم زبانی پڑھتا یا حفظ کرتا ہے نہ کہ اس شخص کے لیے جو مصحف سے محض اس کی تلاوت کرتا ہے کیونکہ لکھی ہوئی چیز سے قراءت کے معاملے میں لوگوں میں کوئی فرق نہیں اور نہ قلت و کثرت کے اعتبار سے ان میں کوئی تفاوت ہے۔ ان کے مابین جو فرق ہے وہ صرف اور صرف قرآن کریم کو حفظ کرنے میں ہے، لہذا حفظ میں ان کے تفاوت کے مطابق جنت میں ان کے مراتب میں فرق و امتیاز ہوگا۔“^۲

اس مقام و منزلت پر فائز ہونے کی چند شرائط ہیں جنہیں شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنے الفاظ میں

۱ سنن أبی داود، الوتر، باب کیف یستحب الترتیل فی القراءة، حدیث: 1464

۲ الفتاویٰ الحدیثیہ، ص: 156

یوں بیان فرمایا ہے:

”اس حدیث میں حافظ قرآن کی فضیلت صاف ظاہر ہے لیکن اس کی ایک شرط ہے کہ یہ حفظ خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہو، اور درہم و دینار کے لیے نہ ہو۔ بصورت دیگر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَكْثَرُ مُنَافِقِي أُمَّتِي قُرْأُوهَا»

”میری امت کے اکثر منافق اس کے قراء ہیں۔“^①

پس مخلص حافظ قرآن کے لیے کتنی سعادت ہے جب اس سے کہا جائے گا: پڑھتا جا، چڑھتا جا اور آہستہ آہستہ ترتیل کے ساتھ پڑھ، بلاشبہ تیری منزل وہ ہوگی جہاں تو آخری آیت کی تلاوت کرے گا۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کس قدر بلندی تک جا پہنچے گا؟“

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ تلاوت قرآن ان کے لیے فرشتوں کی تسبیح کے مانند ہے۔ یہ تلاوت انھیں حصول لذات میں مشغول نہیں کرے گی، بلکہ وہ بذات خود ان کے لیے سب سے زیادہ باعث لذت ہوگی۔“^②

حافظ قرآن دنیا و آخرت میں مقدم ہے

✽ حافظ قرآن عام لوگوں کی نسبت قیادت کا زیادہ اہل ہے، اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو قرآن کریم کے ذریعے سے رفعتیں عطا فرمائیں، ان میں سے ایک آخری صفار صحابہ کرام

① السلسلة الصحيحة: 284/5، مسند أحمد: 175/2 مسند کے محققین نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے (213:11) اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے السلسلة الصحيحة (386/2)، حدیث: (750) میں ذکر کیا ہے۔

② عون المعبود: 237/4-238

سے تعلق رکھنے والے حضرت عبدالرحمن بن ابی الزعاعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ حضرت نافع بن حارث رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ *

حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضرت نافع بن حارث رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مقام عُسفان پر ملاقات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مکہ مکرمہ کا عامل (گورنر) مقرر فرمایا تھا، انھوں نے پوچھا: ”اہل وادی پر آپ نے کسے عامل مقرر کیا ہے؟“ انھوں نے جواب دیا: ”ابن ابی کو۔“ پوچھا: ”ابن ابی کون ہے؟“ انھوں نے جواب دیا: ”ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک ہے۔“ فرمایا: ”تم نے لوگوں پر ایک آزاد کردہ غلام کو نائب (عامل) مقرر کر دیا ہے؟“ انھوں نے جواب دیا: ”بلاشبہ وہ کتاب اللہ کا قاری اور علم وراثت کا عالم ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا:

«إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ»

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے بہت سی قوموں کو بلند مقام پر فائز فرمائے گا اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلیل و خوار کرے گا۔“ *

پس یہ آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک سابق غلام جس کے پاس کوئی جاہ و جلال تھا نہ مال و دولت، اس کا کوئی حسب و نسب تھا نہ معاشرے میں کوئی بڑا رتبہ، اہل دنیا کے پیمانے کے مطابق وہ دوسروں کی نسبت اجتماعی سیڑھی کے نچلے درجے پر ہوتا تھا لیکن قرآن کریم کا پیمانہ دوسرا ہے اور اس کے ہاں اس کا مقام بھی کچھ اور ہے، چنانچہ قرآن کریم نے اسے آزاد کردہ غلام کے درجے سے اٹھا کر فرماں روائی کے منصب تک پہنچا دیا۔ قرآن کے علم نے اسے یہ صلاحیت عطا کر دی کہ وہ لوگوں کو حکم دے اور ان کے مابین فیصلے کرے۔ پس

① الإصابۃ: 149/4، تقریب التہذیب: 472/1 و سیر أعلام النبلاء: 201/3

② صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل من يقوم بالقرآن.....، حدیث: 817

اس کی زبان سے جاری ہونے والے کلمات نافذ ہونے لگے اور معاشرہ اس کی رائے کو کان لگا کر سننے لگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے عالم اور حافظ کے مقام و مرتبہ اور فضیلت سے اچھی طرح واقف تھے، اسی لیے انھوں نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ کے اس انتخاب کو برقرار رکھا، اس کی توثیق فرمائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد کیا:

«إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ»

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے بہت سی قوموں کو بلند مقام پر فائز کرے گا اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلیل و خوار کرے گا۔“^{۱۰}

✽ حافظ قرآن امامت کا زیادہ اہل اور حق دار ہے: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَوْمُ الْقَوْمِ أَقْرَوْهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ . . . »

”قوم کی امامت وہ شخص کرائے جو ان میں کتاب اللہ کا زیادہ اچھا قاری ہے.....“

یہ حافظ قرآن کی فضیلت کے مقامات میں سے دوسرا مقام ہے کہ وہ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہونے والے تمام لوگوں سے مقدم ہے۔

✽ حافظ قرآن باہمی مشورے میں مقدم ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«كَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجْلِسٍ عُمَرَ وَمُشَاوَرَتِهِ، كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا»

”حضرت عمرؓ کی مجلس مشاورت کے شرکاء قاری صاحبان ہوتے تھے، چاہے وہ

❖ أنوار القرآن، ص: 248

② صحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة، حديث : 673

١٠ بوڑھے ہوتے یا جوان۔“

✽ حافظ قرآن دفن میں بھی مقدم ہے: جس طرح اللہ تعالیٰ نے حافظ قرآن کی شان اور مرتبے کو دنیا میں بلند کیا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی اس کے لیے امتیازی شان بنائی ہے، چنانچہ وہ موت کے بعد بھی دوسرے لوگوں پر قابل ترجیح رہنے کا مستحق ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أَحَدٍ، ثُمَّ يَقُولُ: أَيُّهُمَا أَكْثَرَ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟ فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، فَقَالَ: أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هَؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد کے شہیدوں میں سے ہر دو آدمیوں کو ایک قبر میں جمع کر رہے تھے اور اس موقع پر آپ فرماتے تھے: ”ان میں سے قرآن کریم کو زیادہ یاد کرنے والا کون ہے؟“ جب ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کر دیا جاتا تو آپ اسے لحد میں دوسرے سے پہلے رکھتے، پھر فرماتے: ”میں روز قیامت ان سب پر گواہ ہوں گا۔“

جب قرآن کریم کی وجہ سے شہداء کے مابین برتری اور تفاوت کے مدارج ہیں تو جیتے جاگتے زندہ لوگوں میں حافظ قرآن کی برتری اور امتیاز ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝﴾

١ صحیح البخاری، التفسیر، باب ﴿أَخْذًا الْعَفْوُ وَأَمْرٌ.....﴾، حدیث: 4642

٢ صحیح البخاری، الجنائز، باب اللحد و الشق فی القبر، حدیث: 1353

”لہذا شائقین کو اسی کا شوق کرنا چاہیے۔“^۱

پس مسلمان کو چاہیے کہ وہ حفظ قرآن کے زبردست فضائل پر خوب غور کرے۔ یہ عمل دلجمعی سے حفظ قرآن اور کثرت تلاوت کی طرف رہبری کا باعث ہوگا۔^۲

حافظ قرآن کے متنوع فضائل

● اہل اللہ ہونا: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے حاملین کی اس قدر عزت افزائی فرمائی ہے کہ اس نے انہیں اہل اللہ اور برگزیدہ افراد قرار دیا ہے۔ یہ قرآن عظیم کے حفاظ کی تکریم اور ان کا عظیم شرف ہے۔ دنیا میں جس شرف کے حصول کی بھی لوگ کوشش کرتے ہیں، ان میں سے کوئی شرف بھی اس کے پاسنگ نہیں ہو سکتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لِلَّهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ أَهْلُ الْقُرْآنِ، أَهْلُ اللَّهِ وَخَاصَّتُهُ»

”بے شک لوگوں میں سے (بعض لوگ) اہل اللہ ہیں۔“ صحابہ کرام نے پوچھا:

”اے اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”وہ اہل قرآن ہیں۔ وہی

اہل اللہ اور اس کے برگزیدہ اور خواص لوگ ہیں۔“^۳

جب مخلوق میں سے کوئی فرد دوسرے کو اپنا مصاحب خاص بناتا ہے تو وہ اسے اپنے قریب کر لیتا ہے اور اس پر اکرام، نوازشات، بخشش و عطا اور محبت کی بوچھاڑ کر دیتا ہے۔ پس اللہ

۱ المطففين 26:83

۲ أنوار القرآن، ص: 250

۳ سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب: فضل من تعلم القرآن و علمہ، حدیث: 215۔ اسے شیخ

البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح ابن ماجہ: 42/1، حدیث: 178)

کے بارے میں کیا گمان ہے جو وحدہ لا شریک، مالک الملک، بادشاہوں کا بادشاہ، ذوالجلال والاکرام اور فقید المثال ہے۔ ہر انسان مال و دولت، جاہ و حشمت، اعلیٰ مناصب اور شہرت رکھنے والے افراد میں سے جس کی طرف بھی مائل اور اس کا شیدائی ہو اور وہ (محبوب) اس شیدائی (محب) کی طرف کوئی خوبی منسوب کرے اور ہر لغت اور قاموس کھنگال کر اس کے لیے زیادہ سے زیادہ شان دار اسلوب ثنا خوانی تلاش کرے تو کیا وہ اس وصف سے زیادہ کامل کوئی وصف لاسکتا ہے جس سے حاملین کتاب اللہ کو متصف قرار دیا گیا ہے کہ وہ (أَهْلُ اللَّهِ وَخَاصَّتُهُ) ”اللہ والے اور خواص“ ہیں؟^①

✽ حافظ قرآن صاحب علم ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے حفاظ کی ثنا خوانی یوں بھی کی ہے کہ اس نے اپنی کتاب کو حفاظ کرام کے سینوں میں واضح آیات قرار دیا ہے اور یہ بے مثل تعریف صرف حفاظ کرام ہی کے لیے خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾

”بلکہ یہ قرآن تو واضح آیات ہیں، ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔“^②

پس حافظ قرآن کے فخر و شرف کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت بخشی ہے اور اسے قرآن کریم کی حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے کیونکہ قرآن عظیم کی آیات حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہیں اور یہ چیز دین اور شریعت کی حفاظت کے وسائل میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر بفرض محال کوئی طاغوتی گماشتہ سطور قرآن کی تحریف کی ناپاک جسارت کرے، تب بھی وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ حفاظ کرام کے سینوں

① حفظ القرآن الکَرِیم، ص: 15، أنوار القرآن، ص: 239

② العنکبوت 49:29

تک اس کی رسائی ناممکن ہے۔

✽ حاملین قرآن کی جہنم سے آزادی: ہر مسلمان کی سب سے بڑی طلب اور جستجو یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے اور جنت میں داخل فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے حفاظ کرام کے سینوں میں محفوظ کلام الہی کی عظمت کی وجہ سے ان کے پاکیزہ جسموں کو جہنم میں جلنے سے بالکل محفوظ رکھ کر اور آگ سے نجات دے کر انھیں عزت بخشی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ كَانَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ مَّا أَكَلَتْهُ النَّارُ»

”اگر قرآن کریم کسی چمڑے میں محفوظ ہوتا تو اسے آگ نہیں کھا سکتی۔“^❶

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کو کسی چمڑے میں لپیٹ دیا جائے تو اس کتاب عظیم کی ہمسائیگی اور تعلق کی برکت سے اسے آگ نہیں چھوئے گی، پھر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس مومن کا کیا حال ہوگا جس نے قرآن کریم حفظ کیا اور اس پر ثابت قدمی دکھائی۔ یہاں آگ سے مراد اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔

پس خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جس نے کتاب اللہ کو حفظ کیا، اسے اپنے سینے میں جمع کیا اور اس کے مطابق عمل کیا۔ اسے جہنم کی آگ سے نجات کی بشارت مبارک ہو۔ یہ عظیم الشان اعزاز قرآن کریم حفظ کرنے کے بے مثل فضائل میں سے ہے تو پھر کیا کوئی ہے جو کلام الہی کو حفظ کرنے کی ہمت دکھائے؟

❶ مسند أحمد: 155/4، حدیث: 17456 شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”حسن“ قرار دیا ہے۔ (صحیح

الجامع الصغیر: 953/2، حدیث: 5686)

قرآن کریم پر عمل کرنے کے فضائل و برکات

قرآن کریم نازل کرنے کا سب سے عظیم مقصد یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے، اس کے احکام کی پابندی کی جائے اس کے نواہی سے اجتناب کیا جائے، اس کے پسند و نصائح سے نصیحت حاصل کی جائے، اس کی حدود پر وقوف کیا جائے اور انفرادی و اجتماعی اور معاشرتی و شہری زندگی میں اسے عملی طور پر نافذ کیا جائے۔ صاحب قرآن کو اس کا پورا پورا اجر صرف اسی صورت میں دیا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھال لے، اس بابرکت ہدایت سے رہنمائی حاصل کرے اور دن رات اسی کے مطابق عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ط﴾

”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت کا حق ہے۔“^①

یعنی وہ اس کا اسی طرح اتباع کرتے ہیں جس طرح اس کے اتباع کا حق ہے اور اس پر عمل کرتے ہیں جس طرح اس پر عمل کرنے کا حق ہے۔^②

بلاشبہ جس مکرم ترین شخصیت نے کتاب اللہ پر عمل کیا، اپنے ظاہر و باطن میں اسے نافذ کیا اور قرآن ہی اس کا خلق بن گیا، وہ ہمارے نبی اور ہمارے رہنما حضرت محمد ﷺ ہیں جن کے خلق کی اللہ تعالیٰ نے اس طرح تعریف کی ہے:

﴿وَأِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝﴾

”اور یقیناً آپ خلقِ عظیم پر (کاربند) ہیں۔“^①

اس آیت کریمہ کی بہترین وضاحت اور تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر فرمائی۔ سعد بن ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا:

«يَا أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ! أَنْبِئْنِي عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَتْ: أَلَسْتُ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَتْ: فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ كَانَ الْقُرْآنُ»

”اے ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ ﷺ کے خلق کے بارے میں بتائیے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”کیا تم نے قرآن کریم نہیں پڑھا؟“ میں (سعد) نے کہا: ”کیوں نہیں؟“ تو انھوں نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کا خلق قرآن ہے۔“^②

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس کا مطلب ہے قرآن کریم پر عمل کرنا، اس کی حدود کے پاس قیام کرنا، اس کے آداب ملحوظ رکھنا، اس کی امثال اور واقعات سے عبرت حاصل کرنا، اس میں غور و فکر کرنا اور احسن انداز سے اس کی تلاوت کرنا۔“^③

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے مفہوم کے بارے میں فرماتے ہیں: ”اس کا مفہوم

① القلم 4:68

② صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل.....، حدیث: 746

③ صحیح مسلم بشرح النووی: 268/5

یہ ہے کہ رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام قرآن کریم کے اوامر و نواہی کا عملی نمونہ بن گئے تھے۔ قرآن آپ کی عادت اور آپ کا اختیار کردہ خلق تھا۔^❶

قرآن کریم اپنے اسرار اسی شخص پر عیاں کرتا ہے اور اسی کو فائدہ پہنچاتا ہے جو اس پر عمل کرتا ہے اور اس دنیا میں اس کے دلائل و مباحث کی تحقیق کے لیے اس کے مطابق متحرک ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایسے شخص کے لیے قرآن اپنے اسرار کھولتا ہے نہ اسے فائدہ پہنچاتا ہے جو اسے صرف حصول تبرک کے لیے، فنی یا علمی تحقیق کے لیے یا صرف اسلوب بیان کی جستجو میں پڑھتا ہے۔

قاری قرآن کو اپنی عملی زندگی میں قرآن کریم نافذ کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی ہدایت سے رہنمائی لینے کی مناسبت ہی سے اجر و ثواب ملے گا۔ یہ کلیہ تو ناقص انسانی قوانین پر بھی لاگو ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے اسے کیوں نہیں ملحوظ رکھا جائے گا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط﴾

”باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔“^❷

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝﴾

”اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔“^❸

فرض کیجیے کسی شخص نے اپنے ملک کا قانون زبانی یاد کیا ہو لیکن وہ اس قانون کی مخالفت

❶ تفسیر ابن کثیر: 164/8

❷ خم السجدة 42:41 ❸ النساء 82:4

کرے یا اس کی پابندی نہ کرے اور اسے نافذ کرنے کی پروا نہ کرے تو کیا وہ قانون اسے کوئی فائدہ پہنچائے گا یا ایسے شخص کا یہ رویہ قابل قبول ہوگا؟

یا ایک طبیب ہے جس نے طبی اصولوں کا علم حاصل کیا، انھیں سمجھا اور خوب ازبر کیا، پھر وہ ان اصولوں سے ہٹ کر مریضوں کا علاج کرنے لگا تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟

جب یہ باتیں دنیا کے وضعی قوانین میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کی تلاوت کرنا، سننا اور اس کا مفصل مطالعہ ذریعہ عبادت ہے؟ یہ عبادت اور اس پر مرتب ہونے والا اجر اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ ساتھ تعلیمات قرآنی پر عمل کا التزام نہ کیا جائے۔ مسلمان کا سورہ نور مکمل طور پر حفظ کرنا اور اسے زانی اور تہمت لگانے والے کی سزا کا علم ہونا اس کے لیے ہرگز مفید نہیں ہو سکتا اگر وہ (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) ان کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا رہے۔ ایسی صورت میں کیا اس کا قرآن کریم حفظ کرنا اسے عبرتناک سزا سے بچا سکتا ہے؟^۱

اب ہم اپنے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ سابقہ گفتگو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم سیکھنے، اسے حفظ کرنے اور اس میں غور و فکر کرنے کا اولین مقصد اس پر عمل کرنا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا إِذَا تَعَلَّمَ عَشْرَ آيَاتٍ لَّمْ يُجَاوِزْهُنَّ حَتَّى يَعْرِفَ مَعَانِيَهُنَّ، وَالْعَمَلَ بِهِنَّ»

”جب ہم میں سے کوئی آدمی دس آیات سیکھ لیتا تھا تو اس وقت تک اس سے آگے نہیں بڑھتا تھا جب تک کہ اس کے معانی نہ جان لیتا اور ان کے مطابق عمل

نہ کر لیتا۔^۱

قرآن کریم پر عمل کرنے والے کے فضائل و مناقب

بلاشبہ قرآن عظیم کا عامل جس فقید المثال جزا کا منتظر ہے، وہ جنت ہے۔ جنت کے کئی درجات ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلِكُلِّ دَرَجَتٍ مِّمَّا عَمِلُوا﴾

”اور ہر ایک کے لیے ان اعمال کی وجہ سے درجے ہیں جو انھوں نے کیے۔“^۲

یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا نافرمانی کرنے والے کے لیے اس کے عمل کے مطابق منازل و مراتب ہیں۔ اللہ تعالیٰ صاحب عمل کو ٹھیک اس کے عمل کے مطابق ہی اس کے انجام و مقام تک پہنچائے گا۔ اگر اعمال اچھے ہیں تو اچھائی کے درجے ملیں گے، برے ہیں تو برے درجے ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ بندے کو ہمیشہ اعمال کے مطابق ہی نتائج و عواقب پیش آتے ہیں۔^۳

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم پر عمل کرنے والے شخص سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

”جس نے نیک عمل کیے، مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ہم انھیں ضرور ان کا اجر و ثواب (بدلہ) اس سے بہتر دیں

۱ مقدمہ تفسیر ابن کثیر: 1/36 تفسیر ابن کثیر کے محققین نے اس روایت کی سند کو ”جید“ قرار دیا ہے۔

۲ الأنعام 6: 132 ۳ تفسیر ابن کثیر: 3/383

گے جو وہ عمل کرتے تھے۔“

قرآن عظیم پر عمل کرنے کے بہت سے متنوع فضائل ہیں۔ ان میں سے بعض فضائل دنیا میں اور بعض آخرت میں حاصل ہوں گے۔ بعض فضائل درج ذیل ہیں:

① دنیا و آخرت میں ہدایت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادَ ۚ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ ۖ وَوَلَّيْنَا لَهُمُ الْأَلْبَابَ ۖ﴾

”لہذا آپ میرے (ان) بندوں کو بشارت دے دیں جو غور سے بات سنتے ہیں، اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی، اور وہی لوگ عقل والے ہیں۔“

یہ اللہ عز و جل کا اپنے نبی کریم محمد ﷺ کے ساتھ تکریم کا معاملہ ہے کہ ارشاد ہوتا ہے آپ ان لوگوں کو خوش خبری دے دیں جو قرآن کریم کو غور سے سنتے ہیں، اور قرآن کریم کی سماعت انہیں اس پر عمل کرنے اور اسے عملی زندگی میں نافذ کرنے کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ﴾ ”وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی“ کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب اللہ پر عمل کرنے کی گراں قدر خوبی سے وہی لوگ متصف ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دین حق اور امور خیر کی ہدایت دی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین اعمال اور اخلاق کی ہدایت دی ہے اور ان کو اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ دنیا میں گمراہ ہوں گے نہ آخرت میں بد بخت ٹھہریں گے۔

② دنیا و آخرت میں باعث رحمت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾

”اور یہ (قرآن ایک عظیم) کتاب ہے، ہم نے اسے نازل کیا ہے، (یہ) برکت والی ہے، پس تم اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“^①

یہ آیت کریمہ اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کا آسان، مختصر ترین اور واضح راستہ علم و عمل کے ذریعے سے کتاب اللہ کا اتباع ہے۔

بلاشبہ اس کتاب کی عظمت، اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونا اور اس میں جو بھی دینی اور دنیاوی منافع ہیں، وہ سب کچھ قرآن کریم کے اتباع اور اس پر عمل کرنے پر موقوف ہے۔^②

”اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ﴾“ تاکہ تم پر رحم کیا جائے“ میں قرآن مجید کا اتباع کرنے پر اللہ کے دامن رحمت میں پناہ ملنے کا وعدہ ہے، بصورت دیگر قرآن کا اتباع نہ کرنے پر دنیا و آخرت میں عذاب کی وعید کی طرف اشارہ ہے۔“^③

اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کی امید رکھتے ہوئے اس مبارک کتاب کے احکام کے مطابق عمل کریں۔

③ دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۚ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

”چنانچہ جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔“^④

① الأنعام 155:6

② تفسیر أبی السعود: 201/3

③ التحرير والتنوير: 133/7

④ الأعراف 157:7

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ وہ جہالت کے اندھیروں کو مٹا دیتا ہے۔ اس کی روشنی سے حق ظاہر ہوتا ہے اور وہ باطل کے مقابلے میں ممتاز ہو جاتا ہے۔ اس کے ذریعے سے ہدایت اور گمراہی اور بھلائی اور برائی کے مابین تمیز کی جاتی ہے۔ قرآن کریم کی ہدایت کی پیروی کرنے والے کے حال کورات کے وقت چلنے والے شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جب وہ روشنی دیکھتا ہے تو اس کی پیروی کرتا ہے کیونکہ اسے اس بات کا یقینی علم ہوتا ہے کہ وہ اس روشنی کے ذریعے خوف، خدشات اور سفر کے مصائب سے محفوظ رہ کر کوئی نہ کوئی جائے نجات ضرور پالے گا۔

پس ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ قرآن عظیم کے نور سے روشنی حاصل کرے، اس کے عقائد کے مطابق اعتقاد رکھے، اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانے، اس کے احکام بجالائے، اس کی منع کردہ باتوں سے اجتناب کرے اور اس کے واقعات اور مثالوں سے عبرت لے۔ اس ساری گفتگو کے بعد کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ قرآن کریم کے نور ہدایت سے محروم رہے اور بصیرت حاصل نہ کرے۔

جس شخص نے اس نور کو قبول کر لیا، اس کا اتباع کیا اور اس میں جو کچھ ہے اس کے مطابق عمل کیا، وہی کامیاب اور دنیا و آخرت میں اپنے مطلوب کو پانے والا ہے۔ ایسا خوش قسمت فرد ہی دین و دنیا کی بھلائیاں حاصل کرے گا اور ان کے شرور سے نجات پا جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں فلاح پانے والے لوگوں میں شامل فرمادے۔

④ گناہوں کا کفارہ اور حال کی اصلاح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝

”اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان لائے، جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا، اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔“^①

صحیح ایمان، قرآن کریم کے کامل اتباع اور اس پر عمل کرنے کا ثمرہ اور نتیجہ دو عظیم چیزیں ہیں: ﴿گناہوں کا کفارہ﴾ ﴿اصلاح حال﴾۔

﴿گناہوں کا کفارہ﴾: ﴿كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ﴾ ”اللہ ان سے ان کی برائیاں دور کر دے گا“ چاہے وہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔ جب ان سے ان کی برائیوں کو دور کر دیا جائے گا تو وہ دنیا و آخرت کے عذاب سے نجات پا جائیں گے۔“^②

”یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے ان کے کفر اور معاصی کو چھپا دے گا کیونکہ انھوں نے ان برائیوں سے رجوع کر لیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لی ہے۔“^③

﴿اصلاح حال کی تشریح﴾: ﴿وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ ”یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے اولیاء کے حال کی اصلاح کر دی اور آخرت میں وہ انھیں ہمیشہ رہنے والی نعمتوں اور اپنی جنتوں میں دائمی رہائش کا اعزاز عطا کرے گا۔“^④

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دین و دنیا، ان کے دلوں اور اعمال کی اصلاح کر دی۔ اس نے انھیں تزکیے اور نیکی میں آگے بڑھا کر ان کے لیے بھرپور بدلے اور ثواب کا اہتمام کر دیا اور ان کے تمام احوال درست کر دیے۔^⑤

① محمد 2:47

② الکشاف: 319/4

③ تفسیر السعدی: 784/1

④ تفسیر السعدی: 784/1

⑤ تفسیر الطبری: 39/26

اس میں کوئی شک نہیں کہ اصلاح احوال سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑا احسان ہے جو قدر و منزلت، قیمت اور اثر میں ایمان کی نعمت سے متصل ہے۔ اس میں نیکی کرنے والوں کے لیے اطمینان قلبی، سکون، راحت اور جلد یا بدیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی سے بھاری ثواب ملنے کی بشارت ہے۔

جب احوال کی اصلاح ہو جائے تو کردار سیدھا، قدم ثابت اور دل مطمئن ہو جاتا ہے، بندے پر سکینت نازل ہوتی ہے، دل راضی ہو جاتا ہے اور وہ امن اور ایمان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی اور نعمت اور سامان راحت ہے؟^۱

اس بابرکت جزا کا براہ راست سبب یہ ہے:

﴿اتَّبِعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾

”انھوں نے اپنے رب کی طرف سے حق کی پیروی کی۔“^۲

یعنی انھوں نے اس قرآن عظیم پر عمل کیا جو ان کے اس رب کی طرف سے نازل ہوا جس نے نعمتوں کے ساتھ ان کی تربیت کی اور اپنے لطف و کرم اور انتہائی باریک بینی سے ان کی فلاح کی تدبیر کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ ان کی تربیت کی تو انھوں نے اس کا اتباع کیا۔ یوں ان کے معاملات صحیح ہو گئے۔

یہ قرآن عظیم کی تعلیمات پر عمل کرنے کے بعض فضائل ہیں اور یہ دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اپنی کتاب پر احسن انداز سے عمل کرنے کی توفیق دے اور اس پر ہمیں بہترین جزا عطا فرمائے۔ بے شک وہ سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

۱ فی ظلال القرآن: 3281/6

۲ محمد: 47

باب 6

مسلمانوں پر قرآن کریم کے حقوق



قرآن کریم پر ایمان لانا

قرآن کریم کا پہلا حق یہ ہے کہ اس پر، اس میں نازل شدہ ہر امر پر اور اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کے رسول ﷺ پر نازل کیا گیا، نیز اس کے محفوظ ہونے پر ایمان لایا جائے۔ یہ کتاب اللہ کے حقوق کے قیام کے لیے اساس اور اولین نشان راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ
وَالْكِتَابِ الَّذِي آتَيْنَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ، اس کے رسول اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے نازل کی۔“^۱

طیب یا ڈاکٹر کے ہاتھوں صحت یابی کے امیدوار مریض سے سب سے پہلے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ طیب یا ڈاکٹر پر اعتماد رکھے اور اس کی اعلیٰ مہارت، تعلیم اور اس کے فوائد پر پختہ یقین رکھے تاکہ مریض اس کی ہدایات پر عمل کرنے کے قابل ہو سکے۔ اگر یہ اعتقاد اٹھ جائے

تو علاج ہرگز اپنے نتائج ظاہر نہیں کرے گا۔

یہی معاملہ مومن کا ہے۔ قرآن کریم کے قاری سے جس بات کا سب سے پہلے مطالبہ کیا جاتا ہے وہ قرآن پر ایمان لانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾

”اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔“

یز فرمایا:

﴿أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ط﴾

”رسول اللہ (ﷺ) اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور سارے مومن بھی۔“

بلاشبہ ایمان وہ چیز ہے جو دل میں بیٹھ جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے، اسی لیے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہمیں حکم دیتا ہے:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾

”تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر (ایمان لائے) جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔“

یقیناً ایمان وہ چیز ہے جو دل میں بیٹھ جائے اور زبان اسے بول کر بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتا ہے:

﴿الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَتْلُوهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ط أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ پ﴾

”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت

کا حق ہے، وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔“^❶
 یہی وہ چیز ہے جس کی عمل نے تصدیق کی۔ پس جو شخص اس کے حق کے مطابق اس پر
 ایمان لائے وہی اس کی تلاوت اس طرح کرتا ہے جس طرح اس کی تلاوت کا حق ہے۔“^❷
 پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن کریم پر اپنا ایمان ثابت کرنے اور اس عالی مرتبہ
 کتاب کی نصیحتوں پر عمل درآمد کے لیے اس کی توقیر، تعظیم اور احترام کا پورا پورا اہتمام کریں۔^❸



❶ البقرة 2:121

❷ يعلمهم الكتاب التعامل مع القرآن الكريم، محمد خير الشعال، ص: 27-28

❸ نواقض الإيمان القولية والعملية، الدكتور عبدالعزيز بن محمد عبداللطيف، ص: 392-393

قرآن کریم کی حفاظت کا اہتمام کرنا

اس کتاب عظیم کا بنیادی حق اس کی حفاظت کرنا، اس پر توجہ دینا، اس کی تعظیم اور اس کا اہتمام کرنا ہے، اسی لیے نبی اکرم ﷺ کی جانب سے اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى: أَوْصَى النَّبِيُّ ﷺ؟ فَقَالَ: لَا، فَقُلْتُ: كُتِبَ عَلَى النَّاسِ الْوَصِيَّةُ، أَمِرُوا بِهَا وَلَمْ يُوصَ؟ قَالَ: أَوْصَى بِكِتَابِ اللَّهِ»

”میں نے حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی اکرم ﷺ نے کوئی وصیت کی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں! میں نے کہا: ”لوگوں پر وصیت فرض کی گئی ہے، انھیں اس کا حکم دیا گیا ہے اور آپ نے وصیت نہیں فرمائی؟“ انھوں نے جواب دیا: ”آپ نے کتاب اللہ کی وصیت فرمائی تھی۔“^۱

حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی طرف سے مال و دولت اور امارت و خلافت

۱ صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب الوصاة بكتاب الله عز وجل، حدیث: 5022

کے بارے میں وصیت کی نفی کی اور کتاب اللہ کے بارے میں وصیت کا اثبات کیا ہے۔ کتاب اللہ کی وصیت سے مراد یہ ہے کہ آپ نے کتاب اللہ میں جو کچھ ہے اس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

شاید نبی اکرم ﷺ نے کتاب اللہ ہی کی وصیت کرنے پر اس لیے اکتفا کیا کہ وہ سب سے عظیم اور اہم ترین چیز ہے۔ مزید برآں اس میں ہر چیز کی وضاحت بطور نص یا بطور استنباط موجود ہے۔^❶

کتاب اللہ کی وصیت کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے الفاظ و معانی حفظ کیے جائیں، اس کا اکرام کیا جائے، اس کی حفاظت کی جائے، اس کے ساتھ دشمن کی سرزمین کا سفر نہ کیا جائے، اس کے مندرجات کا اتباع کیا جائے، اس کے احکام پر عمل اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کیا جائے، اس کی تلاوت اور تعلیم و تعلم پر مداومت اختیار کی جائے وغیرہ وغیرہ۔^❷

اس بنا پر کتاب اللہ کی حفاظت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ صرف قرآنی اوراق کو خزانوں میں محفوظ کر دیا جائے، کانس پر سجایا جائے یا اسے سونے کا تعویذ بنا کر سینوں پر لٹکا لیا جائے، یاد یواروں پر اس کی آیات آویزاں کر دی جائیں، بلکہ اس کی حفاظت کا مقصد ان مظاہر سے بہت بعید ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے سینوں میں اور اس کے الفاظ کو ان کی نازل کردہ شکل کے مطابق سطور میں محفوظ کیا جائے، نیز افراط و تفریط، بدعت، استہزا اور تمسخر سے دور رہتے ہوئے اس کے معنی مقصود کا صحیح ادراک کیا جائے۔

کتاب اللہ کا ادب و احترام صرف اسے چومنے اور اسے اونچی جگہ پر رکھنے تک موقوف

❶ فتح الباری: 5/443

❷ أيضاً: 9/85

نہیں بلکہ اس کا احترام اس کی تلاوت کے وقت خشوع پیدا ہونے، اسے غور سے کان لگا کر سننے، اس میں موجود احکام نافذ اور ان پر عمل درآمد کرنے، اس کی دھمکیوں اور تنبیہات سے نصیحت حاصل کرنے اور اس کے منع کردہ امور سے باز آنے تک وسعت رکھتا ہے۔^❶

www.KitaboSunnat.com



❶ دعوة إلى تدبر القرآن الكريم، مختار شاکر کمال، ص: 33-34

قرآن کریم کی تلاوت کرنا

متعدد آیات کریمہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے بارے میں حکم الہی صادر ہوا ہے۔ ان میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ ہے:

﴿وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝﴾

”اور آپ اس کی تلاوت کیجیے جو کچھ آپ کے رب کی کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور آپ اس کے سوا کوئی جائے پناہ ہرگز نہیں پائیں گے۔“^❶

اگرچہ اس آیت کریمہ میں ظاہری طور پر خطاب رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے لیکن بعینہ آپ کے پیروکاروں کے لیے بھی یہی حکم ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

﴿فَاَقْرءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾

”چنانچہ اس (قرآن) میں سے جتنا آسان ہو پڑھو۔“^❷

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حالت مرض، حالت صحت و عافیت، حالت مصروفیت اور طلب معاش و رزق کی جستجو کے دوران میں اس قدر قرآن پڑھنا فرض قرار دیا ہے جتنا آسان ہو، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حالت فراغت میں قرآن کریم پڑھنا بدرجہ اولیٰ فرض قرار نہ پائے، اسی طرح اللہ کے راستے میں جہاد کی حالت میں حتی المقدور تلاوت قرآن کرنا واجب قرار دیا گیا ہے، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ امن و سلامتی اور اطمینان کی حالت میں اس کا حکم نہ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰیؕ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِؕ وَاٰخَرُوْنَ یَقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاَقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾^۱
 ”اسے علم ہے کہ تم میں سے کتنے بیمار ہوں گے اور کتنے اور زمین میں اللہ کا فضل ڈھونڈتے پھریں گے، اور کتنے اور اللہ کی راہ میں لڑیں گے، چنانچہ اس قرآن میں سے جتنا آسان ہو پڑھو۔“^۱

قرآن کریم کی آیات پر غور و فکر کرنا

ایسی تلاوت قرآن کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ اسے اس طرح متعدد مرتبہ پڑھا جائے کہ پڑھنے والے کو اس بات کا ادراک ہی نہ ہو کہ وہ کیا پڑھے جا رہا ہے۔ آہستہ آہستہ ترتیل کے ساتھ اور غور و فکر کرتے ہوئے تھوڑی سی تلاوت کرنا تیزی سے زیادہ تلاوت کرنے سے افضل ہے کیونکہ تلاوت قرآن سے مقصود اسے سمجھنا، اس میں غور کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

قراءت میں جلدی کرنا معنی و مفہوم سے پوری آگہی نہ ہونے کی نشانی ہے جبکہ آہستہ آہستہ قراءت کرنا قرآن کریم پر غور و فکر کے سلسلے میں ایک اہم قدم ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے استفہامی انداز میں اس شخص کی مذمت کی ہے جس کی عقل اور دل قرآن کریم میں پائی جانے والی حکمتوں، اسرار اور قوانین و شریعت کے بارے میں فہم حاصل کرنے کے لیے نہیں کھلتے اور وہ اسے سمجھنے سے قاصر رہتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝﴾

”کیا پھر وہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟“^۱

۱ محمد 24:47، دعوة إلى تدبر القرآن الكريم، ص: 41

جو شخص بلا سوچے سمجھے قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، وہ ریڈیو کی طرح ہے جو قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے اور جن آیات کو وہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھ رہا ہوتا ہے انہیں سمجھتا نہیں۔ یہ بات قرآن کریم کے مقصد کے خلاف ہے۔ متعدد آیات اس بات کا اشارہ کرتی ہیں کہ قرآن کریم اس لیے تلاوت کیا جاتا ہے کہ ہم اس میں غور و فکر کریں، اسے سمجھیں، عقل سے پرکھیں اور بصیرت حاصل کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝﴾

”اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔“^۱
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝﴾

”اسی طرح ہم اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“^۲
مزید فرمایا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝﴾

”بے شک ہم نے اسے عربی قرآن نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔“^۳

جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جس کے کان تو سنتے ہیں لیکن عقل نہیں سنتی، یا اس کی آنکھیں تو دیکھتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں دیکھتا، یا اس کی زبان تو کلام کرتی ہے لیکن اس کی سوچ اس کلام کی تہ تک نہیں پہنچتی تو وہ شخص بہرا، گونگا اور اندھا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ إِلَيْكَ أَفَآنتَ تَهْدِي الْعُمْىٰ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ۝﴾

”اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں، پھر کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں؟“^{۴۱}

اس آیت کریمہ میں اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ قرآن کریم کی محض تلاوت کرنا یا اسے سننا اصل مقصود نہیں بلکہ یہ تو مقصد تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہیں۔ یقیناً مشرکین قرآن کریم کو بڑے غور کے ساتھ کان لگا کر سننے کے بعد واپس چلے جاتے تھے اور اللہ کا کلام ان کے جہے ہوئے ساکن عقائد میں کوئی تحریک پیدا نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح آج کل بعض مسلمان کرتے ہیں۔ وہ روزانہ ریڈیو پر قرآن کریم کی تلاوت بڑے غور سے کان لگا کر سنتے ہیں، پھر اپنے اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتے ہیں اور قرآن کریم ان کے جامد نظریات اور افعال میں کوئی تغیر اور تحریک نہیں پیدا کرتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ڈنڈی مارنے والا ڈنڈی مارنے والا ہی رہتا ہے اور جھوٹا شخص جھوٹا ہی رہتا ہے۔ سود خور اپنی سود خوریاں مسلسل جاری رکھتا ہے اور فاسق اپنے فسق و فجور میں پیہم مبتلا رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن کریم کی تلاوت سننا محض ایک رسمی عادت بن گئی ہے۔ بعض مشرکین غور سے قرآن کریم سنتے تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی ہے کیونکہ وہ عقل رکھتے تھے نہ بصیرت اور نہ وہ اپنی مذموم خواہشات اور خطاؤں کو تبدیل کرتے تھے۔“^{۴۲}

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿سَاصِفُ عَنْ إِلَٰهِي الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾

”اور جلد ہی میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں (کی نگاہوں) کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔“^{۴۳}

۴۱ یونس 43:10

۴۲ يعلمهم الكتاب التعامل مع القرآن، ص: 20-21

۴۳ الأعراف 146:7

امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں: ”میں ان سے قرآن کریم کا فہم چھین لوں گا۔“^①



① الإِتْقَانُ فِي عِلْمِ الْقُرْآنِ: 2/480

قرآن کریم پر عمل کرنا

قرآن عظیم پر عمل کرنا اس کے حقوق ادا کرنے کی معراج ہے۔ عمل کرنا ہی کتاب عزیز کے نزول کی غایت اور مقصد ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾

”اور یہ (قرآن ایک عظیم) کتاب ہے۔ ہم نے اسے نازل کیا ہے۔ (یہ) برکت والی ہے، پس تم اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“^۱

❖ یہودیوں کی مشابہت سے خوف دلانا: بلاشبہ یہودیوں کی سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ انھوں نے تورات کو محض پڑھنے اور سننے پر اکتفا کیا لیکن اس پر عمل نہیں کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں گدھوں سے تشبیہ دی اور فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ط

يُسَّ مِثْلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝﴾

”ان لوگوں کی مثال، جنھیں حامل تورات بنایا گیا، پھر وہ اسے نہ اٹھا پائے، اس

گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے۔ بری مثال ہے اس قوم کی جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔“^①

ان یہود کو تورات اٹھانے کے لیے دی گئی، یعنی انہوں نے اسے جان لیا اور وہ اس پر عمل کے مکلف ٹھہرائے گئے، پھر انہوں نے اس پر عمل کیا نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھایا۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے اور انہیں اٹھاتے اٹھاتے تھک جاتا ہے مگر ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کرتا۔“^②

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ مثال اگرچہ یہودیوں کے لیے بیان کی گئی ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے یہ ہر اس شخص پر صادق آتی ہے جسے حامل قرآن بنایا گیا مگر اس نے اس پر عمل ترک کر دیا۔“^③

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَخَّصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ قَالَ: هَذَا أَوَانُ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلَى شَيْءٍ»
فَقَالَ زِيَادُ بْنُ لَبِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ: كَيْفَ يُخْتَلَسُ مِنَّا، وَقَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ؟ وَاللَّهِ! لَنَقْرَأَنَّهُ، وَلَنَقْرِئَنَّهُ نِسَاءَنَا وَأَبْنَاءَنَا؟ قَالَ: تَكِلُتَكَ أُمُّكَ يَا زِيَادُ، إِنْ كُنْتُ لَأَعُدُّكَ مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ: هَذِهِ الثَّوْرَةُ وَالْإِنجِيلُ عِنْدَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى فَمَاذَا تُغْنِي عَنْهُمْ؟»

”ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ نے آسمان کی جانب نمٹکی باندھ کر دیکھا، پھر فرمایا: ”وہ وقت بھی آئے گا جب لوگوں سے علم اچک لیا جائے گا حتیٰ کہ وہ تھوڑے

① الجمعة 5:62

② روح المعانی: 95/28، تفسیر البیضاوی: 338/5

③ الأمثال فی القرآن الکریم، ص: 27

سے علم پر بھی قادر نہیں ہوں گے۔“ حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: ”ہم سے علم کیسے اچک لیا جائے گا جبکہ ہم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟ اللہ کی قسم! ہم اسے ضرور پڑھتے رہیں گے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی قرآن کریم پڑھاتے رہیں گے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے زیاد! تیری ماں تجھے گم پائے! بے شک میں تو تجھے اہل مدینہ کے فقہاء میں شمار کرتا تھا۔ یہ جو تورات و انجیل یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس ہیں، یہ انھیں کیا فائدہ پہنچاتی ہیں؟“^①

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو قرآن کریم کی قراءت اور فہم کے بعد اس پر عمل کی دعوت دیتے تھے۔ آپ نے صرف قراءت پر اکتفا کرنے کی دعوت کبھی نہیں دی کہ مسلمان بھی قرآن کریم کی اسی طرح محض تلاوت کرتے رہیں جس طرح بنی اسرائیل تورات پڑھتے رہتے تھے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمِنْهُمْ أَقْيَمُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانًا وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝﴾

”اور ان میں سے کچھ ان پڑھ ہیں، وہ کتاب کو نہیں جانتے، سوائے جھوٹی آرزوؤں کے، اور وہ بس گمان ہی کرتے ہیں۔“^②

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”(أَمَانًا) اُمْنِيَّة کی جمع ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ صرف تلاوت ہی جانتے ہیں۔“^③

آج کل اکثریت ان مسلمانوں کی ہے جو قرآن کریم کی صرف تلاوت ہی جانتے ہیں، بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس گروہ کے افعال سے ڈرایا تھا جو ان کے بعد آئے

① جامع الترمذی، العلم، باب ماجاء فی ذهاب العلم، حدیث: 2653۔ اس حدیث کو شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح سنن الترمذی: 337/2، حدیث: 2136)

② البقرة: 78

③ الجامع لأحكام القرآن: 6/2

گا۔ وہ لوگ قرآن کریم کی قراءت کریں گے جبکہ یہ قراءت ان کے گلے سے آگے نہیں بڑھے گی بلکہ بلا عمل آوازوں کے دائرے ہی میں رہے گی۔ رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے:

«يَخْرُجُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ - قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ، يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوقَهُمْ، أَوْ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ»

”اس امت میں ایک ایسی قوم ظاہر ہوگی جن کی نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن کریم کی قراءت کریں گے تو قرآن ان کے حلق سے نہیں اترے گا (یا فرمایا) ان کے گلے سے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیرا اپنے نشانے کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل جاتا ہے۔“^۱



۱ صحیح البخاری، استتابة المرتدین، باب قتل الخوارج والملحدین، حدیث: 6931

قرآن کریم کے آداب

تلاوت قرآن کے آداب دو طرح کے ہیں: ❀ قلبی آداب ❀ ظاہری آداب

قلبى آداب

- ① کلام کی حقیقت اور اصل کی معرفت: اس سے مراد یہ ہے کہ پڑھے جانے والے کلام کی عظمت، بلند مقام اور اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق پر فضل و کرم کے بارے میں تنبیہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زبردست شرف والے کلام عظیم کے ذریعے سے مخاطب کیا ہے اور ان پر اپنی رحمت کرتے ہوئے اس کلام کے سمجھنے میں آسانی کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔
- ② قرآن نازل کرنے والے کی تعظیم: یہ اس لیے لازم ہے کہ جس قرآن کی آدمی قراءت کر رہا ہے وہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ خاص طور پر جب آدمی اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اسماء و افعال پر غور و فکر کرتا ہے تو اس کی عظمت و برگزیدگی واضح ہوتی ہے۔
- ③ تلاوت قرآن کے وقت دل کا متوجہ ہونا: دل کی حضوری کے باعث کلام اللہ کی تعظیم کرنے والا تلاوت سے خوشی محسوس کرتا ہے، اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس سے غافل نہیں ہوتا۔

④ پڑھے اور سنے جانے والے کلام پر غور و فکر کرنا: ایسی عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں سوچ بوجھ سے کام نہ لیا جائے۔ پس آدمی کوشش کرے کہ قرآن کے تمام مطالب و مفاہیم کو سمجھے کیونکہ وہ اللہ رب العالمین کے احکام ہیں۔

⑤ ہر آیت کے مطابق دل کا متاثر ہونا: قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے معانی اور اس کے افعال پر غور و فکر کرے تاکہ وہ فعل کی عظمت سے فاعل کی بڑائی اور برگزیدگی پر استدلال کر سکے۔ انبیاء کے احوال سے تسکین حاصل کرے اور ان کے نقش قدم پر چلے اور سوچے کہ وہ کیسے جھٹلائے گئے، مارے گئے اور ان میں سے بعض قتل کر دیے گئے لیکن ان کے اس ابتلا نے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں چھڑکے پر برابر بھی کوئی کمی کی نہ اضافہ کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پروا ہے۔ اسے متقیوں کا تقویٰ کوئی فائدہ پہنچاتا ہے نہ کافروں کی بدکاریاں کوئی نقصان پہنچاتی ہیں، مزید برآں اسے جھٹلانے والوں کے احوال سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ اگر وہ غافل ہو گیا اور اس سے کوئی بے ادبی سرزد ہوگئی تو عین ممکن ہے کہ اسے کوئی سزا آ پکڑے۔

⑥ یہ سمجھنا کہ قرآن کریم کے ہر ارشاد کا روئے سخن میری طرف ہے: تلاوت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس طرح قرآن کریم کی قراءت کرے جس طرح غلام اس کتاب کو پڑھتا ہے جسے اس کے آقا نے اسی کے مطالعے کے لیے مخصوص کر دیا ہو اور اس میں اس نے بعض احکام صادر کیے ہوں اور بعض امور سے منع کیا ہو۔ اس کی توثیق ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”اگر تو قرآن کریم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے سماع کے وقت اپنے دل کو اسی کی طرف مرکوز کر دے، اپنے کان اسی طرف لگا دے اور اس پاک ذات کو اپنے پاس موجود سمجھ جس سے تو مخاطب ہوتا ہے اور جس سے

بذریعہ قرآن کریم کلام کرتا ہے، بلاشبہ یہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جاری ہونے والا، اللہ کی طرف سے تیرے لیے خطاب ہے۔“^①

دور حاضر کے مسلمانوں کی اپنے اسلام، اپنے قرآن اور اپنے رب کے ساتھ تعلق کی جو حالت ہے اسے دیکھ کر نہایت افسوس ہوتا ہے۔ یقیناً ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ قرآن کریم کے احکام اور نصیحت بنیادی طور پر اسی کے لیے ہیں۔ اس کے برعکس وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ تو فلاں شخص کے لیے خطاب ہے۔ وہ اپنے آپ کو مسؤلیت اور جواب دہی سے بعید قرار دیتا ہے اور اپنے واجبات دوسروں کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے، اس لیے وہ قرآن کریم سے متاثر ہوتا ہے نہ اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل شروع کر دے۔^②

⑦ جس آیت کی تلاوت کی جائے اس کا اثر قبول کیا جائے: آدمی کو چاہیے کہ وہ وعید اور جہنم کے تذکرے کے وقت خوف سے لرز جائے، جنت کے وعدے اور اس کے تذکرے سے مسرت محسوس کرے، اللہ تعالیٰ، اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کے تذکرے پر انکسار سے اپنا سر جھکا دے اور کفار کی باتوں کی قباحت اور اپنے دعووں میں ان کی بے ادبیوں پر شرمسار ہوتے ہوئے اپنی آواز پست رکھے اور اپنے باطن میں انکسار اور عاجزی پیدا کرے۔

⑧ مانع فہم امور سے اجتناب کیا جائے: جو باتیں قاری کی سمجھ میں نہ آنے والی ہوں وہ ان سے احتراز کرے اور اپنی ساری توجہ حروف کی تجوید پر مرکوز رکھے۔
مانع فہم امور سے علیحدہ ہونے کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ گناہوں سے فوراً توبہ کی

① الفوائد، ص: 3

② مفاتیح للتعامل مع کتاب اللہ، ص: 132-133

جائے۔ ترک گناہ کی پہلی منزل دل کی بیماریاں ہیں، انھیں ختم کیا جائے تاکہ دل مستعد ہو جائے اور اللہ کا کلام قبول کرنے کے قابل ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ذکر اور قرآن کریم کی تلاوت سے مطمئن ہونے والا دل ان چیزوں کی ضد، مثلاً لہو و لعب اور موسیقی وغیرہ کو چھوڑ دیتا ہے، اسی طرح اس کے برعکس ہو تو نتیجہ بھی برعکس نکلتا ہے۔ وہ دل جسے موسیقی اور لہو و لعب کا جام پلایا گیا ہو، وہ اللہ کے ذکر اور قرآن کی تلاوت سے کھلتا ہے نہ ان سے مستفید ہوتا ہے۔

⑨ اپنی طاقت اور قدرت سے اظہار براءت: اللہ تعالیٰ جو نہایت برگزیدہ، عالی اور عظیم ہے، اس کی بخشی ہوئی توفیق اور طاقت ہی سے آدمی نیکی کا کام کر سکتا ہے یا کسی برائی سے بچ سکتا ہے، لہذا آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے بارے میں ہرگز کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو اور خود کو متقی اور پرہیزگار نہ سمجھنے لگے۔

ظاہری آداب

تلاوت قرآن کے آداب ظاہری درج ذیل ہیں:

طہارت کرنا، خوشبو لگانا، جگہ کی صفائی، پاک صاف اور اچھے کپڑے پہننا، مسواک سے منہ کی صفائی کرنا، قبلہ رخ ہونا، سکون اور وقار کے ساتھ بیٹھنا، مصحف کی ترتیب کے مطابق تلاوت کرنا، اللہ کے خوف کی کیفیت میں رونے کی کوشش کرنا۔ اگر اسے رونا نہ آئے تو پھر اسے اپنے دل کی سختی اور قساوت پر رونا چاہیے۔ جب جمائی آئے تو اس وقت تک تلاوت سے رک جائے جب تک کہ جمائی ختم نہ ہو جائے۔ سلام کا جواب دینے، چھینک کے بعد (الْحَمْدُ لِلَّهِ) کہنے اور چھینکنے والے کے لیے (يَرْحَمُكَ اللَّهُ) کہنے کے لیے بطور وجوب اور صدائے مؤذن کا جواب دینے کے لیے بطور جواز قراءت قرآن موقوف کر دی جائے۔

قرآن کریم کو ذریعہ معاش بنانا مکروہ ہے اور نجس منہ کے ساتھ قراءت کرنا، بازاروں میں شور و غل اور لہو و لعب کے مقامات پر اور بے وقوفوں کے جمعوں میں اونچی آواز سے تلاوت کرنا بھی مکروہ ہے، اسی طرح قبوہ خانوں میں اور ایسے پبلک مقامات پر جہری تلاوت مکروہ ہے جہاں قراءت قرآن کو سنا ہی نہیں جاتا بلکہ اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اسے لہو و لعب کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

دنیاوی امور و معاملات کا کوئی موقع پیش آئے تو ایسے موقع پر قرآن کریم کی کسی آیت کی تاویل کرنا بھی مکروہ ہے، مثلاً اچانک کوئی شخص آئے تو کوئی یہ کہہ دے:

﴿جَنَّتْ عَلَى قَدَرٍ لِّمُوسَى ۝﴾

”اے موسیٰ! تو تقدیر الہی کے مطابق یہاں آیا۔“^①

یاد سترخوان پر کھانا آئے تو یہ آیت پڑھ دے:

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝﴾

”مزے سے کھاؤ اور پیو ان (اعمال) کے بدلے جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجے۔“^②

اس طرح کے ہنگامی دنیاوی امور کے سلسلے میں متعلقہ قرآنی آیت پڑھنا مناسب نہیں۔ قرآن کریم کو الٹا پڑھنا یکسر ناجائز ہے جیسا کہ بعض لوگ مہارت دکھانے کے زعم میں اس طرح پڑھتے ہیں (الضالین ولا علیہم المغضوب غیر.....) نعوذ باللہ من ذلک^③۔

① طہ 40:20 ② الحاقۃ 24:69

③ حق التلاوة، حسنی شیخ عثمان، ص: 401

جو شخص مزید آداب تلاوت کی تفصیل جانا چاہے، اسے امام نووی رحمہ اللہ کی بے مثل کتاب ”التبیان فی آداب حملۃ القرآن“ کا مطالعہ کرنا چاہیے جس میں آداب تلاوت قرآن بہ تمام و کمال بتلا دیے گئے ہیں۔

قرآن کریم کے ساتھ برتاؤ کے متعلق عمومی آداب

عظمت و برگزیدگی والی کتاب الہی کے عام آداب بھی ہیں۔ ان سے کسی مسلمان کو بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔ ان میں سے بعض آداب درج ذیل ہیں:

❖ قرآن کریم سے ترک تعلق نہ کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ إِنِّي قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝﴾

”اور رسول کہیں گے: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔“❖

اس آیت کریمہ کا مفہوم واضح ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ اپنے رب سے اپنی قوم (کفار قریش) کے قرآن کریم کو پس پشت ڈالنے یعنی اس کی تصدیق نہ کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے کی شکایت کریں گے۔ یہ بڑی سنگین شکایت ہے۔ اس میں اس شخص کو نہایت شدت سے ڈرایا گیا ہے جس نے قرآن کریم کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ وہ اس میں موجود حلال و حرام، آداب اور اعلیٰ اخلاقیات کے احکام و امور پر عمل کرتا ہے نہ اس میں موجود عقائد پر اعتقاد رکھتا ہے اور نہ وہ اس میں موجود قصص و واقعات، مثالوں اور وعیدوں سے کوئی عبرت پکڑتا ہے۔❖

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے قرآن سے ترک تعلق کی یہ قسمیں بیان کی ہیں:

❖ قرآن کریم پڑھنے، سننے، اس پر ایمان لانے اور اس کی طرف دھیان دینے کو ترک کر دینا۔

❖ اس پر عمل نہ کرنا اور اس کے حلال و حرام کو ملحوظ نہ رکھنا اگرچہ بندہ اس کی تلاوت کرے

اور اس پر ایمان بھی لائے۔

✽ دین کے اصول و فروع میں قرآن کے فیصلے کو پس پشت ڈالنا اور اپنے جھگڑوں کے فیصلے احکام قرآن کے مطابق نہ کرنا۔ یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ یقینی فائدہ نہیں دیتا بلکہ اس کے دلائل لفظی ہیں اور ان سے کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔

✽ قرآن کریم کے ارشادات پر غور نہ کرنا، ان کا مفہوم نہ سمجھنا اور قرآن کے ساتھ کلام کرنے والے باری تعالیٰ کے مقصد کی پہچان ترک کر دینا۔

✽ دل کی بیماریوں میں قرآن کے نسخہ شفا سے کوئی فائدہ نہ اٹھانا بلکہ اپنی بیماری کے لیے قرآن کے بجائے غیروں سے شفا طلب کرنا اور قرآنی علاج کو ترک کر دینا۔“

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے قرآن کریم سے ترک تعلق کی جو قسمیں بیان کی ہیں وہ سب آج واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم سے ترک تعلق کر لیا گیا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس کو یاد کرنے، حفظ کرنے اور اس کی تعلیم و تعلم سے بے رغبتی اختیار کر لی ہے، جبکہ اس کے برعکس وہ متعدد جائز اور ناجائز معلوماتی لٹریچر اور اخبارات و جرائد کا مطالعہ کرنے کے بڑے حریص ہیں تاکہ وہ بڑی حسرت اور شوق سے ایسی خبریں اور معلومات ازبر کر لیں جن پر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں۔

قرآن کریم غور سے سننا بھی چھوڑ دیا گیا ہے۔ اکثر لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ قرآن کریم سننے سنانے کا تعلق تو صرف رنج و غم کے مواقع یا ماحمی پنڈالوں سے ہے۔ اکثر تو لہو و لعب، موسیقی، گانے، شیطان کے باجے اور بانسریاں سنتے ہیں۔ انھوں نے اللہ رحمان و رحیم کے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ غور و فکر کے اعتبار سے بھی قرآن عزیز کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کو ان بلند و بالا اور زمین میں مینوں کی طرح گڑے ہوئے

پہاڑوں پر نازل کرتا تو وہ بھی اس کی خشیت اور خوف سے پھٹ جاتے۔ مگر انسانوں کے دل سخت ہو گئے، ان کی آنکھیں پتھر انگیں اور ان کے دل تدبر نہیں کرتے کہ وہ ڈر جائیں، نہ ان کے اعضاء و جوارح قرآن کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں کہ وہ اس کے مطیع بن جائیں اور نہ ان کی آنکھیں متحرک ہوتی ہیں کہ آنسو چھلک اٹھیں۔

عمل کے اعتبار سے بھی قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ سوائے گنتی کے چند لوگوں کے جن پر اللہ نے رحم فرمایا ہے، باقی سب کی حالت یہ ہے کہ ان کے ہاں قرآن کریم زندگی بھر کا کامل منہج قرار پانے کے بجائے اس قابل ٹھہرا ہے کہ قبروں کے پاس اس کی آیات تلاوت کی جائیں اور مردوں کو ان کا ثواب بخش دیا جائے جبکہ خود یہ زندہ لوگ ان سے کہیں زیادہ ان آیات کے ثواب اور انھیں مختلف انداز سے اپنی زندگی کا منہج و دستور بنانے کے محتاج ہیں۔ اکثر لوگ آیات قرآنی کے تعویذ گنڈے بناتے ہیں جنھیں چھوٹے بچوں کے سینوں پر لٹکا دیا جاتا ہے یا بزم خولیش گھروں، محلات اور کاروں وغیرہ کے اندر حفاظت اور حصول برکت کے لیے رکھا جاتا ہے۔

مقدمات وغیرہ میں بھی قرآن کریم سے فیصلے کرانا متروک ہو گیا ہے۔ تنازعات طے کرنے کے لیے قرآن کریم سے رہنمائی لینے کا پاکیزہ دستور منسوخ کر کے مسلمان بہت بڑے گناہ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ (نعوذ باللہ!) آج اللہ تعالیٰ کی شریعت کو کمزوری، عاجزی، کوتاہی کا حامل قرار دیا جا رہا ہے اور پوری ڈھٹائی سے اس پر یہ تہمت تھوپي جا رہی ہے کہ شریعت الہیہ تہذیب جدید کے قافلے سے پیچھے رہ گئی ہے۔ اب مالی، جانی، خونی اور عزت و آبرو کے مقدمے وضعی قوانین کے فیصلوں کی بنیاد پر چل رہے ہیں۔

افسوس! اب قرآن کریم کے نور شفا سے امراض کا علاج نہیں کرایا جاتا بلکہ اس مقدس اور زندہ کتاب کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے اور اس کے بجائے لوگ جادوگروں، قیافہ شناسوں

اور جھوٹے اور مکار لوگوں کے پاس جا کر ان سے اپنی بیماریوں کی شفا اور دوا کا مطالبہ کرتے ہیں۔

کیا ان مکروہ باتوں سے توبہ کر کے لوٹنا ممکن ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں بخشش اور عافیت کی التجا کرتے ہیں۔⁴

❖ قرآن کریم کی قراءت میں ٹھہراؤ ہونا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقْرَأْنَا قُرْآنَهُ لِيَتَّقِيَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ﴾

”اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا اتارا تا کہ آپ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں۔“⁵
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿قُرْآنَهُ﴾ یعنی ہم نے اسے الگ الگ حصوں میں بانٹا ہے۔⁶

﴿لِيَتَّقِيَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ﴾ یعنی آپ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ پڑھ کر لوگوں کو سنائیں۔ اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنے کا سبب بھی یہی ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اس کے الفاظ اور معانی سننے والوں کے دل و دماغ میں نقش ہو جائیں۔⁷

اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب ﷺ کو ٹھہر ٹھہر کر وضاحت سے قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾

”اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے۔“⁸

❶ فتح الرحمن فی بیان ہجر القرآن، محمد آل عبدالعزیز و محمود الملاح، ص: 4-5

❷ بنی اسرائیل 17: 106

❸ صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب الترتیل فی القراءة قبل حدیث: 5043

❹ التحریر والتنویر: 181/14

❺ المزمّل 73: 4

رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کے اس حکم کی بھرپور تعمیل کی، چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: كَانَ يُمَدُّ مَدًّا»

”میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کی قراءت کا حال پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ”آپ ﷺ الفاظ کو لمبا کر کے پڑھتے تھے۔“^①

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: نبی اکرم ﷺ کی قراءت کیسی ہوتی تھی؟ تو انھوں نے فرمایا:

«كَانَتْ مَدًّا، ثُمَّ قَرَأَ ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ يَمَدُّ بِبِسْمِ اللَّهِ وَيَمَدُّ بِالرَّحْمَنِ وَيَمَدُّ بِالرَّحِيمِ»

”لمبی لمبی ہوتی تھی، پھر انھوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر سنائی، چنانچہ انھوں نے ”بِسْمِ اللّٰهِ“ کو لمبا کیا اور ”الرَّحْمٰنِ“ کو لمبا کیا اور ”الرَّحِیْمِ“ کو لمبا کیا۔“^②

مصحف کے بارے میں آداب

جب دو گتوں کے درمیان مصحف کریم خالق کائنات، معبود برحق ذوالجلال والاکرام کے کلام پر مشتمل ہے اور وہ دنیا میں موجود تمام کتابوں سے زیادہ عزت والی اور اشرف کتاب ہے تو قوی اور فعلی تعظیم کے اعتبار سے بھی یہ کتاب مقدس اعلیٰ سے اعلیٰ آداب کی مستحق ہے۔ مصحف کے ضروری آداب میں سے چند درج ذیل ہیں:

① صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب مدالقرآن، حدیث: 5045

② صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب مدالقرآن، حدیث: 5046

✽ اسے چھونے کے لیے طہارت شرط ہے۔ اس کے نام، رسم الخط اور حجم کو چھونا نہیں کرنا چاہیے۔ جو شخص قرآن عظیم لکھتا ہے اس سے تاکیداً مطالبہ کیا جائے کہ وہ اسے حسین و جمیل خط میں لکھے اور ایسے ورق پر لکھے جو قرآن کے شایان شان ہو۔^❶

✽ اس کی طرف کسی چیز کی نسبت کرنے، اس کی طمع سازی اور گل کاری کرنے، اسے زیورات سے آراستہ کرنے، سونے یا چاندی سے لکھنے، عجمی رسم الخط میں لکھنے یا اسے ذریعہ تجارت بنانے سے احتراز کرنا چاہیے۔

✽ اس کی طرف پیٹھ کرنے، اسے تکیہ بنانے، رکھتے وقت یا کسی کو پکڑاتے وقت اسے پھینکنے، اس کی طرف ٹانگیں پھیلانے، اس کے ساتھ پنکھا بھلنے، اسے پکڑتے یا پکڑاتے وقت بایاں ہاتھ استعمال کرنے اور اس کے نام کی تصغیر اور تحقیر کرنے سے بچنا اور ڈرنا چاہیے۔ یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ ”یہ چھوٹی سی سورت“ ہے۔^❷

✽ اس کے اوپر یا اس کے اوراق کے درمیان میں کوئی چیز رکھنے، گھٹیا مقامات میں داخل ہوتے وقت اسے پاس رکھنے، دشمن کے علاقے کی طرف اس کے ساتھ سفر کرنے اور اسے کسی بھی قسم کی گندگی سے آلودہ کرنے سے بہت ڈرنا چاہیے، مثلاً قرآن کریم کے اوراق پلٹنے کے لیے اپنی انگلی تھوک سے آلودہ نہیں کرنی چاہیے، اسی طرح اسے ایسی جگہ پیش نہیں کرنا چاہیے جہاں اس کی توہین کا خدشہ ہو۔ چھوٹے بچوں، پاگلوں اور کافروں کو قرآن مجید چھونے یا پکڑنے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہیے۔^❸

✽ اسے زمین پر یا مساجد کی دیواروں وغیرہ پر لکھنے سے ڈرنا چاہیے۔ قرآن کریم کے حاشیے یا جلد پر لکھنے سے بھی احتیاط برتنی چاہیے۔ مدارس کے اکثر طلباء قرآن کریم کے حاشیوں پر لکھتے

❶ الجامع لأحكام القرآن: 44/1

❷ أيضاً: 45/1

❸ أيضاً: 46/1-47

رہتے ہیں انھیں اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ہمارے قریب ترین دور میں اور زمانہ حال میں اسلام کے کینہ پرور دشمنوں نے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے اور قرآن مجید کی تحقیر کرنے اور اس کی قدر و قیمت گھٹانے کے لیے اس کی بے ادبی کی یہ چال چلی کہ انھوں نے قرآن کریم کی آیات ملبوسات، جوتوں اور دیگر اشیائے ضرورت کی پیکنگ کے ڈبوں پر چھاپنی شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو قرآن کریم کے دشمنوں پر!

﴿وَيَسْأَلُونَ وَيَسْأَلُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَسْئِلِينَ ۝﴾

”وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔“^۱

✽ قرآن جس اصلی مقصد کے لیے آیا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے کام میں اسے استعمال کرنے سے ڈرنا چاہیے، مثلاً اس کے ذریعے کسی کو پریشان کرنا، بطور تعویذ، برائے حفاظت یا برائے زینت لٹکانا یا اسے صرف تبرک کے لیے حاصل کرنا ممنوع ہے، مزید برآں قرآن کریم کو ان تمام امور میں بروئے کار لانے سے گریز کرنا چاہیے جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔^۲



۱ الأنفال 30:8، کیف نحيا بالقرآن، ص: 94-95

۲ المتحف فی أحكام المصحف، الدكتور صالح بن محمد الرشید، ص: 22-23

قرآن کریم کی دعوت اور اس کی تبلیغ

بلاشبہ ایک شرعی فریضہ جو مشارق و مغارب اور عرب و عجم کے تمام مسلمانوں پر بلا امتیاز واجب ہے، وہ قرآن کریم کی دوسروں کو تبلیغ کرنا، اس کی دعوت دینا اور اس کے محاسن کھول کھول کر بیان کر کے اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ بلاشبہ قرآن حکیم مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾

”اور ہم نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا۔“^۱

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی محمد ﷺ کو کسی بات کا حکم دراصل آپ کی امت کے لیے بھی ہوتا ہے، لہذا ہر مسلمان پر بقدر استطاعت اس کی تبلیغ اور اس کے عملی نفاذ کی کوشش کرنا لازم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علمائے کرام پر اس کی مسئولیت دوسروں کی نسبت زیادہ ہے کیونکہ انھیں شرعی علوم کے رسوخ میں انفرادیت حاصل ہے اور وہ لوگوں کے روبرو

قرآنی احکام کی تفسیر اور اس کے مطالب کی وضاحت کی زیادہ دسترس رکھتے ہیں۔
بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اپنے نبی ﷺ کی طرف اس لیے وحی کیا ہے تاکہ
آپ سب سے پہلے اپنی قوم کو ڈرائیں اور پھر تمام لوگوں کو یہ قرآن پہنچا دیں جیسا کہ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَوْحَىٰ إِلَيْنَا هَذَا الْقُرْآنَ لِأَنَّذَرَكُمْ بِهِ وَمَنْ يَبْلُغْهُ﴾

”اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمہیں اور
جس جس کو یہ پہنچے ان سب کو ڈراؤں۔“^①

ربیع بن انس فرماتے ہیں: ”جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتا ہے اس پر لازم ہے
کہ وہ اسی طرح دعوت دین دے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے دی اور اسی طرح ڈرائے جس
طرح رسول اللہ ﷺ نے ڈرایا۔“^②

تمام مسلمان حضرت محمد ﷺ کی امت ہیں اور ان سب پر آپ کی رسالت کی تبلیغ واجب
ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ
اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ 〇﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: یہی میری راہ ہے، میں (تمہیں) اللہ کی طرف بلاتا ہوں
بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی، جنہوں نے میرا اتباع کیا، اور اللہ پاک
ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔“^③

پس ہر مسلمان کے لیے بذات خود نیک اور صالح ہونا کافی نہیں بلکہ اس کا فرض عین ہے
کہ وہ دوسروں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے اپنی تمام تر کوششیں بروئے کار لائے۔

قرآن کریم کی دعوت اور اس کی تبلیغ

● اہل عرب کی اہم ترین ذمہ داری: اس دور میں عرب کے مسلمانوں پر قرآن مجید کی تبلیغ کی مسئولیت بطور خاص زیادہ ہے کیونکہ قرآن انھی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ ان کے لیے شرف و فخر کی یہی متاع بہت ہے کہ وہ سب سے زیادہ قرآن کریم کے مطالب سمجھتے ہیں اور اس کے مقصد اور مدعا کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں، لہذا ان پر یہ فرض ہے کہ وہ ساری دنیا کے آگے قرآن عظیم پیش کریں اور تمام انسانوں کو رب ذوالجلال کے احکام پوری وضاحت سے سنائیں۔

کاروان زندگي آگے بھاگا جا رہا ہے۔ بڑا نازک زمانہ آ گیا ہے۔ موجودہ دور کا تقاضا تو یہ ہے کہ اندھے بھی دیکھنے لگیں اور لنگڑے بھی اٹھ کر چل کھڑے ہوں۔

کیا عرب اب بھی خواب غفلت سے بیدار نہ ہوں گے؟ بلاشبہ معاملہ بہت خطرناک ہے، مسئولیت بہت عظیم ہے، امانت بہت بھاری ہے۔ اس دور میں قرآنی دعوت کا فریضہ عربوں پر بالخصوص اور دوسرے مسلمانوں پر بالعموم عائد ہوتا ہے اور ہم سب پر لازم ہے کہ ہم مادی سرکشی، تہذیب جدید کی چکا چوند، مذہبی کشمکشوں، فکری جنگ اور سیاسی اختلافات کا مؤثر مقابلہ کرنے کے لیے دو گنی اور چو گنی جدوجہد کریں۔

عجب احوال و ظروف ہیں، کتنا عجیب منظر ہے۔ حصول اقتدار کی خوفناک بھاگ دوڑ کا سامنا ہے۔ وقت کی پکار ہے کہ ہر مسلمان اس شعور سے لیس ہو جائے کہ بلاشبہ وہ اسلام کی سرحدی چوکیوں میں سے کسی ایک چوکی پر تعینات ہے۔ اس شعور و احساس کا مطالبہ ہے کہ وہ فضائی چینلوں، نشری پروگراموں، اخبارات و جرائد اور کتابوں کے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لائے اور ہر اس مرکز، جمعیت اور ادارے کو سہارا دے اور اسے ناقابل تسخیر قلعہ بنا دے جو قرآن عظیم کا پرچم بلند کر کے تمام ابنائے آدم کو رب ذوالجلال کی بندگی کی دعوت دے رہا ہو۔

..... آواز دے رہا ہے زمانہ بڑھے چلو!

تلاش حق سیریز

تلاش حق میں سرگرداں لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے
انتہائی مستند، جامع اور دل پذیر کتابوں کا سیٹ، اردو میں پہلی بار



www.kitoSunnat.com

فدائے اسلام اور دہائیوں کو ہدیہ پیش کیا

- توحید اور ایم
- رحمت دو عالم ﷺ
- قرآن کی عظمتیں اور اس کے عجوبے
- اسلام کی انتہائی غمخوار
- اسلام کے بنیادی عقائد
- اسلام کی بنیادی حقوق
- اسلامی تہنوں اور سائنس کے معاملات
- اسلام پر صدیوں کے اعتراضات کے علمی جواب
- اسلامی معاشرہ کا خوب کون؟
- عیسائیوں کے عقائد میں کیا
- جنت میں داخلہ دینے والے اعمال



ہمارے مقدس پروردگار کو انسانوں کی باہمی محبت بڑی محبوب ہے۔ وہ تفرقے اور آپس کے لڑائی جھگڑے ہرگز گوارا نہیں فرماتا۔ اللہ نے بے حد کرم فرمایا کہ سب انسانوں کی رہبری کے لیے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان کی معرفت قرآن کریم جیسی متاع بے بہا عطا کی۔ قرآن کریم نے انسانوں کو باہمی یگانگت کے رشتے میں جوڑنے کا گر بتا دیا کہ سب انسانوں کا ایک ہی پروردگار ہے۔ سب کو اسی کی بندگی کرنی چاہیے، اس کی وحدت و یکتائی میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے اور اچھے کام کرنے چاہیے۔

”قرآن کی عظمتیں اور اس کے معجزے“ کے زیر عنوان یہ کتاب درحقیقت اسی نصب العین کی تشریح ہے۔ آج دنیا بھر میں جگہ جگہ تفرقے اور تہلکے برپا ہیں۔ دنیا امن اور عزت و راحت کی زندگی کے لیے ترس رہی ہے۔ اُسے یہ نعمت صرف قرآنی تعلیمات کی چھاؤں ہی میں نصیب ہو سکتی ہے..... یہ کتاب قرآن کی عظمت و جلالت اور اس کے علوم و معارف کا جامع تعارف ہے۔ اسے خود بھی پڑھیے اور اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کو بھی اس کے مطالعے کی دعوت دیجیے!

ISBN 969913444-5



9 789699 134449

دارالسلام

کتاب و سنت کی شاع کا عالمی ادارہ

ریاض - جدہ - شارجہ - لاہور - کراچی
اسلام آباد - لندن - میونخ - نیویارک

